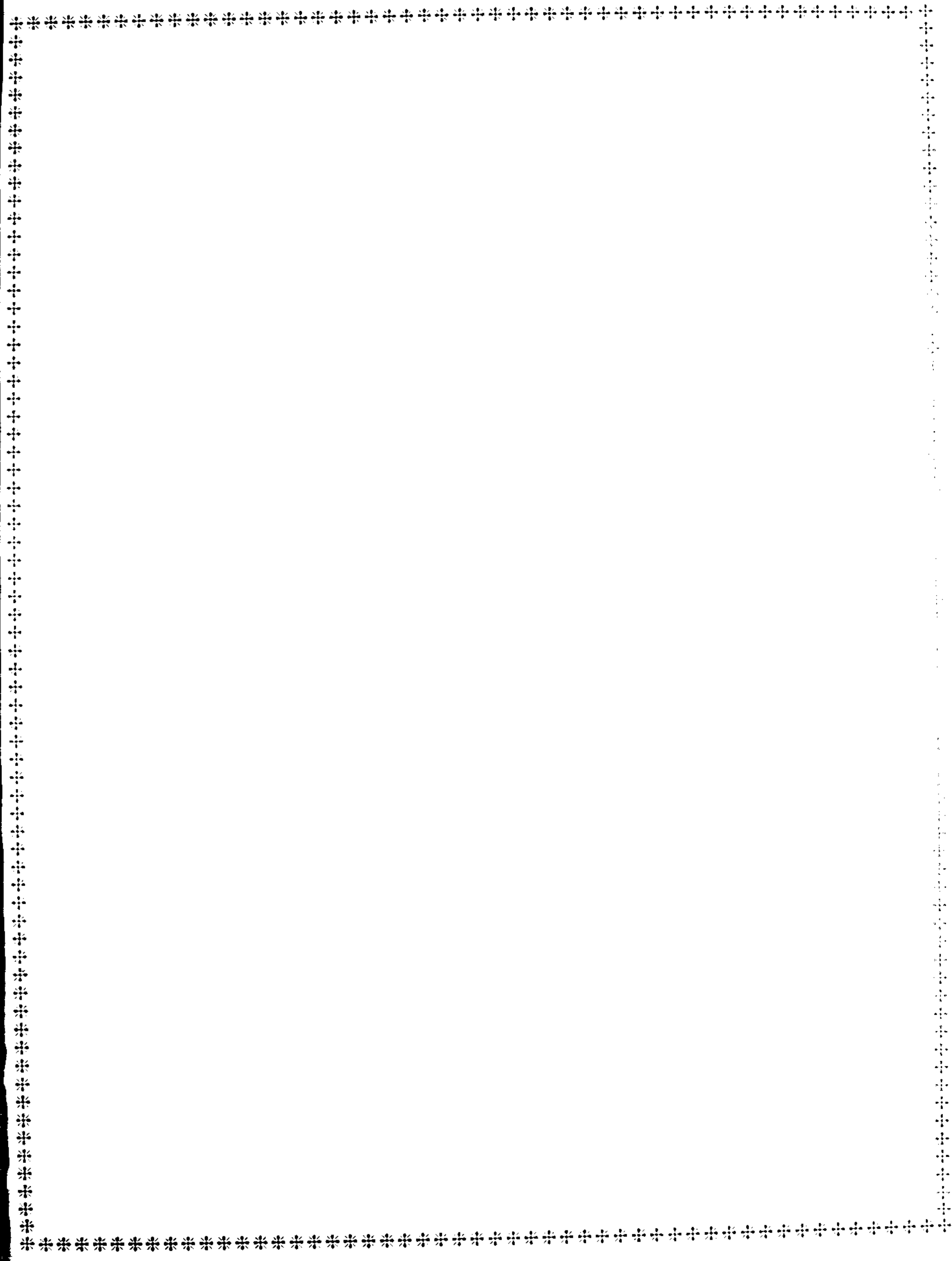


116

Handwritten text in Arabic script, likely a title or description, appearing in several lines across the center of the cover. The text is faint and difficult to read due to the dark, textured background.

116

116



# حسب ونسب

مؤلفہ

مفتی غلام رسول

(لندن)

+++++

بحسن اہتمام

انجمن فاطمیہ ”یو کے“

ناشر

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ انٹرنیشنل

مسلم موومنٹ

والتھم سٹو۔ لندن۔ برطانیہ

۲

52516



## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	_____	حسب و نسب
مؤلفہ	_____	مفتی غلام رسول
اشاعت	_____	ستمبر ۱۹۹۰ء
تعداد اشاعت	_____	۱۰۰۰
کتابت	_____	ظہور الہی
طابع	_____	فضل ربی پریس
		خورشید پریس کشمیر روڈ راولپنڈی
		فون: ۵۶۸۱۷۶ - ۵۸۱۶۵۳
ناشر	_____	انجمن فاطمیہ یو کے
قیمت	_____	

# نذرانہ عقیدت

بخصوص

## اہل بیت اطہار

جن کے نسب کی عظمت و طہارت پر

قرآن شہید ہے۔

(مفتی عن سلام رسول)

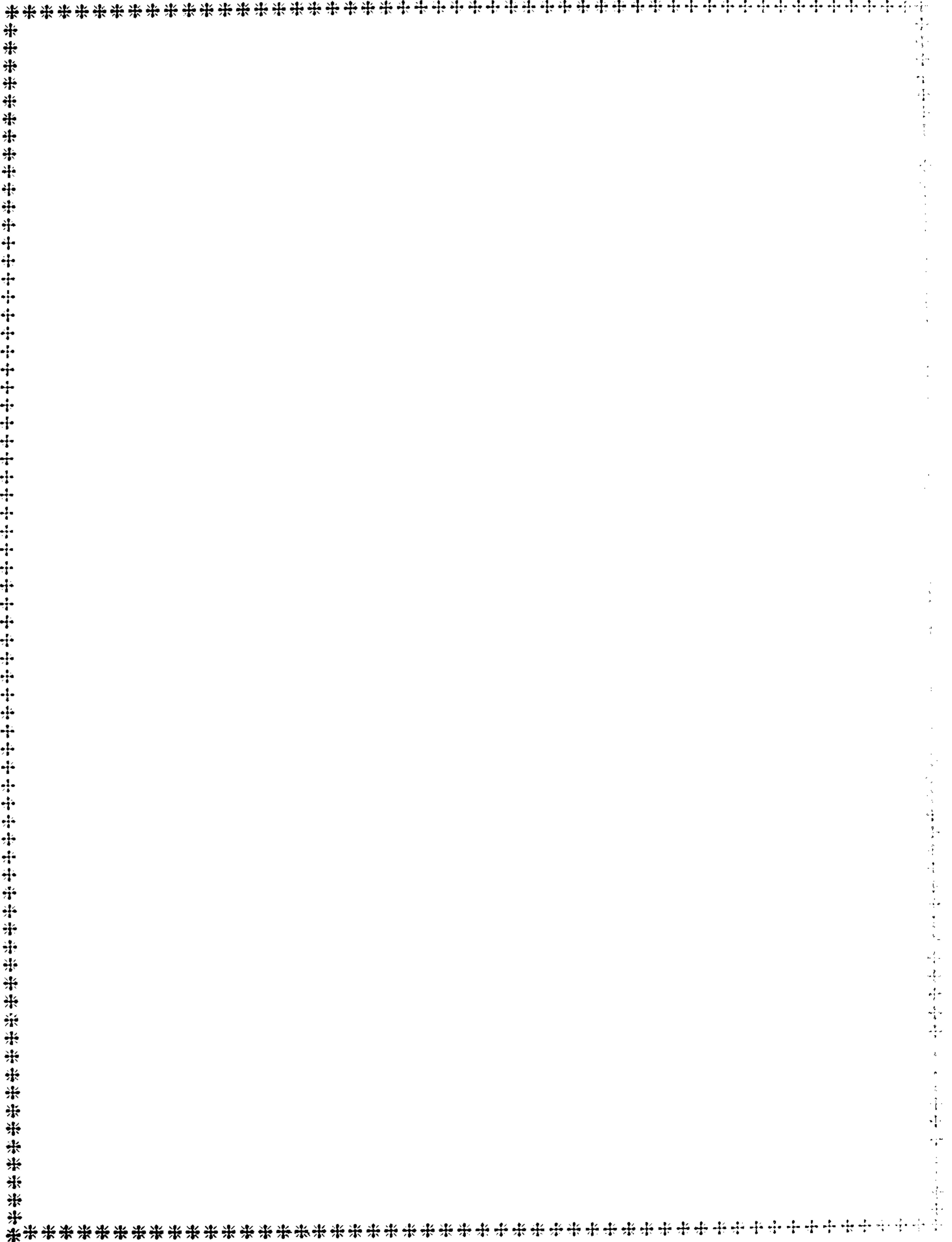
# نسب پاک

ہ اکرم بہ نسبتا بت عناصرہ  
اصلاً و فرعاً و قدسات بہ البشر

آپ کا نسب کیسا کچھ باکرامت ہے کہ اس کے  
مواد پاکیزہ ہیں، اصل سے بھی اور نسل سے بھی  
اور آپ کے سبب سے جنس بشر کو شرف حاصل  
ہو گیا۔

مفتی غلام رسول





## حسب ونسب پڑھنے سے پہلے مندرجہ ذیل نوٹ پڑھ لیا جائے

چونکہ مسئلہ زیر بحث فقہ اور عفت امد کے مشترکہ پہلوؤں سے متعلق ہے جو کہ علمی طور پر دقیق ترین مضامین ہیں اور وقتاً فوقتاً علمی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے متوسط لوگوں کے لیے معانی زیر بار ہو جاتے ہیں اس لیے ایسے مقامات پر نوٹ دے کر ہم نے ذیلیں یا حاشیہ پر آسان ترین الفاظ میں وضاحت کر دی ہے۔ اس لیے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ایسے مواقع کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ ان نوٹس کو بغور پڑھ لیا جائے تاکہ کلام کا اصل مفہوم مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

(مفتی غلام رسول)

(لسدن)

# اغلاط نامہ وصحت نامہ

نمبر شمار	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
۱	ہوں ہوں	ہوں	۶	۳۳
۲	برابر ہے	برابر ہونا	۱	۳۶
۳	یہ اس طبقہ	اس طبقہ	۸	۳۷
۴	(حاشیہ ص ۳۸) بن نعیم	بن نعیم ہے	۱	۳۸
۵	کنیت اور ابو عبداللہ ہے	کنیت ابو عبداللہ ہے	۱	۳۸
۶	قاضی خان کا بھی قول	قاضی خان کا ہی قول	۵	۳۲
۷	ردالمختار	ردالمختار	۲۱	۳۲
۸	آپ کا ذاتی ارادہ ہے	آپ کا ذاتی ارادہ ہے	۱	۳۶
۹	نفی نہیں	نفی نہیں	۱۰	۳۶
۱۰	شرح مسلم مسلم	شرح مسلم	۵	۳۸
۱۱	شمس الایمہ	شمس الایمہ	۶	۵۰
۱۲	پاس لوٹیں	پاس سے لوٹیں	۷	۵۳
۱۳	فرماتے ہیں فرماتے ہیں	فرماتے ہیں	۱۰	۵۵
۱۴	حسن و حسین	حسن و حسین	۶	۵۸
۱۵	ہو جائیں گے	ہو جائیں گے	۹	۶۴
۱۶	بینبعی	بینبعی (ع)	۴	۶۳
۱۷	اہل البیت	اہل البیت	۱۲	۶۵

نمبر شمار	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
۱۸	ردالمختار	ردالمختار (ح)	۲۰	۷۰
۱۹	بدلتے ہیں	بدل جاتے ہیں	۱۸	۷۱
۲۰	(حاشیہ ص ۷۳) ایک مرد س ہو سکتی	ایک مرد اور دو عورتیں نہیں ہو سکتیں	۸	۷۳
۲۱	باوجودیکہ نہ	باوجودیکہ یہ شرط ہے علت نہیں ہے	۷	۷۳
۲۲	فلا تعضلو ضہن	فلا تعضلوہن	۲۱	۷۷
۲۳	عورت کے لئے	عورت کے لئے	۱۰	۷۸
۲۴	عدالت سے	عدالت سے	۱۸	۸۳
۲۵	ون فتویٰ موجودین	من فتویٰ موجودین	۹	۸۸
۲۶	قرآن و حدیث کا ذکر کر کے	قرآن و حدیث ذکر کر کے	۱۶	۱۱۰
۲۷	ایسے نہوں	ایسے نکاح کے عدم	۱۹	۱۱۰
۲۸	مجھ سے بعض رکھا	مجھ سے بغض رکھا	۱۵	۱۱۵
۲۹	کل من بعدی	کل مؤمن بعدی	۱۴	۱۱۶
۳۰	و آلہ وسلم دونوں متحد	و آلہ وسلم اور علی دونوں متحد	۱	۱۱۷
۳۱	قبیلہ صلی	قبیلہ طے کی	۲	۱۲۵
۳۲	پسند آئیں آئیں	پسند آئیں	۷	۱۲۵
۳۳	متزعما رہیں پڑا	شرعاً اثر نہیں پڑتا	۱۹	۱۲۸
۳۴	یہ مد لورہ	یہ مذکورہ	۲۳	۱۳۸
۳۵	امام امام محمد	امام محمد	۳	۱۴۱
۳۶	دنیا لی سی	دنیا کی کسی	۲	۱۵۰
۳۷	یہ وہ فیصلہ	یہ وہ فیصلہ	۷	۱۵۶

نمبر شمار	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
۳۸	لے فرمایا	نے فرمایا	۵	۱۶۳
۳۹	اور اب حج	اور اب حج	۳	۱۶۹
۴۰	فعل اس پر	فعل کے اس پر	۱۰	۱۷۱
۴۱	کے دل کو	کے ولی کو	۶	۱۷۶
۴۲	اولیاء ظاہر	اولیاء ظاہر	۵	۱۷۷
۴۳	ہم کفو	ہم کفو	۶	۱۷۷
۴۴	تفسیر روح المعانی مجموعہ بن عمر زحشری المتوفی ۵۳۸ھ	تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۴۰ھ	۶	۱۸۵
۴۵	علامہ ابوالدین	علامہ علاؤالدین	۱	۱۸۹

مفتی غلام رسول  
لندن

# فہرست مضامین

## حسب و نسب

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۳	انتساب	۱۲	۳۱	پیش لفظ	۱
	حسب و نسب کے متعلق	۱۳	"	حضور کی محبت اصل ایمان ہے	۲
۲۴	قبلہ مفکر اسلام کی اظہار رائے		"	سادات قابل عزت و احترام ہیں	۳
"	توفیق ادب	۱۴	"	امام شافعی کا فرمان	۴
۱۱۵	علی پور شریف میں پچیس سال	۱۵		اہل بیت کی محبت دین	۵
"	لفظ کفو کی تشریح	۱۶	۲۲	کے اصولوں سے ہے۔	
	کفو میں چھ چیزوں کا اعتبار	۱۷		خاتونِ جنت کی اولاد حضور	۶
	کیا گیا ہے۔		"	کی طرف منسوب ہے	
۳۶	عجمیوں کے نسب کا اعتبار نہیں	۱۸		حضور کی دوسری صاحبزادیوں	۷
"	مسائل حنفیہ تین طبقات پر ہیں	۱۹	"	کا یہ حکم نہیں ہے۔	
"	مفتی بہا مسائل کی تین قسمیں ہیں	۲۰		نکاح میں اہل بیت کا ہم کفو	۸
۳۷	ظاہر روایت اور نادر روایت کا فرق	۲۱		کوئی نہیں ہے مگر وہی جو	
"	واقعات اور نوازل	۲۲	۳۳	اہل بیت سے ہو۔	
"	نکاح میں کفو کا اعتبار	۲۳	"	نبوت کی توہین ایمان گمنانی ہے	۹
	امام ترمذی کا اعتراض کہ	۲۴	"	سبب تالیف	۱۰
۳۸	حدیث منقل نہیں ہے		"	اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے	۱۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۵	کفو کے خلاف امام ابو حنیفہؒ سے کوئی روایت نہیں ہے	۳۹	۳۸	امام حاکم فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔	۲۵
۲۶	جب دو روایتوں میں تعارض ہو جلتے تو پھر کیا حکم ہے	۴۰	"	چار بڑے محدث	۲۶
۲۷	فقہاء جس روایت پر فتویٰ کی تصریح کریں وہی معتبر ہے	۴۱	۳۹	امام حاکم کی تصانیف	۲۷
"	فقہاء اصولوں کو زیادہ جانتے ہیں۔	۴۲	"	عکرمہ ابن ابراہیم کی متابعت	۲۸
"	فقہاء خلاف اصول فتویٰ نہیں دیتے۔	۴۳	"	علامہ حلبی کہتے ہیں کہ حدیث حسن ہے۔	۲۹
۲۴	نادر روایت کا معنی	۴۴	۴۰	علامہ زلیعی کی تخریج	۳۰
"	امام کرخی درجہ اجتہاد پر فائز تھے	۴۵	"	علامہ زلیعی کا استدلال	۳۱
"	قصاص پر کفو کا قیاس صحیح نہیں ہے۔	۴۶	"	علامہ زلیعی کا جواب	۳۲
"	حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو پیش کرنا من اصول کینڈاف ہے	۴۷	"	حدیث قابل استدلال ہے	۳۳
۲۵	حضرت بلال کا نکاح	۴۸	"	علامہ زلیعی لکھتے ہیں کہ کفو نکاح میں معتبر ہے۔	۳۴
"	ہند بنت ولید بن غنہ کا نکاح	۴۹	"	شمس اللائمہ فرماتے ہیں	۳۵
"	جاہلیت کے دور کی باقی دو چیزیں	۵۰	"	کفو نکاح میں معتبر ہے	۳۶
"	حضرت عمر فاروق کا ذاتی ارادہ	۵۱	۴۲	امام کرخی نے امام مالک اور سفیان ثوری کے قول کو لیا ہے	۳۷
				قاضی خان طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے ہیں	۳۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	مجتہد فی الشرع اور مجتہد فی	۶۵	۴۶	مرد طالب فرانش ہوتا ہے	۵۲
۴۹	المذہب میں فسق			حضرت بلکہ وغیرہ کے	۵۳
	اصحاب تزجیح اور اصحاب	۶۶	"	نکاحوں کا جواب	
۵۰	تخریج میں فسق			حضرت فاضل بریلوی بھی	۵۴
	عربوں کے نزدیک نسب	۶۷	"	کفایت فی النکاح کے قائل ہیں	
"	باعثِ فخر ہے۔		۴۷	علامہ کرخی کا جواب	۵۵
"	نسب کی اہمیت	۶۸		مسلمانوں کے ساتھ فریب	۵۶
	قیامت کے دن مؤمن اولاد	۶۹	"	اور دھوکہ کرنا	
	کو مؤمن والدین کے ساتھ			فریب کرنے والے کھیلے دینی	۵۷
۵۱	ملا دیا جائے گا۔		"	تحقیق مفید نہیں ہے	
"	والدین کے اعمالِ صالحہ کا نتیجہ	۷۰		مسائل دینیہ پر ایمان داری	۵۸
	نسب اور صہرہ میں فسق	۷۱	۴۸	سے تحقیق کرنی چاہیے۔	
۵۲	اسلام میں نسب کی حیثیت	۷۲		حضور کے نسب کی توہین	۵۹
	تقویٰ کی فضیلت کا تعلق	۷۳	"	کرنا ایک سنگین جرم ہے	
"	آخرت سے ہے۔		"	نکاح میں کفو کی شرعی علت	۶۰
۵۳	حضور کے نسب کی فضیلت	۷۴	۴۹	نکاح عورت کیلئے از قسم غلامی	۶۱
	حضرت علی اور خاتونِ جنت	۷۵	"	مرد مالک ہوتا ہے	۶۲
"	کا نکاح۔			ضرورت کفو میں پوری	۶۳
"	حضور کا نسب فائدہ دے گا	۷۶	"	ہو جاتی ہے۔	
	حدیث مقبول ہے	۷۷		صاحبِ ہدایہ کا تعلق	۶۴
۵۴	اسکا انکار خارجیت ہے		"	اصحابِ تزجیح سے ہے	



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	امام موسیٰ کاظم اور ہارون الرشید	۹۲	۵۳	صفیہ بنت عبدالمطلب کا واقعہ	۷۸
۵۹	کا مکالمہ۔			شرفِ انتساب	۷۹
	امام حسن اور حسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔	۹۳	۵۵	کل اور جزو کا حکم ایک ہے	۸۰
	حضور علیہ السلام حسن اور حسین کے باپ ہیں۔	۹۴	"	اولاد صاحب اولاد کی	۸۱
	حضور کا نسب حضور کی اولاد	۹۵	"	جزو ہوتی ہے	۸۲
۶۰	کون آئدہ دے گا۔			حضور کی بے ادبی بالاتفاق	۸۳
	امام مہدی حضرت خاتونِ جنت کی اولاد سے ہوں گے	۹۶	۵۶	حرام ہے۔	۸۴
	حضور کا ارشاد کہ میری نسل قیامت تک ہوگی۔	۹۷	"	سادات کا نسب رسول ص	۸۵
	سوال	۹۸	"	کی طرف منسوب ہے	۸۶
۶۱	حضرت علی کی سیادت اضافیہ	۹۹	۵۷	صرف خاتونِ جنت کی	۸۷
	حضرت علی کے بھائی	۱۰۰	"	اولاد سید ہے	۸۸
	عقیل بن ابی طالب			حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سردار ہیں	۸۹
	سیدِ نسبی	۱۰۱	۵۸	سیدہ فاطمہ الزہراء تمام	۹۰
	سادات کے خصوصیات ان	۱۰۲	"	عورتوں سے افضل ہیں	۹۱
۲	کیساتھ ہی مختص ہیں			حضرت حسن اور حسین سید ہیں	۹۲
	حضور کا ارشاد کہ میری ذریت	۱۰۳	"	حضرت فاطمہ کی اولاد	۹۳
	علی رضی اللہ عنہ کی صلب میں ہے			رسول اللہ کی اولاد ہے	۹۴
				آیتِ مباہلہ	۹۵
				سادات کی اولاد سادا ہے	۹۶
				سید کا اطلاق حسین کریمین	۹۷
				کی اولاد پر ہوگا۔	۹۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۶	چار آدمیوں کی شفاعت کا ذکر	۱۱۶		قیامت کے دن لوگوں کے	۱۰۴
	جیسے کل کی تعظیم فرض ہے اسی	۱۱۷	۶۳	نسب ختم ہو جائیں گے۔	
۶۷	طرح جزو کی بھی فرض ہے۔			قیامت کے دن حضور پہلے	۱۰۵
	حضرت زید کا ابن عباس	۱۱۸	"	اہل بیت کی شفاعت فرمائیں گے	
"	کے ہاتھ کو چومنا۔			سادات کا نسب محفوظ	۱۰۶
	حضرت عسکری کا مال	۱۱۹	"	اور منضبط آ رہا ہے	
۶۸	غنیمت کو تقسیم کرنے کا طریقہ			مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ	۱۰۷
	امام ابوحنیفہ، اہل بیت کی	۱۲۰	۶۴	حضور کے نسب کی حفاظت کریں	
"	بہت زیادہ عزت کرتے تھے			سادات کو غیرت حیدری کا	۱۰۸
"	امام احمد بن حنبل کا ارشاد گرامی	۱۲۱	"	ثبوت دینا چاہیے۔	
	حضرت زینب اور ام کلثوم	۱۲۲		عمی کے ساتھ نکاح کرنے	۱۰۹
۶۹	کی اولاد کا حکم۔		۶۵	سے سیدہ کا نسب منقطع ہو جائیگا	
"	شریعت کا عام قاعدہ	۱۲۳	"	سادات کا نسب پاکیزہ ہے	۱۱۰
"	عبداللہ ابن جعفر کی اولاد	۱۲۴	"	امام حاکم کی روایت	۱۱۱
	حضرت زینب حضرت زینب	۱۲۵		آیت تطہیر میں حضور کی	۱۱۲
	حضرت ام کلثوم کا صاحب		"	تمام اولاد داخل ہے۔	
۷۰	نسل بیٹا کوئی نہیں ہوا۔			کتاب اللہ اور حضور کی	۱۱۳
"	خصوصیت	۱۲۶	۶۶	عترت دونوں جدا نہیں ہونگے	
"	نسب باب کیطرت چلے	۱۲۷	"	سادات کی تعظیم فرض ہے	۱۱۴
۷۱	خصوصیت نمبر ۸	۱۲۸		خاتون جنت علیہا السلام	۱۱۵
"	بنی ہاشم کے غلاموں کیلئے زکوٰۃ	۱۲۹	"	کی عزت۔	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷۷	نکاح میں ولی کا مقام	۱۴۳	۷۱	لینا حرام ہے	
"	صفیرہ لڑکی کے نکاح کیلئے	۱۴۴		حکم اپنی علت کے ساتھ	۱۳۰
"	ولی کا ہونا ضروری ہے۔		۷۲	دائرہ ہوتا ہے	
۷۸	عاقلہ بالغہ لڑکی نکاح کے	۱۴۵		حضور علیہ السلام تمام بنو ہاشم	۱۳۱
"	معاملہ میں محنت رہے		"	اور بنو عبدالمطلب سے افضل ہیں	
"	قاعدہ کلیہ	۱۴۶		عباسی مرد سیدہ کیلئے ہم	۱۳۲
"	صفیرہ لڑکی مال میں	۱۴۷	۷۲	کفو نہیں ہے۔	
"	تصرف نہیں کر سکتی			شجاع بن ولید ضعیف	۱۳۳
۷۹	راوی کا عمل جب اپنی رائیتم	۱۴۸	۷۳	راوی ہے۔	
"	کے خلاف ہو۔ تو اس کا حکم		"	عثمان بن عبد الرحمن مجہول ہے	۱۳۴
"	"بخت ثانی"	۱۴۹		حدیث "قریش" قضیہ	۱۳۵
"	نسب باعث فخر ہے	۱۵۰	"	کلیہ نہیں ہے۔	
۸۰	اہل بیت، خلافت کا نسب	۱۵۱	۷۴	ہاشمی، ہاشمی کا کفو ہوگا۔	۱۳۶
"	مشہور ہے۔		"	خصوصیت نمبر ۱۰	۱۳۷
"	صاحب تلخیص کا بیان	۱۵۲	۷۵	اصول فقہ کا ضابطہ	۱۳۸
"	سادات کرام کا قدیمی دستور	۱۵۳	۷۶	غیر کفو میں نکاح نہ ہو سکی وجہ	۱۳۹
۸۱	حضرت عمر فاروق کا بیان	۱۵۴	"	علت وجود حکم میں مؤثر ہے	۱۴۰
"	ولی کی رضا سے بھی سیدہ کام	۱۵۵		ہوتی ہے۔	
"	نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں			فساد زمانہ نکاح کے منعقد	۱۴۱
"	ہوگا۔		"	ہونے میں مؤثر نہیں ہے	
"	سادات کے نسب کا خاصہ ہے	۱۵۶	۷۷	دلایت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۴۲

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۸۵	پھر کیا حکم ہے ؟		۸۱	کہ وہ موصول ہے	
"	مخصوص نسب مطرد للحکم ہوگا	۱۶۹	"	سادات حضور کی اولاد ہیں	۱۵۷
۸۶	حسن بن زیاد کی روایت دونوں صورتوں کو شامل ہے۔	۱۷۰	۸۲	سادات کا نسب، خصائص کے تابع ہے۔	۱۵۸
"	نکاح کے جواز و عدم جواز کیلئے علت مناسبہ	۱۷۱	"	حضور کا بااخصیص نسب کا ذکر فرمانا۔	۱۵۹
"	بحث رابع، نمبر ۴	۱۷۲	"	غیر کفو میں نکاح نہ ہونے کی علت۔	۱۶۰
۸۷	حسن بن زیاد کی روایت مختار ہے	۱۷۳	"	علت کے متعلق علامہ شامی کی وضاحت	۱۶۱
"	علامہ طرطوسی کی تصریح کنز الدقائق مشہور متن ہے	۱۷۴	۸۳	اعلیٰ نسب کی عورت کے لئے مرد بھی اعلیٰ نسب کا چاہیے	۱۶۲
"	مسائل ظاہر روایت کے خلاف ہیں	۱۷۵	"	ہر قاضی عادل نہیں ہوتا	۱۶۳
"	مفتی کو صریح جزئیہ تلاش کرنا چاہیے۔	۱۷۶	"	نکاح کے فسخ نہ ہونے کا باعث فساد زمانہ ہے۔	۱۶۴
۸۸	جو مجتہد نہیں ہے وہ مفتی نہیں ہے۔	۱۷۷	۸۴	بعض دفعہ ولی کی رضا محض دنیاوی مفاد پر مبنی ہوتی ہے	۱۶۵
"	قواعد اور ضوابط سے فتویٰ نہیں دیا جائے گا	۱۷۸	"	نسب کا منقطع ہو جانا بجائے خود ایک بہت بڑا عیب ہے	۱۶۶
"	بحث خامس، نمبر ۵	۱۷۹	"	بحث ثالث، نمبر ۳	۱۶۷
"	فتویٰ کیلئے مضبوط ترین الفاظ	۱۸۰	۸۵	اگر لڑکی کا نسب مشہور ہے تو	۱۶۸
"	فتویٰ کے الفاظ	۱۸۱			
		۱۸۲			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸۳	ایک غلط تاویل	۸۹	۹۳	میرے بیٹے ہیں	۹۳
۱۸۴	امام محمد کا اہل بیت خلافت کو مستثنیٰ کرنا	۹۰	۹۴	علامہ محمد بن یوسف نے مذکورہ حدیث کی تخریج کی ہے	۹۴
۱۸۵	علت مناسبت میں تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔	۱۹۸	"	اہل اسلام پر لازم ہے	"
۱۸۶	حاصل بحث	"	"	اکثر اغوا کی صورت میں عورت کی رضا شامل ہوتی ہے	"
۱۸۷	بحث سادس	۹۱	"	فسخ وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے نکاح ہو۔	"
۱۸۸	توہین آمیز الفاظ	"	"	دونوں روایتوں کے پیش نظر فتویٰ دیا گیا۔	۹۵
۱۸۹	اصل مسئلہ جو زیر بحث ہے	"	"	احتمالی صورت	"
۱۹۰	ہزار ہا دل بوجہ ہتک حرمت اہل بیت زنجیدہ و شکستہ خواہند بود	"	"	سوال	"
۱۹۱	اہل بیت کی محبت اصول ایمان سے ہے	۹۲	۹۶	جواب	۹۶
۱۹۲	بحث سابع، نمبر ۷	"	"	ادماغ کے لحاظ سے تخصیص	"
۱۹۳	جس کے ساتھ محبت ہو	"	"	علامہ یوسف زہدانی کی تصریح	"
۱۹۴	انسان اسکی توہین نہیں کرتا	"	"	علامہ شعرانی کی تصریح	"
۱۹۵	من کذبت مولاه فعلى مولاه	۹۳	۹۷	مختار روایت کی تخصیص	۹۷
۱۹۶	حضور نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔	"	"	بحث ثامن، نمبر ۸	"
۱۹۷	حضور نے فرمایا حسن اور حسین	"	۹۸	نکاح مذکورہ جائز نیست	۹۸
			"	پس در صورت مسطور محبت صحبت زنا خواہد بود	"

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۰۳	سیادت میں شک ہونا	۲۲۷	۹۹	قیس بنی عامر کا قول	۲۱۲
	سیدہ اور غیر سیدہ کے نکاح	۲۲۸	"	فتاویٰ مہریہ	۲۱۳
"	میں فرق		"	خدا کی پناہ کہ مدعی مؤدت	۲۱۴
	فتویٰ دینے والے کا تمام	۲۲۹	"	ایسا کرے۔	
"	مسلمانوں پر ظلم		"	چودھویں رات کا چاند بھی	۲۱۵
	سادات کی عزت کا مسئلہ	۲۳۰	۱۰۰	تورات سے مناسبت رکھتا ہے	
۱۰۴	تمام مسلمانوں کا ہے۔		"	استفتاء کا تجزیہ	۲۱۶
	اہل بیت کی عزت پر نصوص	۲۳۱	"	حسن بن زیاد کی روایت کی	۲۱۷
"	شرعیہ وارد ہیں۔		"	دو صورتیں۔	
	ہتک عرفی اور شرعی کے	۲۳۲	۱۰۱	قاعدہ یہ ہے	۲۱۸
"	ما بین عدم انفکاک۔		"	ولی کی رضا یا عدم رضا کا	۲۱۹
۱۰۵	ایک استدراجی صورت	۲۳۳		ذکر نہ کرنا۔	
"	لزومی اور التزامی ہتک	۲۳۴		جواب ہمیشہ سوال کے	۲۲۰
	غیر کفو میں نکاح کے عدم	۲۳۵	"	مطابقت ہونا چاہیے۔	
"	جواز کی علت فساد زمانہ نہیں		۱۰۲	ملفوظ نمبر ۱۸۱	۲۲۱
	علت کے متعلق علامہ شامی	۲۳۶	"	عالم کے جوتے کی توہین سے تکفیر	۲۲۲
۱۰۶	کی تصریح۔		"	ملفوظات مہریہ	۲۲۳
	خون کی ملاوٹ سے	۲۳۷	"	شرف ذاتی اور شرف عارضی	۲۲۴
"	عند الشرع بھی عیب		۱۰۳	ازلی بدبخت	۲۲۵
"	بکثرت تاسع، نمبر ۹	۲۳۸		جواز کا فتویٰ دینے والے	۲۲۶
۱۰۷	علم فتویٰ اور فقہ فتویٰ میں فرق	۲۳۹	"	کے متعلق حکم	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۳۰	ناقل مفتی کو اجنبیوں کی کوشش	۲۵۱	۱۱۱	توحید کا خلاصہ	
	نہیں کرنی چاہیے۔	۲۵۲	۱۱۲	حضور کی ذات پاک نور ہے	۱۰۷
۲۳۱	کسی مسئلہ کو دلائل کے ساتھ	۲۵۳	۱۱۳	نور محمدی نور خداوندی ہے	
	ثبات کرنا اور ہے، اور	۲۵۴		سوال	
	فتویٰ دینا اور ہے۔	۲۵۵		حضرت آدم علیہ السلام کی	
۲۳۲	احترام کا بڑا ذریعہ عبادت ہے			پشت میں اجزاء جسمیہ تھے	
۲۳۳	جو کتابیں غیر معتبر ہیں ان	۲۵۶		اجزاء اصلیہ و جسمیہ	
	سے فتویٰ دینا منع ہے۔	۲۵۷	۱۱۴	حمل کے تغیرات پر ایک	۱۰۸
۲۳۴	فتاویٰ طوری اور خلاصہ کیدانی			نفیس بحث۔	
	بھی کتب غیر معتبرہ سے ہے	۲۵۸		روح طیبی	
۲۳۵	بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کا حکم	۲۵۹	۱۱۵	اہل شرع کے نزدیک	۱۰۹
۲۳۶	نبی صیح المودۃ کا موضوع			انسان کی حقیقت	
	فضائل اہل بیت ہے	۲۶۰		فرشتے کو چار باتیں لکھنے	
۲۳۷	نبی صیح المودۃ علامہ قندوزی			کا حکم	
	کی تصنیف ہے	۲۶۱	۱۱۶	اشخاص مشاہیر	
۲۳۸	یہ کہنا کہ فتویٰ قرآن و حدیث	۲۶۲		دونوں حدیثوں کے درمیان	
	سے دینا چاہیے، ایک			تطبیق۔	
	عوامی خیال ہے۔	۲۶۳	۱۱۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۱۰
۲۳۹	بحث عائشہ نمبر ۱۰			اللہ کے خلیل ہیں۔	
۲۴۰	تمام سے پہلے اللہ نے اپنے	۲۶۴	۱۱۸	حضرت علی المرتضیٰ	
	نبی کے نور کو پیدا فرمایا	۲۶۵		حضرت علی کی محبت حضور	۱۱۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	حضرت فاطمہ ستر ہزار حوروں کے ساتھ پل صراط سے گزریں گی	۲۷۷	۱۱۵	کی محبت ہے جنت کے دروازے پر حضور	۲۶۶
۱۱۹	حضرت حذیفہ کیلئے دعا	۲۷۸	۱۱۶	اور حضرت علی کا نام حضور کا فرمان کہ علی میرے	۲۶۷
"	حضرت سیدہ فاطمہ عورتوں کی سردار ہیں۔	۲۷۹	"	بھائی ہیں۔	۲۶۸
۱۲۰	حضرت امام حسن علیہ السلام	۲۸۰	"	علی ہر مومن کے ولی ہیں	۲۶۹
"	حضور کا امام حسن کیلئے دعا فرمانا	۲۸۱	"	حضور اور حضرت علی دونوں	۲۷۰
۱۲۱	امام حسن شہید رسول تھے	۲۸۲	۱۱۷	متشدد ہیں۔	۲۷۱
"	حضرت ابو بکر کا امام حسن کو	۲۸۳	"	حضرت علی بمنزلہ ہارون کے ہیں۔	۲۷۲
"	کنڈھے پر اٹھانا۔	۲۸۴	۱۱۸	حضور کا ارشاد کہ حضرت علی	۲۷۳
"	اہل بیت پر دوسرے لوگ	۲۸۵	"	میرا گوشت ہیں۔	۲۷۴
"	قیاس نہیں ہو سکتے۔	۲۸۶	"	حضور کا ارشاد کہ علی میرا	۲۷۵
۱۲۲	امام حسین علیہ السلام	۲۸۷	"	خون ہیں۔	۲۷۶
"	ام فضل کا خواب دیکھنا	۲۸۸	"	حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء	۲۷۷
"	حضور کا حسین کا نام رکھنا	۲۸۹	"	علیہا السلام	۲۷۸
"	حضور نے فرمایا کہ حسین میری	۲۹۰	"	زہرا پھول کی "کلی" کو کہتے ہیں	۲۷۹
"	بیٹی کے بیٹے ہیں۔	۲۹۱	"	حضرت فاطمہ کی رضا میں	۲۸۰
"	حضور نے فرمایا حسین کی	۲۹۲	۱۱۹	اللہ کی رضا ہے	۲۸۱
"	عزت میری محبت ہے	۲۹۳	"	جو سیدہ کی اولاد پر ظلم کرے	۲۸۲
"	حضور کا فرمان حسین مجھ سے	۲۹۴	"	اس کیلئے ہلاکت ہے۔	۲۸۳
"	ہے اور میں حسین سے ہوں۔	۲۹۵	"		۲۸۴



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۸	ایک صریح ظلم	۳۰۴	۱۲۴	حسین کا نسب حضور کا نسب ہے	۲۹۱
"	متبنی حقیقی بیٹا نہیں ہے	۳۰۵	"	محمد بن حنفیہ کا ارشاد	۲۹۲
"	ایک قبیح رسم	۳۰۶	"	سوالات کے جوابات	۲۹۳
۱۲۹	متبنی کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔	۳۰۷	"	زید بن عارثہ کا واقعہ	۲۹۴
"	حضرت زینب کا نکاح اصل مسئلہ سے مستثنیٰ ہے۔	۳۰۸	۱۲۵	حضرت زید کو حکیم بن حزام نے خرید لیا تھا۔	۲۹۵
"	حضرت زینب کا نکاح اصل مرضوع سے تعلق نہیں رکھتا	۳۰۹	"	انصاف سے زیادہ درست بات	۲۹۶
"	محمد یعقوب کلینی اور ابو جعفر طوسی کی روایت	۳۱۰	۱۲۶	حضور کا زید کو متبنی بنانا	۲۹۷
۱۳۰	عمر بن قتادہ کی روایت	۳۱۱	"	حضور کا زید کیلئے رشتہ کا مطالبہ کرنا۔	۲۹۸
"	جعفر بن محمد کی روایت	۳۱۲	"	جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کرے تو پھر کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا۔	۲۹۹
۱۳۱	عبداللہ بن عمر کی روایت	۳۱۳	"	حضرت زید کا زینب سے نکاح کرنا۔	۳۰۰
"	حضرت عقیل کا حضرت علی پر ناراض ہونا۔	۳۱۴	"	حضرت زینب زید کو اپنے برابر نہ سمجھتی تھیں۔	۳۰۱
"	حضرت ام کلثوم بنت علی کی وفات۔	۳۱۵	۱۲۷	حضرت زید کا حضرت زینب کو طلاق دینا۔	۳۰۲
"	ایک بے محل اور بے موقع بات	۳۱۶	"	حضور کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔	۳۰۳
۱۳۲	حضرت عمر فاروق کا فرمان	۳۱۷	"		
"	کوئی شخص اپنے بھائی کے	۳۱۸	"		

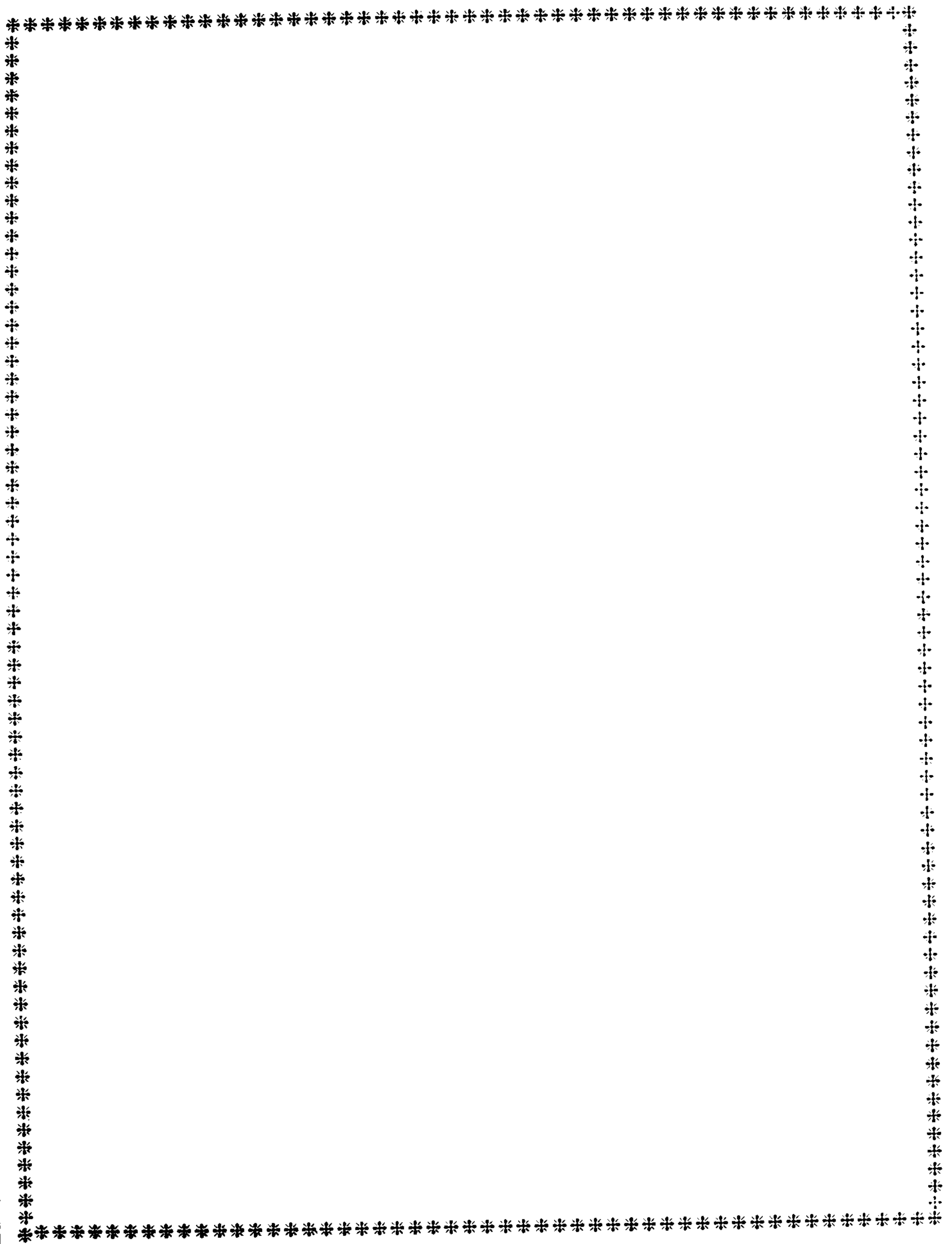
صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۳۶	حضرت ام کلثوم کی تاریخ وفات	۳۳۱	۱۳۲	پیغام نکاح پر پیغام نہ دے	
"	زید کو عبد الملک نے زہر دیا تھا	۳۳۲		نکاح ام کلثوم والی روایت	۳۱۹
	حضرت ام کلثوم کربلا میں	۳۳۳	"	درایت موضوع ہے	
۱۳۷	تشریف لے گئی تھیں			وزایت کے اعتبار سے	۳۲۰
	دارقطنی نے صحیحین کی دوسو	۳۳۴	۱۳۳	حدیث پر تنقید	
"	روایات کو ضعیف قرار دیا ہے			اگر راوی خود اقرار کرے کہ اس	۳۲۱
	حضرت کا نماز ظہر بنو قریبہ	۳۳۵		حدیث وضع کی ہے تو حدیث	
"	میں پڑھتا تھا		"	موضوع ہے۔	
"	ابوسفیان کی وفات	۳۳۶		حدیث کے صحیح ہونے کیلئے	۳۲۲
۱۳۸	بجینہ عبد اللہ کی والدہ	۳۳۷	۱۳۴	کچھ اصول ہیں۔	
	کا نام ہے		"	شیعہ راویوں کی داستان	۳۲۳
	اقامت کے بعد صف	۳۳۸	"	شیعہ راویوں کا اختراع	۳۲۴
"	میں سنت پڑھنا مکروہ ہے		"	حضرت عمر نے رشتہ نہیں مانگا	۳۲۵
	بخاری شریف میں بعض	۳۳۹	"	حضرت عمر فاروق کا مال غنیمت	۳۲۶
"	احادیث ضعیف بھی ہیں		"	کی چادریں تقسیم کرنا	
	حضرت زینب علیہا السلام	۳۴۰		امام بخاری نے نکاح ام کلثوم	۳۲۷
۱۳۹	کا نکاح ابوالعاص کے ساتھ		۱۳۵	کا تذکرہ نہیں کیا۔	
	ہوا تھا۔		"	لفظ عندک کا اصل مفہوم	۳۲۸
"	جواب	۳۴۱	"	حضرت ام کلثوم کی پیدائش	۳۲۹
	فاطمہ صغریٰ کا نکاح حضرت حسن	۳۴۲	۱۳۶	حضرت ام کلثوم کے مفروضہ	۳۳۰
"	مثنیٰ سے ہوا تھا۔			نکاح کی تاریخ	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۵	امام شعرانی کا قول مرجوح ہے	۳۵۱	۱۲۰	شیعوں نے نبی اول اور شہید ثانی	۳۲۳
	ادب سے یہی ہے کہ نکاح {	۳۵۹	"	اموی دور حکومت	۳۲۴
۱۲۶	نہ کرے۔			اموی شہزادے کیساتھ نکاح	۳۲۵
"	حضور کے شہر کا ادب	۳۶۰		والی روایت درایت کے لحاظ {	
"	حضرت امیر ملت کا واقعہ	۳۶۱	"	سے موضوع ہے۔	
"	یہ واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا	۳۶۲	۱۳۱	حضرت عمر فاروق کا فرمان	۳۲۶
	حضرت امیر ملت نے سات {	۳۶۳		کسی کا انفرادی فعل شرعی	۳۲۷
"	برس میں قرآن حفظ کیا تھا		"	اصول کو متاثر نہیں کرتا {	
۱۳۷	اشرف المخلوقات	۳۶۴	"	سوال	۳۲۸
	امیر ملت نے کتے کو روٹی {	۳۶۵	"	مجبور کا حکم	۳۲۹
"	اپنے ہاتھ سے کھلائی		۱۳۲	سادات کے نسب کی انتہا	۳۵۰
"	امیر ملت کا فتویٰ	۳۶۶	"	نسب میں عیب کا واقع ہونا	۳۵۱
	اگر درود شریف نہ پڑھا جائے {	۳۶۷	"	فتاویٰ رضویہ پر تبصرہ	۳۵۲
۱۳۸	تو دعا آسمان اور زمین کے			تفقیہات اور تفردات کو بطور {	۳۵۳
	درمیان مُعلق رہتی ہے۔		۱۳۳	سند پیش کرنا درست نہیں ہے {	
	دعا کے ساتھ درود شریف {	۳۶۸		رشتہ ازدواجی میں منسک {	۳۵۴
"	کو بھی شامل کرنا چاہیے۔		۱۳۴	ہونیکے بعد تذیل شروع ہوگی {	
"	دعا عبادت کا مغز اور خلاصہ ہے	۳۶۹	"	ایک سوال	۳۵۵
۱۳۹	نکاح کا شرعی معنی	۳۷۰	"	علامہ شعرانی کے مختلف اقوال	۳۵۶
	نکاح کے لغوی معنی میں {	۳۷۱		پیر و مرشد کی بیٹی سے نکاح {	۳۵۷
"	چار قول ہیں۔		۱۳۵	نہ کرنا چاہیے۔	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷۲	نکاح کے اصلی معنی عقد کے ہیں	۱۴۹		ثابت بن قیس کی وصیت کو	
۳۷۳	نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے	۱۵۰	۱۵۵	عملی جامعہ پہنایا -	
۳۷۴	نکاح کے لیے بھی چار علتیں ہیں	"		قریش کے نمائندہ سہیل	
۳۷۵	ایک اعرابی کا حضور پر نور سے	"	"	کی بحث -	
	معجزہ کا مطالبہ کرنا	"	۳۸۸	حضرت علیؓ کا قول کہ میں	
۳۷۶	اعرابی کا حضور کے ہاتھ پاؤں چونا	۱۵۱	۱۵۶	حضور کا نام مٹا نہیں سکتا	
۳۷۷	عورت خاوند کے مال	"		روفہ منورہ کے سنانے بندم	
	کی حفاظت کرے -	"		آواز کرنا منع ہے	
۳۷۸	مرد کو چاہیے کہ وہ بیوی کو	۳۹۰	"	علما اور مشائخ کا ادب و احترام	
	خرچہ دے -	۱۵۲	۱۵۷	ہشام بن عبد الملک کا واقعہ	
۳۷۹	مرد کو چاہیے کہ وہ بیوی کو	"		امام زین العابدینؓ کا طواف کعبہ	
	گالیاں وغیرہ نہ دے	"		فرزوق کا قصیدہ پڑھنا -	
۳۸۰	عورت پر لازم ہے کہ وہ	۳۹۳	۱۵۸	فرزوق کا قید میں ڈالا جانا	
	خاوند کے حقوق ادا کرے	۱۵۳		اہل بیت اطہار جب کوئی	
۳۸۱	ادب کی بحث	"		چیز ہبہ کر دیتے ہیں تو واپس	
۳۸۲	نبوت و رسالت کا احترام	۱۵۴	"	نہیں لیتے -	
۳۸۳	نبوت کی بے ادبی سے اعمال	"	"	علی بن عیسیٰ کا خواب دیکھنا	
	منافع ہو جاتے ہیں -	"	۱۵۹	علی بن عیسیٰ سے حضور علیہ السلام	
۳۸۴	حضرت ثابت بن قیس کا واقعہ	"		کا اعراض فرمانا -	
۳۸۵	حضرت ثابت بن قیس کی شہادت	۱۵۵		اس بات کا وعدہ کرنا کہ میں کبھی	
۳۸۶	حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت	"		گناہ نہیں کروں گا	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۴۵	اہل بیت سے مراد کون ہیں	۲۱۲	۱۵۹	امام احمد بن حنبل کا ارشاد گرامی	۳۹۹
"	صاحب عدل بھی حضور کی	۲۱۳	۱۶۰	اہل بیت کرام سفینہ نجات ہیں	۴۰۰
"	اولاد سے ہوں گے۔	"	"	ادب و احترام کی توفیق	۴۰۱
۱۴۶	علامہ ابن ہمام کا قول	۲۱۴	"	حضرت زید کو نسب رسول	۴۰۲
"	فقہ سادگی تصریح	۲۱۵	"	سے علیحدہ کیا گیا۔	"
"	فقہی مسائل قرآن و حدیث	۲۱۶	۱۶۱	حضرت زید کا ذکر جاووان	۴۰۳
۱۴۶	سے مستنبط ہیں	"	"	حضرت زید کا نام جب قرآن	۴۰۴
"	اصول کے مطابق	۲۱۷	"	پاک میں پڑھا جلتے تھیں	"
"	فقہی جزئیات	۲۱۸	"	نیکیاں ملتی ہیں۔	"
۱۴۸	خواجہ گورٹوی کا فرمان	۲۱۹	۱۶۲	اختتامیہ	۴۰۵
"	راجح روایت کا ذکر	۲۲۰	"	غیر عمرت سے حضور کے	۴۰۶
"	شریعت نے اہل بیت کی	۲۲۱	"	نسب میں کوئی شریک و سہم	"
"	تعظیم کو لازم قرار دیا ہے	"	"	نہیں ہے۔	"
"	حضرت امیر ملت کا ارشاد گرامی	۲۲۲	"	اصحاب یمین اور سابقین	۴۰۷
"	مولانا بکر العلوم فرماتے ہیں کہ	۲۲۳	"	عرب قبائل چھ طبقات	۴۰۸
"	حضور کا کوئی ہم مثل اور ہم	"	۱۶۳	پر منقسم ہیں۔	"
۱۴۹	کفو نہیں ہے۔	"	"	حضور کا ارشاد کہ میرا اہل بیت	۴۰۹
"	حضرت امیر ملت نے بھی ولی	۲۲۴	"	گناہوں سے پاک ہیں	"
"	کی رضا یا عدم رضا کا ذکر	"	۱۶۴	حضرت ام سلمہ کو فرمایا کہ	۴۱۰
"	نہیں کیا۔	"	"	تو بھلائی پر ہے۔	"
"	ایک مسلمہ حقیقت	۲۲۵	۱۶۵	اللہ کے ارادہ میں تبدیلی نہیں	۴۱۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۴۲	ولی کی اولاد کی عزت	۲۳۸	۱۴۰	حضور کا اپنی اُمت کو وصیت کرنا	۲۲۶
"	سادات کے ساتھ حسن	۲۳۹	"	حضرت حسن بصری کا واقعہ	۲۲۷
"	اعتقاد رکھنا چاہیے	"	"	حضرت ابامحسن مجتبیٰ	۲۲۸
"	اولاد کا اپنے باپ سے خونی رشتہ	۲۴۰	"	کا ارشاد	"
"	منقطع نہیں ہونا	"	۱۴۱	ناظران بیٹا اپنے باپ کو،	۲۲۹
"	جن دو لڑکوں کا باپ صالح اور نیک تھا	۲۴۱	"	طرف ہی منسوب رہتا ہے	"
۱۴۵	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد	۲۴۲	"	جو سادات عقیدہ اور عمل	۲۳۰
"	سادات کے نسب کا احترام لازم ہے	۲۴۳	"	میں کوتاہی کرتے ہیں ان	"
۱۴۶	صاحب رشفۃ الصادی کی تصریح	۲۴۴	"	کا احترام بھی ضروری ہے	"
"	اولیاء کے اسرار کو فقیہ	۲۴۵	"	حضرت عبداللہ بن مبارک	۲۳۱
"	نہیں پہنچ سکتا۔	"	"	کے بارے میں روایت	"
"	غیر کفو میں نکاح منعقد نہ	۲۴۶	"	عبداللہ بن مبارک کا حج	۲۳۲
"	ہونے کی بنیاد حدیث ہے	"	۱۴۲	کے لیے نہ جانا	"
"	صاحب رشفۃ الصادی کی حدیث	۲۴۷	"	عبداللہ بن مبارک کا فرمان	۲۳۳
"	کا مطلب۔	"	"	عبداللہ بن مبارک کا خواب	۲۳۴
۱۴۷	فقہ کا نظریہ روایت کیجنا فتویٰ دینا	۲۴۸	"	میں حضور کی زیارت کرنا۔	"
"	ایک سر لطیف	۲۴۹	۱۴۳	امیر تیمور لنگ کا واقعہ	۲۳۵
"	فقہ کا ناورد روایت کے	۲۵۰	"	آل محمد کی محبت سال بھر کی	۲۳۶
"	مطابق فتویٰ دینا۔	"	"	عبادت سے بہتر ہے	"
"	ایک غلط فہمی	۲۵۱	"	کسی سید کا بے عمل ہونا اس	۲۳۷
۱۴۸	واللہ ورسولہ اعلم بالصواب	۲۵۲	"	کو اہل بیت سے خارج نہیں کرنا	"



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

زیر نظر کتاب ”حسب و نسب“ میں اس مسئلہ کی تشریح کی گئی ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید عجمی مرد کے ساتھ بنیادی طور پر نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا اور غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ عورت اور خاندان دونوں کی ذلت ہے۔ علامہ شامی غیر کفو میں نکاح کے منعقد نہ ہونے کی علت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں لان وجہ عدم الصحة علی هذه الرواية دفع الضرر عن الاولیاء کہ اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اس روایت پر (اولیاء) سے ضرر کا دفع کرنا ہے کہ جب نکاح غیر کفو میں ہوگا تو وارثوں کے لیے موجب ذلت و توہین اور باعث تنگ و عار ہوگا۔ اسلام تو کسی عام مسلمان کی توہین برداشت نہیں کرتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام خاندان نبوت کی توہین برداشت کرے جبکہ خاندان نبوت و رسالت کی عظمت و عزت کرنے پر بے شمار نصوص شرعیہ موجود ہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم فرض اور اصل ایمان ہے۔ جب حضور کی محبت و تعظیم فرض اور اصل ایمان ہوتی تو حضور کی اولاد کی محبت بھی فرض اور جزو ایمان ہوں۔ اسی وجہ سے آج تک جمہور امت مسلمہ سے کسی نے بھی اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں کیا بلکہ تمام امت مسلمہ متفقہ طور پر آل رسول اور عزت نبوی کی تعظیم کے قائل ہیں۔ پھر آل رسول ہونے کی حیثیت سے حضور کی تمام اولاد یعنی سادات خواہ ان کا سلسلہ کتنا ہی بعید بھی ہو قابل عزت و احترام ہیں۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ اس میں کوتاہی کرنے لگے ہیں تو آپ نے چند اشعار میں ایسے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی، وہ اشعار یہ ہیں :

واهتم بساکن خیفہا وان هض

یاد ابا قنف بالمحصب من منی

فیضا کملتظم الفرات الفائنض

سحراً اذا فاض الحجیج الی منی

فلیشهد الثقلان انی سرافض

ان کان سرفضا حب آل محمد

ترجمہ : اے شہ سوار منی کی وادی محصب کے قریب رک جاؤ اور جب صبح کے وقت عازمین حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں



مارتے ہوئے دریا کی طرح منی کی طرف روانہ ہو تو اس علاقے کے ہر باشندے اور ہر راہرو سے پکار کر یہ کہہ دو  
اگر صرف آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو اس کائنات کے تمام جنات و انسان گواہ رہیں کہ  
میں بھی رافضی ہوں۔“

یہ تھے سیدنا امام شافعی جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے کا ذکر کر رہے تھے کہ محبت اہل بیت فرض  
ہے اس کا رفض سے تعلق نہیں ہے اگر کوئی جہالت یا ناصبیت کی وجہ سے یہ سمجھتا رہے کہ اہل بیت رسول کی محبت  
کا تعلق رفض سے ہے تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے بھی رافضی تصور کر لے جبکہ میرا (رفض) سے دور کا  
واسطہ بھی نہیں ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ محبت اہل بیت دین کے اصولوں سے ہے۔ جب حضور کے خاندان اور سادات  
کی تعظیم فرض ہوئی تو اب اگر کوئی غیر سید کسی سیدزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ  
خون کی ملاوٹ کی وجہ سے توہین اہل بیت ہوگی۔ کیونکہ سادات کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب  
ہونے کی وجہ سے اس کا متحمل نہیں ہے کہ کسی غیر خون کے ساتھ ملوث ہو۔ اسی وجہ سے اس پاکیزہ نسب کو مطروہ للحکم  
تسلیم کیا گیا ہے کہ سادات کا ہم کفو وہی ہوگا جو سادات سے ہوگا۔ کوئی غیر سید سادات کی لڑکیوں کا ہم کفو نہیں  
ہو سکتا۔ کیونکہ سادات کی لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور حضور کا ہم کفو کوئی نہیں ہے مگر وہی  
جو عزت رسول سے ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں بان اولاد بناتہ ینسبون الیہ واولاد بنات غیرہ لا  
ینسبون الیہ فی الکفاء ولافی غیرہا (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۵۵) کہ آپ کی بیٹیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب  
ہوتی ہے اور غیر کی بیٹیوں کی اولاد اپنے جد (یعنی نہال) کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کی صاحبزادی کی اولاد تو آپ کی طرف منسوب ہوگی، اور دوسرے لوگوں میں یہ حکم نہیں ہے۔ پھر یہ حکم صرف حضرت  
سیدہ فاطمہ کی اولاد کے لیے ہے، دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لیے نہیں ہے۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے  
گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں۔ جس طرح کہ یہ بات اولاد فاطمہ کے لیے کہی جاتی  
ہے۔ ہاں دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ وہ آپ کی اولاد اور نسل سے ہیں۔ علامہ یوسف نہسانی  
لکھتے ہیں ویترفع علی ہذا انہم لایکافہم فی النکاح احد من الناس وبہ صرح غیر واحد من الائمة  
قال الجلال السیوطی فی الخصائص ومن خصائصہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آلہ لایکافہم  
فی النکاح احد من الخلق (الشرف الموبد ص ۳۵۹) اور اس پر یہ مسئلہ متفرع اور مبنی ہے کہ نکاح میں ان  
کا کوئی ہم کفو نہیں ہے۔ متعدد اماموں نے اس کی تصریح کی ہے، امام سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مخلوق سے کوئی بھی نکاح میں آپ کے اہل بیت کا ہم کفو نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حضور کی طرف منسوب ہے اور حضور کی اولاد کا سوائے حضور کی اولاد کے کوئی دوسرا ہم کفو نہیں ہے اور مفتی بہا (جس پر فتویٰ ہے) روایت کے مطابق ہم کفو ہونا صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے، جب کفو نہ ہوگی تو بنیادی طور پر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اگر کسی غیر سیدِ عجمی نے سادات کی لڑکی سے نکاح کیا تو نسبِ رسول کی توہین ہوگی اور نسبِ رسول یا اولادِ رسول کی توہین ایمان کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیر بحث ”مسئلہ“ اگرچہ ظاہر میں ایک فقہی جزیئہ معلوم ہوتا ہے لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے عقائد سے متعلق ہے۔ اور عقائد میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبوت کی معمولی توہین اور گستاخی مسلمان ہونے کے یکسر منافی ہے۔ جب یہ مسئلہ اپنے مرتبہ نتائج کے لحاظ سے عقائد سے متعلق تھا تو میں نے دیکھا کہ اس وقت بعض لوگ یہ کہہ کر ”کہ ہر آدمی خواہ کسی قوم یا برادری سے تعلق رکھتا ہو وہ سیدِ زادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے“ اس سے یہ صرف سادات کی توہین کے ہی مرتکب نہیں ہوتے بلکہ عام مسلمانوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا کر رہے ہیں تو میں نے اہل بیت اطہار کی عزت و ناموس کی خاطر اور مسلمانوں کے عقائد کے تحفظ کے پیش نظر یہ کتاب ”حسب و نسب“ ترتیب دی اس کی تحقیق اور تفصیل پر میں نے محنت کی، دوسری طرف میری ذاتی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ مجھے حوادث اور مصائب نے گھر رکھا تھا جہاں تک انسانی زندگی میں سکون و اطمینان کا تعلق ہوتا ہے وہ مجھے دور سے بھی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ میری امیدیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وابستہ تھیں کہ وہی تو ایک ذات ہے جو کہ میرے لیے سکون و اطمینان کے اسباب پیدا فرما سکتا ہے اور مجھے اس کی بے پایاں رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک اور اس کی آل کے صدقے مجھ پر بھی اپنا خاص رحم و کرم فرمائے۔ کیونکہ وہ اتنا رحیم اور کریم ہے جس سے زیادہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لطف و کرم کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ”حسب و نسب“ کو لکھنا شروع کیا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس ایک فقہی جزیئہ کا مضمون اتنا پھیل جائے گا کہ میرے لیے اس کا سمیٹنا مشکل ہو جائے گا اور نفسِ مسئلہ کے علاوہ مجھے حوالہ جات کو بھی جمع کرنا تھا بعض دفعہ مجھے ایک ایک حوالہ پر رات اور دن صرف کرنا پڑتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا جس حوالہ یا جزیئہ کو مجھے تلاش کرنا ہوتا وہ میں تلاش کر ہی لیتا آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اور میں اس کتاب ”حسب و نسب“ کو اس شخصیت کی طرف منسوب کرتا ہوں جو اس وقت دنیا کے اسلام میں اپنے علم و فکر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں

اور اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے ”نجیب الطرفین“ حسنی حسینی سید ہیں جن کی زندگی کا حاصل بھی خاندانِ نبوت کا ادب و احترام ہے۔ اس عظیم شخصیت سے میری مراد بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مفکرِ اسلام علامہ پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ جب ”حسب و نسب“ کا مسودہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ملاحظہ فرمانے کے بعد اظہارِ خیال کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ”حسب و نسب“ اپنے موضوع کے لحاظ سے اول اعتبار سے اول اور آخر کتاب ہے۔ اس سے قبل ایسی کتاب دیکھنے میں نظر نہیں آئی۔ میں آخر میں ”انجن فاطمیہ“ ”یو کے“ کا شکر گزار ہوں۔ ہوں جنہوں نے حسب و نسب کے چھپوانے اور شائع کرنے کا انتظام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اہل بیتِ رسول کی مؤدت اور محبت اور ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ

(لندن)

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَسَلَامًا  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں مرکزی دارالعلوم نقشبندیہ علی پور سیداں شریف ضلع سیالکوٹ (پاکستان) میں پچیس سال سے زائد تدریس اور افتاء کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ وہاں پر ہی میری دیگر تصانیف کے علاوہ فتاویٰ جماعتیہ دو جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوا جس میں اس مسئلہ کا ذکر بھی آیا تھا کہ کیا سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں نے اپنی تحقیق کے مطابق لکھا چونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے لہذا منعقد نہیں ہوتا۔ جب وہاں سے برطانیہ چلا آیا تو یہاں پر بعض لوگوں نے اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے وضاحت طلب کی کہ آپ نے فتاویٰ جماعتیہ میں لکھا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوتا، بعض حضرات لکھتے ہیں کہ ہو جاتا ہے، اس کی تفسیح کیا ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ میں اپنے پہلے موقف پر بدستور قائم ہوں کہ یہ نکاح نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء حنفیہ کا مسدک ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

**لفظ کفو کی تشریح** کفو کے اصلی معنی مثل اور نظیر ہے اور محیط المحيط ص ۷۸۴ میں ہے الکفو المثل یعنی کفو کا معنی مثل ہے۔ الکفواة اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ایک چیز دوسرے کے مثل ہو جائے۔

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کی مثل ہے۔ علامہ زین الدین ابن نجیم المتونی ص ۹۷ لکھتے ہیں الاکفاء جمع کفو بمعنی النظیر لفظ والمراد ههنا المسألة بين الزوجين في خصوص امور (بحر الرائق ص ۱۳۷ ج ۲) علامہ فخر الدین زبلی المتونی ص ۷۶ لکھتے ہیں النظیر لفظ يقال كفاءة ای ساواہ (تبیین الحقائق ص ۱۲۸ ج ۲) یعنی الكفاء کفو کی جمع ہے، اس کے اصلی معنی نظیر کے ہیں۔ اس مقام پر چند خاص امور میں مرد اور بیوی کے درمیان مماثلت مراد ہے یعنی نکاح میں کفو سے مراد ایک مخصوص برابری ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے۔ کیونکہ شریف عورت کے لیے کم تر مرد کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے اور وہ خسیس مرد کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی بخلاف مرد کے وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کے لیے کم تر فری فراش باعث عار نہیں ہے۔ جن امور میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے وہ چھ چیزیں ہیں (۱) نسب (خاندان) کیونکہ لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں۔ (۲) حریت (آزادی) (۳) اسلام (۴) دیانت (۵) مال

(۶) پیشہ، نسب کے لحاظ سے مرد کا خاندان عورت کے خاندان کے برابر ہونا چاہیے۔ اگر مرد کا خاندان عورت کے خاندان سے ادنیٰ ہوا تو وہ عورت کے لیے کفو نہ ہوگا۔ پھر نسب کے لحاظ سے کفو ہونا یہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں کیونکہ عجمی لوگ اپنا نسب ضائع کر چکے ہیں۔ فقہا کرام فرماتے ہیں لان العجم ضیعوا انسابہم (شرح وقایہ ص ۲ ج ۲، بحر الرائق ص ۱۳ ج ۲، طحاوی ص ۴۲) جب عجمی لوگوں کے نسب کا اعتبار نہیں تو اسی وجہ سے عجمی مرد عربیہ عورت کے لیے کفو نہیں ہوگا، العجمی لا یكون کفوًا للعربیة ولو کان العجمی عالماً او سلطاناً و هو الاصح (در مختار ص ۹۲ ج ۲) و ظاہر الروایة انه لا یكافئها فهو المذهب (منہ الخالق ص ۱۴) و ظاہر الروایة ان العجمی لا یكون کفوًا للعربیة (بحر الرائق ص ۱۳ ج ۲) عجمی اگرچہ بادشاہ اور عالم ہی کیوں نہ ہو عربی عورت کے لیے کفو نہیں ہو سکتا۔ یہی ظاہر روایت ہے اور یہی مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور در مختار میں یہ بھی ہے الحسب بذی المنصب والجاه غیر کفو للعربیہ کما فی الینابیع (در مختار ص ۹۲ ج ۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے والاصح لا یكون کفوًا للعربیة (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۹) یعنی صاحب منصب و جاہ ذی حسب مرد علویہ خاتون کے لیے کفو نہیں ہو سکتا جیسے کہ ینابیع میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں اسی کو صیح کہا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جب ایک عجمی عالم اور بادشاہ، عربی عورت کے لیے ظاہر روایت کے مطابق کفو نہیں ہوگا تو یہ علویہ خاتون کے لیے بطریق اولیٰ کفو نہیں ہوگا۔ اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ فتویٰ ظاہر روایت پر ہوتا ہے اسی وجہ سے مسائل حنفیہ تین طبقات پر ہیں۔ اول طبقہ وہ مسائل ہیں جو ظاہر روایات سے ثابت ہیں۔ طبقہ دوم وہ مسائل ہیں جو نادر روایات سے ثابت ہیں۔ طبقہ سوم میں وہ مسائل ہیں جو متاخرین مشائخ نے اصول حنفیہ کے مطابق حسب ضرورت خود اجتہاد کر کے ثابت کیے ہیں جن کو فتاویٰ اور واقعات کہتے ہیں۔ شاہ دلی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ نے ”عقد الجید“ میں مفتی بہا مسائل کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اول قسم وہ ہے جو ظاہر روایت سے ثابت ہوں اور ان کا حکم یہ ہے کہ فتویٰ میں بلا تامل قبول کیے جائیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو آئمہ ثلاثہ سے بروایت شاذہ مروی ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اصول کے موافق ہوں تو قبول کیے جائیں ورنہ نہیں۔ تیسری قسم متاخرین کی تخریج ہے کہ اس پر جمہور متفق نہیں ہیں، پس ان کو اصول اور کلام سلف کے نظائر سے مطابق کیا جائے، اگر مطابق ہوں تو قبول کیا جائے ورنہ ترک کیا جائے۔ ظاہر روایات امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ کی وہ چھ کتابیں ہیں جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ، امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور اپنے متفق علیہ و مختلف فیہ سب مسائل لکھ دیئے ہیں۔ یعنی بسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر،

۱۲۔ ینابیع فی معرفۃ الاصول والتفاریح فتوری کی شرح ہے، تفصیل بحث تالیف میں دیکھیے

سیر صغیر، سیر کبیر، ان کتابوں کو ظاہر روایۃ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مصنف سے بروایت متواتر و مشہور ثابت ہوئی ہیں لوگوں کا ان پر اعمتاد ہے اور ان کے مسائل کو عام طور پر علماء علفیہ نے تسلیم کیا ہے۔ نوادرات جو آئمہ مجتہدین سے ظاہر روایات کے سوا اور کتابوں سے ثابت ہیں، جیسے "رقیات" یعنی وہ مسائل جو امام محمدؒ نے شہرہ رتہ میں جمع کیے تھے اور کیسانیات" یعنی وہ مسائل جو امام محمدؒ نے ابن عمر و سلیمان بن شعیب کیسانی کو لکھوا دیئے تھے، اور "بارونیات" جو امام محمدؒ نے خلیفۃ المسلمین ہارون رشید المتوفی ۱۹۳ھ کے عہد میں جمع کیے تھے، اسی طرح "جرجانیات" و نوادر ابن سماعۃ المتوفی ۲۳۳ھ، و نوادر ابن رستم المتوفی ۲۱۱ھ، ان کو نوادر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ متفرق روایات ہیں، یہ ظاہر روایت کی طرح مشہور نہیں ہیں۔ نوازل اور واقعات" وہ مسائل ہیں جو متاخرین نے حسب ضرورت اجتہاد کر کے ثابت کیئے ہیں جیسے نوازل سمرقندی یہ اس طبقہ میں فقیہ محقق ابواللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کے بعد اس میں اور بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ جیسے کہ ناظمی نے مجموع نوازل اور صدر شہید نے الوقعات تحریر کیں، (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ ص ۹۴، فتاویٰ جماعتیہ ص ۲۹۴ ج ۲) ثابت ہوا کہ عجمی مرد عربی عورت کے لیے کفو نہیں بن سکتا، یہی ظاہر روایت اور مفتی بہ قول ہے۔ جب عجمی مرد عربی عورت کے لیے کفو نہیں ہو سکتا تو یہ مرد علویہ عورت کے لیے بطریق اولیٰ کفو نہیں ہوگا۔ جب علویہ خاتون کے لیے کفو نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ سیدہ کے لیے برگز کفو نہیں ہوگا، جب سیدہ کے لیے غیر سیدہ کفو نہیں بن سکتا تو نکاح بھی منع نہیں ہوگا، جب غیر کفو میں نکاح منع نہیں ہوتا تو اس سے یہ واضح طور پر ثابت ہوا کہ نکاح میں کفو کا بنیادی طور پر اعمتاد ہے۔

ہمارے بعض معاصرین مسئلہ کفایت میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کے اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں کفو کا اصلاً اعتبار نہیں ہے (اردو شرح صحیح مسلم ص ۹۹ ج ۳) اس معاصر کا یہ قول غلط ہے کیونکہ نسب کی اہمیت قرآن سے ثابت ہے اور نکاح میں کفو کا اعتبار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ملاحظہ کیجئے امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا علی ثلاث لا تؤخرهن الصلوۃ اذا آنت والجنائزۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت کفواً ہذا حدیث غریب صحیح ولم یخرجہا، کہ اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا، ایک نماز جبکہ

۱۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن عمر: طفی المتوفی ۴۶۶ھ (مقدمہ ہدایہ ص ۱۳)

۲۔ امام حسام الدین صدر شہید المتوفی ۵۳۶ھ، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

اس کا وقت آجائے اور دوسرا نماز جنازہ جب جنازہ حاضر ہو جائے اور تیسرا کہ غیر شادی شدہ عورت کا جب کفوف مل جائے یہ حدیث صحیح ہے امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی (مستدرک ص ۱۶۲ ج ۲) حافظ ذہبی المتوفی ۴۳۰ھ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (تلمیح ذہبی ص ۱۶۲)

سوال امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں وطارا اسنادہ متصلہ کہ میسر خیال میں اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے یہ حدیث منقطع ہے۔

جواب شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ وقول الترمذی فیہ لا اری اسنادہ متصلہ منتف مما ذکرناہ من تصحیح الحاكم۔ امام ترمذی کا یہ کہنا کہ اس کی سند متصل نہیں ہے یہ حاکم کی تصحیح کیوجہ سے منتفی ہے۔

امام حاکم کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمد بن محمد بن نعیم اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ نیشاپور کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۳۲۱ھ ماہ ربیع الثانی میں ہوئی۔ آپ نے تحصیل علم کے سلسلہ میں نہایت جدوجہد کی۔ خراسان اور ماوراء النہر اور دیگر بلاد اسلامیہ میں جا کر دو ہزار مشائخ سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ کے والد بھی ان کے تحصیل علم میں معاون رہے۔ اور آپ کے والد امام مسلم کو دیکھنے والے تھے۔ امام حاکم اپنے والد سے بھی روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ابوالعباس محمد بن یعقوب اہم ابو عبداللہ بن یعقوب بن الاخوم، ابوالعباس بن محبوب ابو عمر و عثمان بن سماک اور ابو علی حافظ نیشاپوری سے بھی روایت کرتے ہیں۔ امام دارقطنی، ابو ذر ہروی المتوفی ۳۷۰ھ، ابویعلیٰ، علامہ خلیلی المتوفی ۳۳۶ھ، ابوالقاسم قشیری ۳۶۵ھ، اور امام ہیثمی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ چونکہ عمدہ قضا پر فائز تھے لہذا آپ کا لقب حاکم پڑا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں کہ امام حاکم کے زمانہ میں چار شخص بہت بڑے محدث شمار کیے جاتے تھے، امام دارقطنی بغداد میں، امام حاکم نیشاپور میں، ابو عبداللہ بن مندہ المتوفی ۳۷۰ھ اصفہان میں اور عبدالغنی المتوفی ۳۷۰ھ مہر میں، علماء محققین فرماتے ہیں کہ دارقطنی معرفت علل حدیث میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور امام حاکم کو فن تصنیف اور ترتیب میں اعلیٰ مقام حاصل تھا اور ابن مندہ کو کثرت حدیث میں برتری تھی اور عبدالغنی کو اسباب کی معرفت میں تبحر حاصل تھا۔ امام حاکم کی تصنیف میں سے مستدرک کے علاوہ تاریخ نیشاپور، کتاب المدخل اور معرفت علوم الحدیث وغیرہ بھی ہیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ان کی تصانیف ایک ہزار پانچ سو اجزاء کے قریب پہنچی ہے۔ امام حاکم علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے مگر علم حدیث میں زیادہ مشغلہ رکھنے کی وجہ سے فن حدیث میں زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ نے تفسیر میں بھی کتاب الکلیل تحریر فرمائی ہے جو نہایت معیاری تفسیر اور بہت عمدہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک دن حمام میں غسل کے لیے تشریف لے گئے فارغ ہونے کے بعد کپڑے پہنے ہوئے باہر تشریف لائے تو ایک آہ کھینچی اور جان بحق ہو گئے۔ یہ واقعہ ماہ صفر ۳۷۰ھ میں ہوا۔ انتقال کے بعد کسی شخص

یعنی جب امام حاکم اس کی صحت بیان کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ حدیث صحیح ہے تو پھر امام ترمذی کا قول درست نہیں ہے اور حافظ ذہبی اور ابن ہمام بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے جس سے ثابت ہوا کہ اعتبار کفو کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سند صحیح سے مروی ہے اور نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ اور امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تخیروا لنطفکم فانکحوا الکفاء وانکحوا الیہم تابعہ عکرمہ بن ابراہیم عن ہشام بن عروہ (مستدرک ص ۱۶۲ ج ۲) کہ اپنی اولاد کے لیے رشتہ پسند کرو خود بھی کفو میں نکاح کرو اور کفو میں رشتہ دو۔ عکرمہ بن ابراہیم نے اس کی متابعت کی ہے، یعنی عکرمہ بن ابراہیم نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

**سوال:** علامہ ذہبی لکھتے ہیں قلت الحارث متہم وعکرمہ ضعفوا (تخصیص ذہبی ص ۱۶۳) کہ یہ حدیث حارث سے مروی ہے اور وہ متہم ہے، اور عکرمہ بن ابراہیم نے اس کی متابعت کی ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے نکاح میں کفو کا معتبر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

**جواب:** علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت انس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بلکہ متعدد طرق سے مروی ہے۔ یہ حدیث حسن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت اور قابلِ استدلال ہے۔ حدیث کی صحت اور حجیت کے لیے یہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ برہان الدین حلبی المتوفی ۸۴۲ھ نے شرح بخاری میں، علامہ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ سے ذکر کیا ہے انہ حسن کہ یہ حدیث حسن ہے، ثابت ہوا کہ یہ حدیث عائشہ صحیح ہے اور قابلِ استدلال ہے اور نکاح میں کفو معتبر ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء (درایہ ص ۶۸۵) کہ عورتوں کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور ان کا نکاح صرف ان کے اولیاء کریں اور ان کا ہر دس درہم سے کم نہ ہو۔ اس حدیث کو صاحب ہدایہ نے ہدایہ ص ۲۹۹ میں اور علامہ زلیعی نے شرح کنز میں بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔

نے خواب میں دیکھا تو یہ فرما رہے تھے کہ میں نے نجات پائی۔ دیکھنے والے نے دریافت کیا کہ کس سبب سے؟ تو جواب دیا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر سے (بستان المحدثین ص ۷۲) علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ امام حاکم نے جب اس حدیث کی تصحیح بیان کر دی ہے تو اب امام ترمذی کا اس کو منقطع بتانا درست نہیں ہے بلکہ حدیث صحیح ہے، ۱۲ (مفتی غلام رسول)



سوال : حافظ ذیلیبی اس کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی بشر بن عبیدہ ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ بشر بن عبیدہ متروک الحدیث ہے، اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔

جواب : علامہ ابن ہمام کہتے ہیں اگرچہ اس کی سند میں بشر بن عبیدہ ہے لکنہ حجة بالتضافر والشواهد لیکن یہ حدیث اپنے شواہد کی وجہ سے صحیح اور قابلِ حجت ہے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال لا منعن فروج ذوات الاحساب الامن الا کفؤا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ممانعت کروں گا مگر یہ کہ شریف زادیاں اور بڑی عزت والیاں اپنی کفؤ میں نکاح کریں یعنی میں چاہتا ہوں کہ بڑے خاندان والیاں اپنے کفؤ میں ہی نکاح کریں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث جابر کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بهذا الاسناد حسن اس سند کے ساتھ صحیح ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۹۲) اور حافظ ذیلیبی نے شرح کنز میں نکاح میں کفؤ کے معتبر ہونے پر خود اس حدیث جابر کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں اعلم ان الکفاءة معتبرة في النکاح لما روى جابر انه عليه الصلوة والسلام قال الا لا يزوج النساء الا الاولياء ولا يزوجن الا من الاكفاء، ذیلیبی شرح کنز ص ۱۲۸ کہ نکاح میں کفؤ کا اعتبار ہے کیا ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کریں اور نکاح صرف ان کے کفؤ میں کیا جائے اور جو لوگ کفؤ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام لوگ برابر ہیں، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ حافظ ذیلیبی نے آخر میں ان کا جواب بایں الفاظ دیا ہے قلنا المراد به في حكم الآخرة وکلامنا في الدنيا ذیلیبی شرح کنز ص ۱۲۸ ج ۲) کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے اور ہماری بات دنیا سے متعلق ہے۔ یعنی نکاح میں کفؤ کا معتبر ہونا اس کا تعلق دنیا سے ہے اور تقویٰ کا تعلق صرف آخرت سے ہے۔ جب علامہ ذیلیبی خود اس حدیث جابر سے اعتبار کفؤ پر استدلال پیش کر رہے ہیں تو ان کی جرح غیر معتبر ہوگی۔ صاحب معارف القرآن حدیث بابر کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و اقوال سے اس کی تائید ہو کہ حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کے لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجے والے سے نہ کیا جائے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی کہ نکاح میں کفؤ کی رعایت کی جائے جو متعدد اسانید سے منقول ہے۔ امام ہمام نے

بھی فتح القدير میں اس کی تفصیل لکھی ہے (معارف القرآن ص ۱۵۲) اس سے بھی ظاہر ہے کہ حدیث جابر صحیح اور قابل استدلال ہے۔ جب اس حدیث جابر کی صحت علامہ ابن ہمام، حافظ ابن حجر عسقلانی ذکر کر رہے ہیں اور حافظ زلیعی اس کو قابل استدلال اور قابل حجت سمجھتے ہیں اور فقہاء احناف اس کو کفو کے معتبر ہونے پر بطور دلیل پیش کر رہے ہیں تو یہ حدیث صحیح ہے لہذا ہمارے معاصر کا یہ کہنا کہ نکاح میں کفو کا اصلاً اعتبار نہیں ہے، صرف غلط ہی نہیں بلکہ باطل بھی ہے۔ دیکھئے فقہاء حنفیہ نکاح میں کفو کے معتبر ہونے کے متعلق لکھتے ہیں قدوری میں ہے "والکفائة في النكاح معتبرة" قدوری ص ۱۳۷، ہدایہ میں ہے "الکفائة في النكاح معتبرة" ہدایہ ص ۲۹۹، علامہ زلیعی لکھتے ہیں "اعلم ان الکفائة معتبرة في النكاح" زلیعی شرح کنز ص ۱۲۸، علامہ شبلی فرماتے ہیں "ان الکفائة معتبرة" حاشیہ ص ۱۲۸، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں "الکفائة في النكاح معتبرة" فتح القدير ص ۲۹۱ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے "فہی معتبرة في النكاح" درمختار میں ہے "تعتبر الکفائة للزوم النكاح" درمختار ص ۳۷ ج ۳، فتاویٰ قاضیخان میں ہے "الکفائة في النكاح معتبرة في النكاح" فتاویٰ عالمگیری میں ہے "الکفائة معتبرة في الرجال للنساء للزوم النكاح کذا في محيط السرخسی" شامی میں ہے "وذهب جمهور مشائخنا الى انها معتبرة" رد المحتار ص ۳۷ ج ۳ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے اور علامہ شامی ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ علامہ نوح نے حاشیہ درر میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن کرخی اور امام ابو بکر جصاص یہ دونوں عراق کے بہت بڑے عالم تھے اور مشائخ عراق ان کے تابع تھے ان سب نے کہا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں ہے ولولم تثبت عندهم هذه الرواية عن ابي حنيفة لما اختاروها (رد المحتار ص ۳۷ ج ۳) اور اگر ان اماموں کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا ایسا قول نہ ہوتا تو وہ اس قول کو اختیار نہ کرتے۔ ہمارا معاصر لکھتا ہے کہ علامہ شامی کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کفو کے غیر معتبر ہونے میں امام ابو حنیفہ کا بھی قول موجود ہے اور یہی قرین قیاس بھی ہے لیکن ہم کہتے ہیں امام کرخی اور ابو بکر جصاص کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا کوئی قول نہیں تھا کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں ہے بلکہ امام کرخی نے یہ قول امام مالک اور سفیان ثوری کا لیا ہے اور ابو بکر جصاص نے اپنے استاد کرخی سے لیا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی ابو حنیفہ کی روایت موجود نہیں تھی، حاشیہ درر میں علامہ نوح سے یہ تساہل ہوا بلکہ غلطی ہوئی اور اسی تساہل اور غلطی کا اعادہ علامہ شامی نے کر دیا۔ دیکھئے قاضی خان لکھتے ہیں الکفائة معتبرة في النكاح خلافا لما لك رحمه الله تعالى، وسفيان وجماعة من الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين وعن الكرخي رحمه الله انه اخذ بقولهم (فتاویٰ قاضی خان ص ۳۳۹) کہ کفوات نکاح میں معتبر ہے لیکن امام مالک اور سفیان ثوری کفوات فی النکاح کے قائل

نہیں ہیں اور کرنی نے بھی ان کا قول لیا ہے قاضی خان نے جب تصریح کر دی ہے کہ کرنی نے امام مالک اور سفیان وغیرہ کا قول لیا ہے تو اب ظاہر ہے کہ امام کرنی نے ابو حنیفہ کا قول نہیں لیا کیونکہ ابو حنیفہ سے کفو کے غیر معتبر ہونے میں کوئی قول موجود نہیں تھا۔ جب تصریح موجود ہو تو پھر یہ کہنا کہ قرین قیاس یہ ہے کہ کفو کے غیر معتبر ہونے میں امام ابو حنیفہ کا قول موجود ہے صراحتاً غلط ہے کیونکہ ابو حنیفہ سے کفو کے غیر معتبر ہونے میں کوئی روایت ہی نہیں ہے پھر جبکہ قاضی خان تصریح کر رہے ہیں کہ امام کرنی نے امام مالک اور سفیان ثوری کا قول لیا ہے تو پھر قاضی خان کا بھی قول معتبر ہوگا۔ علامہ نوح اور علامہ شامی کا قول معتبر نہیں ہوگا کیونکہ قاضی خان فقہاء کے ”طبقہ ثالثہ“ یعنی مجتہد فی المسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جہاں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو تو یہ صاحب مذہب کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کے مطابق اجتہاد و استنباط کرتے ہیں لہذا ان کا قول معتد علیہ ہوتا ہے اسی لیے علامہ قاسم قطلوبغا کہتے ہیں ”قاضی خان اجل من یعتمد علیہ وتصحیحہ مقدم علی تصحیح غیرہ اگر قاضی خان کسی مسئلہ کی کسی کے مقابلہ میں تصحیح کریں تو قاضی خان کی تصحیح کا اعتبار ہوگا۔ لہذا جب قاضی خان نے تصریح کر دی ہے کہ امام کرنی نے امام مالک اور سفیان ثوری کے قول کو اخذ کیا ہے تو ثابت ہوا کہ ابو حنیفہ نکاح میں کفو کے معتبر ہونے کے قائل ہیں اسی لیے جو فقہاء صحیح معنوں میں امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں، وہ کفوات فی النکاح کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ سے کوئی معتد علیہ روایت اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی فرماتے ہیں ”الکفایۃ معتبر“ کہ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۶۹) غرضیکہ فقہاء حنفیہ نکاح میں کفو کو معتبر سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ مسئلہ کفوات میں ایک ظاہر روایت ہے اور دوسری حسن بن زیاد کی روایت ہے، تفصیل آگے آرہی ہے لیکن مفتی بہار روایت حسن بن زیاد کی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے وان لم یکن کفو الا یجوز النکاح اصلاً وهو المختار فی زماننا روایۃ الحسن قال الشیخ الامام شمس الآئیۃ السرخسی روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط اور اگر کفو نہ ہو تو نکاح بالکل ہی منعقد نہیں ہوگا اور ہمارے زمانہ میں حسن بن زیاد کی روایت ہی مختار ہے۔ شمس الآئیۃ سرخسی فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد کی روایت احتیاط کے بہت قریب ہے۔ اور علامہ شامی نے لکھا ہے و تعتبر الکفایۃ للزوم النکاح ای علی ظاہر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ (ردالمحتار ص ۸۶ ج ۲) ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفوات معتبر ہے۔ اور حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ کفوات نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہی مفتی بہا ہے۔ ہمارا معاصر یہ بھی لکھتا ہے کہ علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے ظاہر روایت کو چھوڑ کر اور حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ دے کر

خلافِ اصول کیا ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ فتویٰ ظاہر روایت کے مطابق ہوتا ہے اور جب دو روایتوں میں تعارض ہو جائے تو پھر بھی فتویٰ ظاہر روایت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ اس کی غلط فہمی ہے کیونکہ اس اصول پر اس وقت عمل ہوتا ہے جب کہ فقہاء یہ تصریح نہ کریں کہ فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ اگر فقہاء ظاہر روایت کے خلاف کسی دوسری روایت پر فتویٰ دے کر یہ کہتے ہیں کہ فتویٰ کے لیے یہ مختار روایت ہے اور یہی اقرب الی الاحتیاط ہے اور یہ ہی فسادِ زمانہ کی وجہ سے فتویٰ کے لیے مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، تو اتنے تصریحات ہونے پر اس اصول مذکورہ بالا پر عمل نہیں ہوگا بلکہ اس اصول سے یہ قاعدہ گویا کہ مستثنیٰ ہوگا کہ بوقت تعارض فتویٰ ظاہر روایت پر ہوگا لیکن اگر فقہانے تصریح کر دی کہ فتویٰ ظاہر روایت پر نہیں ہوگا بلکہ دوسری روایت پر ہوگا تو یہ اصول کے خلاف نہیں ہے بلکہ اصول سے اقرب الی الاحتیاط ہونے کی وجہ سے یہ صورت مستثنیٰ ہوگی جیسے کہ مسئلہ زیر بحث میں اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفایت معتبر ہے۔ لیکن حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق کفایت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور فتویٰ اسی پر ہے کہ نکاح بالکلیہ منعقد نہیں ہوگا۔ اصول تو یہ ہی ہے کہ فتویٰ ظاہر روایت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس پر عمل اس وقت ہوگا جب فقہاء ظاہر روایت کے خلاف کسی اور روایت پر فتویٰ دینے کی تصریح نہ کریں، اگر تصریح کر دیتے ہیں تو پھر فتویٰ ظاہر روایت پر نہ ہوگا بلکہ دوسری روایت پر ہوگا جس کو مفتی بہا قرار دیا جا رہا ہے یہ صورت نہیں ہوتی کہ انہوں نے خلافِ اصول فتویٰ دے دیا بلکہ یہ لوگ ہم سے فتویٰ کے اصولوں کو زیادہ جانتے ہیں۔ یہ بھی ان کا ایک اصول ہے کہ جب کسی وجہ سے ظاہر روایت کے خلاف فتویٰ دے دیں تو فتویٰ اسی روایت پر ہوگا ظاہر روایت پر نہیں ہوگا جیسے کہ شمس الائمہ سرخسی اور قاضی خان اور علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے اور ظاہر روایت پر نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی لکھتے ہیں یعنی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصالاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان کہ اگر نکاح غیر کفو میں ہوا تو اس کے عدم جواز کا بالکلیہ فتویٰ دیا جائے گا اور یہی قول فسادِ زمانہ کی وجہ سے فتویٰ کے لیے مختار ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۵) کیا یہاں بھی یہ ہی کہا جائے گا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے خلافِ اصول فتویٰ دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے معاصر کو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ فقہاء خلافِ اصول فتویٰ دے رہے ہیں۔ خلافِ اصول اس وقت بات ہوتی جب فقہاء دوسری روایت کے مفتی بہا ہونے کی تصریح نہ کرتے۔ جب بڑے بڑے ائمہ اور فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے تو پھر یہ خلافِ اصول نہیں ہے بلکہ یہ ایک استثنائی قاعدہ ہے جس کے مطابق حسن بن زیاد کی روایت کو قابلِ فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور مقدمہ ہدایہ

ہدایہ ص ۹۷ میں ہے کہ واضح ہو کہ کبھی ظاہر مذہب کی روایت کو چھوڑ کر روایت نادرہ لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا تو شمس الائمہ نے کہا کہ تکفیر ہے اور نوادر میں امام محمد سے مروی ہے کہ تکفیر نہیں ہے ”وهو الصحيح كذا ذكره القاري“ اور فتویٰ اس روایت پر ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا اور یہی صحیح ہے جیسے کہ غسلی قاری نے ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بعض دفعہ ظاہر روایت کے خلاف فتویٰ دیا جاتا ہے، وہ خلاف اصول نہیں ہوتا کیونکہ روایت نادرہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ خلاف اصول ہے بلکہ روایت بطریق ندرت ہے۔ بایں معنی کہ دوسرے شاگردوں سے متابعت نہیں پائی جاتی۔ (مقدمہ ہدایہ ص ۹۷) لہذا قاضی خان اور شمس الائمہ اور علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ دیا ہے وہ اصول کے مخالف نہیں ہے کیونکہ روایت نادرہ پر فتویٰ دینا خلاف اصول نہیں ہے۔ پھر حسن بن زیاد کی روایت کو امام سرخسی، قاضی خان اور صاحب ہدایہ بھی ذکر کرے ہیں۔ امام سرخسی اور قاضی خان طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ درجہ اجتہاد پر فائز ہیں اور صاحب ہدایہ طبقہ خامسہ سے ہیں جو کہ صاحب ترمذی جیسی جیسے کہ عنقریب تفصیل آ رہی ہے۔ اگر یہ ظاہر روایت کے خلاف کوئی روایت ذکر کریں تو ان پر اعتماد کیا جاتا ہے نعم اذا وجد النقل عن النوادر مثلاً فی کتاب مشہور کا لہدایہ والمبسوط کان ذالک تعویلاً علی ذالک الکتاب (مقدمہ عمدۃ الرعاہ ص ۱۱) اس سے واضح بلکہ واضح تر ہوا کہ اگر فقہاء ظاہر روایت کو چھوڑ کر دوسری روایت پر فتویٰ دیتے ہیں تو یہ خلاف اصول نہیں ہے بلکہ اصول کے قواعد سے ایک استثنائی قاعدہ ہے، جس کے مطابق حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ غیر کفو میں بنیادی طور پر اصل نکاح نہیں ہوتا۔ اور یہ کہنا کہ اگر کفایت شرط ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ اعتبار قصاص میں کیا جاتا ہے جتنی احتیاط قصاص کے باب میں ہوتی ہے اور کسی باب میں نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ شخص کو ادنیٰ شخص کے بدلہ میں قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس حدیث کے مقابلہ میں ہے اور جو قیاس حدیث کے مقابلہ میں ہوا اس کو ترک کیا جاتا ہے۔ دیکھئے علماء اصول لکھتے ہیں ”والراوی ان عرف بالفقہ والتقدم فی الاجتہاد كالخلفاء الراشدين وعائشة و ابو موسیٰ الاشعری كان حدیثہ حجة بترك به القیاس (اصول شامی ص ۵۷، معلم الاصول ص ۲۲۳، نور الانوار ص ۱۷۸) یعنی اگر راوی فقیہ اور مجتہد ہے تو اس کی مروی حدیث حجت ہے اس کے ساتھ قیاس کو ترک کیا جاتا ہے۔ جب ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ کی مروی احادیث صحیح ہیں اور دونوں راوی فقیہ اور مجتہد ہیں تو ان کی احادیث کے سامنے قیاس کو پیش کرنا اصول کے منافی ہے۔ لہذا کفایت کا نکاح میں تو اعتبار ہوگا اور قصاص میں اعتبار نہیں ہوگا۔

اور ہمارے معاصر نے جو یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے کیا تھا اور اپنی دونوں صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کیا تھا اور حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے کیا تھا اور فاطمہ صغریٰ کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ ہوا تھا، یہ تمام غیر کفو میں ہوئے تھے تو ان کے جوابات آگے آرہے ہیں۔ باقی زبیر بن عبدالمطلب کی لڑکی ضباعہ کا نکاح جو متداد بن اسود سے کیا گیا تھا اور ابوہند کا نکاح بتو بیاضہ کی عورت سے ہوا تھا اور حضرت بلال کا نکاح ایک انصاری عورت سے ہوا تھا، اور فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید سے ہوا۔ یہ تمام نکاح غیر کفو میں تھے تو اسکا جواب صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد نکاح اس طرح غیر کفو میں اسی قسم کی دینی مصالح کی بنا پر کیے گئے تھے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا (معارف القرآن ص ۱۵۱) صاحب معارف القرآن کی کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسے نکاح ہوئے یعنی غیر کفو میں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفایت کی ہی نفی ہو جائے بلکہ جہاں تک کفو کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان واقعات کے پیش نظر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اب کفو کا خاتمہ ہو گیا ہے بلکہ ہر لحاظ میں کفو نکاح میں معتبر ہی معتبر ہے۔ اور ابو حذیفہ کا اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ کا نکاح اپنے غلام سالم کے ساتھ کرنے کا جو واقعہ ہے اس سے بھی مطلب کفو کی نفی نہیں ہوتی۔ دیکھئے ”صاحب معارف القرآن“ لکھتے ہیں حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفایت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت ہے لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفایت سے بڑھ کر سامنے آجائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا جائز ہے خصوصاً جبکہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے ”اصل مسئلہ کفایت“ کی نفی نہیں ہوتی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ جہاں تک کفایت کا تعلق ہے وہ ان جزوی نکاحوں سے جو کہ کسی مصلحت کے ماتحت کیے گئے تھے متاثر نہیں ہوگا اور مسئلہ کفایت اپنی جگہ برقرار ہے گا اور نکاح میں معتبر ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ما فی بنتی من امر الجاہلیۃ غیر شعیئین غیر انی الست ابالی ای المسلمین انکحت و بایعن انکحت کہ زمانہ جاہلیت کی صرف دو چیزیں میں نے باقی رکھی ہیں، ایک یہ کہ میں کسی مسلمان کے ساتھ رشتہ کروں مجھے اس میں عار نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ میں کسی مسلمان عورت کیساتھ نکاح کر لوں مجھے اس میں عار نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک یہ کہ میں کسی مسلمان کے ساتھ رشتہ

کر لوں یہ ایک آپ کا ذاتی ارادہ ہے جس کا اظہار فرما رہے ہیں اس سے کفو کی نفی نہیں کر رہے یہ بھی کسی مصلحت کی بنا پر ہوا جیسے کہ صحابہ کے زمانہ میں بھی اگر کوئی نکاح غیر کفو میں کسی مصلحت کی بنا پر ہوا تو اصل مسئلہ کفایت کو وہ متاثر نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نفس مسئلہ کفایت کو متاثر نہیں کرے گا۔ دوسرا یہ فرمایا کہ میں کسی مسلمان عورت سے نکاح کر لوں تو مجھے عار نہیں ہے۔ یہ صورت تو پہلے سے ہی جائز ہے کیونکہ مرد خواہ نکتنے اونچے نسب کا کیوں نہ ہو وہ اگر کسی گھٹیا اور ادنیٰ قبیلے کی عورت سے نکاح کرتا ہے تو یہ شرعاً جائز ہے کیونکہ کفو کا اعتبار تو مرد کی جانب سے ہوتا ہے کہ اعلیٰ نسب کی عورت کے لیے ادنیٰ نسب کا مرد نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فرانش ہونا ناگوار ہوتا ہے اور وہ خسیس کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی۔ بخلاف مرد کے وہ طالب فرانش ہوتا ہے جس کے لیے کمتری باعث عار نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں کسی مسلمان عورت سے نکاح کر لوں مجھے عار نہیں ہے یہ تو صورت ویسے ہی جائز ہے۔ نرضیکہ دونوں صورتوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کفو کی نفی نہیں کی بلکہ پہلے کتاب الآثار کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجے والے سے نہ کیا جائے جس سے ظاہر ہے کہ نکاح میں کفایت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ علامہ ابن حزم اندلسی المتوفی ۵۴۵ھ لکھتے ہیں کہ حضرت حسن مشنی کی متعدد بیٹیاں تھیں جن میں سے چار کا نکاح غیر سادات سے ہوا ہے۔ حضرت زینب کا نکاح ولید بن عبد الملک سے۔ حضرت فاطمہ کا نکاح معاویہ بن عبد اللہ سے، حضرت ملیکہ کا نکاح معادیہ بن عبد اللہ سے اور ام قاسم کا نکاح مروان بن ابان بن عثمان بن عفان سے ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن مشنی کی جن صاحبزادیوں کے نکاح اموی خاندان میں ہوئے تھے وہ محل نظر ہیں کہ معرکہ کربلا کے بعد یہ شہزادیاں اموی خاندان کے گھرانوں میں برضا کیسے نکاح کر سکتی تھیں۔ اگر بقول ابن حزم ہوئے ہیں تو پھر یہ کسی مصلحت پر مبنی تھے۔ اور صاحب معارف القرآن کے حوالہ سے متعدد مرتبہ گذر چکا ہے کہ جو نکاح کسی دینی مصلحت کی بنا پر غیر کفو میں ہو وہ اصل کفایت کی نفی نہیں کرتا۔ لہذا جہاں تک کفایت کے مسئلہ کا تعلق ہے وہ برقرار ہے اسی لیے فقہاء حنفیہ بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کفو کو نکاح میں معتبر سمجھتے ہیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ نکاح غیر کفو میں اصلاً منعقد نہیں ہوتا۔ اگر ان نکاحوں مذکورہ بالا کے پیش نظر کفو کی نفی ہو جاتی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بار بار فتاویٰ رضویہ میں یہ نہ لکھتے کہ نکاح غیر کفو میں اصلاً منعقد نہیں ہوتا، اعلیٰ حضرت کا یہ لکھنا کہ نکاح غیر کفو میں اصلاً منعقد نہیں ہوتا، اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ بر تقدیر صدق ان مذکورہ نکاحوں سے کفو کی نفی نہیں ہوتی۔ اور جو ہمارے

معاصر نے کفو کی تحقیق لکھتے ہوئے علامہ سرخسی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے، افضلیت صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا جواب علامہ سرخسی خود اس کے بعد دے رہے ہیں دیکھیے فرماتے ہیں والمراد من الآثار اللتی رواھا فی احکام الاخرۃ و بہ نقول ان التفاصل فی الآخرة بالتقویٰ (مبسوط ص ۲۳ ج ۲) کہ وہ آثار اور روایات جن سے برابری اور ایک دوسرے پر فضیلت کی نفی معلوم ہوتی ہے ان کا تعلق آخرت سے ہے نہ کہ دنیا سے اور یہی جواب علامہ ذیلی نے بھی شرح کتبی کفایت فی النکاح کے معبر ہونے پر ذکر کیا ہے۔ لہذا وہ روایات جن میں ہے کہ ہم لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں یا کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں، اس سے نہ تو کفایت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ہی ان روایات اور آیت کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا نکاح سے تعلق ہے اور نہ ہی امام سرخسی ان روایات اور آیت کریمہ کو پیش کر کے کفایت فی النکاح کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل امام سرخسی نے ان روایات اور آیت کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ وضاحت کریں ان کا اصلی مصداق اور مفہوم آخرت سے متعلق ہے۔ اس سے کفایت فی النکاح کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان کا ایک الگ مفہوم ہے جو آخرت کے ساتھ متعلق ہے۔ اب ہمارے معاصر کا صرف ان روایات کا ذکر کرنا اور جو امام سرخسی نے ان روایات کا جواب ذکر کیا ہے اس کا ذکر نہ کرنا جیسے کہ امام سرخسی کے ساتھ بناوت اور خیانت ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی ایک بہت بڑا فریب اور دھوکہ ہے۔ جب کوئی شخص مسائل شرعیہ میں بھی فریب اور دھوکہ دہی سے باز نہ ہے تو پھر اس کے لیے ایسی دینی تحقیق آخرت کے لیے توشہ نہیں بن سکتی۔ آخر میں یہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لڑکی اور ولی کی رضا کے باوجود سادات کا نکاح غیر سادات سے حرام ہے یہ محض بے سند قول ہے اور اللہ اور رسول کے حلال کیے ہوئے کو حرام کرنے کے مترادف ہے۔ ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں اس مسئلہ میں بہت غلو کیا جا رہا ہے اور اگر سادات میں سے کوئی شخص غیر کفو میں رشتہ کر دے تو اس کو حرام نہ مانا اور نہ جلنے کیا کچھ کہا جاتا رہا ہے اور اب تک کسی شخص نے اس مسئلہ پر تحقیق اور تفصیل

لہ اس کی تائید اس حدیث سے ہے لایسألکم عن احسابکم ولا انسابکم یوم القیمة اکرمکم عند اللہ اتقاکم (کتب العمال ص ۱۴ ج ۲) کہ تمہارے حسبوں اور نسبوں سے قیامت کے دن سوال نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے ہاں تو وہ کرم ہوگا جو کہ زیادہ متقی ہوگا۔ اب اس حدیث میں مراحت موجود ہے کہ اس آیت کریمہ کا تعلق آخرت سے ہے۔ اس کا تعلق نکاح وغیرہ سے نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کفایت کی نفی پر استدلال صحیح ہے۔ (مفتی غلام رسول)



سے قلم نہیں اٹھایا تھا تو میں نے توفیقِ الہی سے احکامِ شریعت کی احیاء کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو دلائل سے واضح کیا، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس کو میرے لیے توشہِ آخرت کر دے۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں ان صفحات پر جو سیاہی خراب ہوئی ہے وہ یقیناً میرے گناہوں کی سیاہی سے بہت کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کا یہی اسلوب اور طریقہ ہے کہ وہ نیکی کے ایک قطرہ سے گناہوں کی اتنی سیاہی دھو ڈالتا ہے جس کو دھونے کے لیے سمندروں کا تمام پانی بھی نادانی ہوتا ہے، (اردو شرح مسلم مسلم ۹۹۲ ج ۳) ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ معاصر صرف نفسِ مسئلہ کفو پر ایمانداری سے بحث کرتا تو ممکن تھا کہ اس کے اغلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے آخرت کا توشہ بنا دیتا لیکن یہ عمداً کفو سادات کو زیر بحث لے آیا جن کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ کفو سادات کا مسئلہ اگرچہ اولاً ایک فقہی جزئیہ معلوم ہوتا ہے لیکن آخر کار یہ ایک عقیدہ کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ فتویٰ دینا کہ ایک عجمی مرد کے لیے جائز ہے وہ سید زادی سے نکاح کرے، اس فتویٰ سے فتویٰ دینے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی بے ادبی اور توہین کرنا یہ اس بے ادبی اور توہین کرنا یہ اس بے ادبی اور توہین سے زیادہ سنگین جرم ہے جو شیطان سے سرزد ہوئی تھی۔ ایسی تحقیق میں صفحات پر جو سیاہی خراب ہوتی ہے ایسی سیاہی ہرگز گناہوں کو نہیں دھوتی بلکہ ایسی سیاہی یقیناً معاصر کے دل اور قلب کو زیادہ سیاہ بنا دے گی بلکہ اس گستاخی اور بے ادبی کی معافی کے لیے اتنی نیکیاں ہوں جو کہ سمندر کے پانی کے قطرات کے مساوی ہوں تو پھر بھی یہ گستاخی اور بے ادبی معاف نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے تمام نیکیاں اکارت چلی جاتی ہیں۔ اس پر تشریح شاہد ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

نکاح میں کفو کا اعتبار اور اسکی شرعی علت

شریعت اسلامیہ نے نکاح میں کفو اور نسب کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ نکاح کا مقصد صحیح معنوں میں اس وقت مکمل ہوتا ہے جب مرد اور اس کی بیوی باہمی خاندان میں برابر ہوں۔ اگر مرد خاندانی لحاظ سے عورت کے برابر نہیں ہے تو عورت ایسے مرد کو حقوقِ زوجیت پیش کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوگی۔ امام شمس اللامہ رخصی المتوفی ۱۰۵۰ھ لکھتے ہیں وفي اصل الملك على المرأة نوع ذلة واليه اشار رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال النكاح رق فلينظر احدكم اين يضع كريمته واذ لال النفس حرام قال صلى الله عليه وسلم ليس لمرء ان يذل نفسه وانما جو نرها جو زمنه لاجل الضرورة وفي استفراش من لا يكافئها زيادة الذل ولا ضرورة في هذه الزيادة فليند اعتبار الكفاية۔ (مبسوط ص ۲۲ ج ۳) علامہ برہان الدین ابوبکر مرغینانی المتوفی ۷۵۳ھ

لکھتے ہیں الکفارة في النكاح معتبرة قال عليه السلام الا يزوج النساء الا الاولياء ولا يزوجن الا من الاكفان  
ولان انتظام المصالح بين المتكافئين عادة لان الشريفة تأتي ان تكون مستفرشه للخسيس فلا بد من  
اعتبارها بخلاف جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش (ہدایہ ص ۲۹۹ ج ۲) چونکہ نکاح میں مرد  
عورت کا ایک لحاظ سے مالک ہو جاتا ہے اور عورت اس کی مملوک ہوتی ہے اور مملوک ہونے میں عورت کی ذلت ہے، اسی  
لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح عورت کے لیے ایک غلامی ہے۔ جب تم اپنی بیٹی کسی کو دو تو دیکھ لو تم کہاں دے  
رہے ہو۔ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ نکاح صرف ضرورت کے لیے جائز ہوا ہے اور ضرورت  
کفو میں پوری ہو جاتی ہے اور غیر کفو میں نکاح کر دینے سے زیادہ ذلت ہوگی اور زیادہ ذلت برداشت کرنے کی ضرورت  
نہیں ہے۔ لہذا کفو کا اعتبار کیا گیا ہے، پھر غیر کفو میں نکاح کے مقاصد بھی پورے نہیں ہوتے کیونکہ شریف خاندان کی عورت  
کسی خسیس آدمی کے لیے حقوق زوجیت پیش کرنے سے انکار کرتی ہے کیونکہ اس میں دو گنا ذلت ہے، اس سے ظاہر ہوا  
کہ کفو میں نکاح کرنے کی علت شرعی یہ ہے کہ انسان ذلت سے محفوظ رہے اور غیر کفو میں اس لیے ناجائز ہے کہ غیر کفو  
میں تذلیل اور توہین ہے۔ اب غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کی علت شرعی انسان کی تذلیل و توہین ہوتی فسادِ زمانہ اس  
کی علت نہیں، بلکہ فسادِ زمانہ عدم فسخ نکاح کے لیے ایک قسم کا سبب بن رہا ہے کیونکہ جب غیر کفو میں کسی وجہ سے نکاح  
ہو جائے گا تو اس کے فسخ کے لیے مزید ذلت برداشت کرنے پڑے گی۔ ولی کبھی حکام کے دروازوں پر جائے گا، کبھی عدالتوں  
کے چکر کاٹے گا چونکہ فسادِ زمانہ عدم فسخ نکاح کے لیے سبب بن رہا تھا لہذا فقہاء نے کہا کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے مختار  
اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ دراصل غیر کفو میں نکاح منع نہ ہونے کی وجہ ذلت اور توہین ہے کیونکہ  
علت حقیقت میں وہ ہوگی جس کو فقہاء نے حدیث پاک سے مستنبط کر کے بطور علت ذکر کیا ہو اور جس کو فقہاء نے ذکر کیا ہے  
وہ تذلیل اور توہین ہے۔

یہ علت ذکر کرنے والوں میں سے امام شمس الائمہ خرخی اور صاحب ہدایہ بھی ہیں اور شمس الائمہ کا تعلق فقہاء کے  
تیسرے طبقے سے ہے اور صاحب ہدایہ کا تعلق اصحاب تریح سے ہے، علامہ ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں کہ  
فقہاء کے سات طبقے ہیں۔

۱۔ طبقہ مجتہد فی الشروع: یہ طبقہ اپنے اپنے مقرر کردہ قواعد و قوانین پر اولہ اربعہ کے ساتھ احکام مستنبط کرتے  
ہیں۔ اصول و شروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ  
امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ۔

۲۔ طبقہ مجتہد فی المذہب : اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے اماموں کے وضع کردہ قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں، اصول میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، حسن بن زیاد المتوفی ۱۵۸ھ، امام زفر المتوفی ۱۵۸ھ۔

۳۔ طبقہ مجتہد فی المسائل : اس طبقہ کے فقہاء کا منصب یہ ہے کہ جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو ان مسائل کو صاحب مذہب کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کے مطابق مستنبط کرتے ہیں جیسے امام خصاف المتوفی ۲۶۱ھ، ابو جعفر طحاوی ۳۲۱ھ، ابوالحسن کرخ المتوفی ۳۴۳ھ، شمس اللایمہ حلوانی المتوفی ۴۴۸ھ، شمس اللامہ حسنی، فخر الاسلام بزوی المتوفی ۴۸۳ھ، فخر الدین قاضی خان المتوفی ۵۹۳ھ،

۴۔ اصحاب تنہر بحج : اس طبقہ کے فقہاء کو فردی و اصول میں کمال حاصل ہوتا ہے مگر اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا کام صرف بحمل قول کی تفصیل اور قول مبہم کی تعیین کرنی ہوتی ہے۔ جیسے کہ ابو بکر رازی وغیرہ۔

۵۔ اصحاب ترجیح : یہ لوگ صاحب مذہب سے جو مختلف روایات ہوں ان میں سے کون افضل ہے، اور کون مفضول ہے اور لوگوں کے حالات کے مناسب کون سی روایت ہے، اس کو بتاتے ہیں جیسے ابوالحسن قدوری المتوفی ۴۴۸ھ، علی بن ابی بکر المتوفی ۵۹۳ھ،

۶۔ یہ وہ فقہاء ہیں جو کہ ظاہر مذہب، ظاہر روایت اور نادر روایت، قوی اور ضعیف میں فرق کہتے ہیں جیسے حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی المتوفی ۶۱۵ھ، تاج الشریعہ محمود مجوبی المتوفی ۶۵۳ھ، عبداللہ موصلی المتوفی ۶۸۳ھ، ابن ساعاتی المتوفی ۶۹۴ھ، شمس اللامہ کردی المتوفی ۶۴۲ھ، جمال الدین حصیری المتوفی ۶۳۶ھ،

۷۔ اس طبقہ میں وہ مقلد ہیں جو روایات کے درمیان تمیز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، جب شمس اللامہ حسنی کی شخصیت مسائل میں مجتہدانہ ہے اور صاحب ہدایہ اصحاب ترجیح سے ہیں تو جو انہوں نے غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کی علت توہین اور تذلیل نکالی ہے وہی معتبر ہوگی۔ عربی عورت کا کفو عجمی مرد نہیں ہوگا کیونکہ عرب اس میں اپنی تذلیل سمجھتے ہیں کیونکہ عرب اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں و انما یتفاخرون بالنسب (بحر الرائق ص ۱۴ ج ۳) جب عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا تو علویہ اور سیّدہ خاتون کا بطریق اولیٰ کفو نہیں ہوگا۔

**نسب کی اہمیت** | قرآن پاک میں ہے و الذین امنوا و اتبعتم ذریعتهم بایمان الحقنا بہم ذریعتہم

لے ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص المتوفی ۶۴۸ھ امام کرخ کے شاگرد ہیں۔

والتناهم من عملهم من شيء، ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی یعنی جنت میں اگرچہ باپ دارا کے درجے بلند ہوئے تو بھی ان کی خوشی کے لیے ان کی اولاد ان کے ساتھ ملا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمائے گا اور انہیں ان کے اعمال کا پورا ثواب دے گا اور اولاد کے درجے اپنے فضل و کرم سے بلند کرے گا۔ ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ، ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ، ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ، امام حاکم، امام ہیثمی المتوفی ۳۵۸ھ، امام بزار المتوفی ۲۹۲ھ، امام طبرانی المتوفی ۳۲۰ھ، ابن مردودہ المتوفی ۴۱۱ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں قال ان الله تعالى ليرفع ذريته معه في درجته في الجنة وان كان دونه في العمل لتقربهم عينه ثم قرأ الآية (تفسير روح المعاني ص ۳۲، تفسير مدارك ص ۲۲۶، تفسير روح البیان ص ۱۹۲، ج ۹، تفسير الجامع لاحكام القرآن ص ۶۶)، یعنی اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کا درجہ مومن کے ساتھ جنت میں بلند فرمائے گا اگرچہ اولاد کے عمل کم ہی ہوں گے تاکہ مومن کو خوشی ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مومن کی مومن اولاد کو جنت میں اس لیے ایک مقام میں رکھا جائے گا کہ وہ ایک مومن کی اولاد ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نسب کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی مومن اولاد پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ اولاد کو بھی وہی مقام عطا فرمایا ہے جو کہ ان کے باپ کا ہے۔ یہ مقام اولاد کے اعمال صالحہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مقام اولاد کو صرف ان کے آباؤ اجداد کے ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملا ہے۔ جب یہ حکم عام مومنوں کا ہے کہ قیامت کے دن ان کی اولاد ان کے ساتھ ملا دی جائے گی اور جو باپ کا مقام ہوگا وہی مومن اولاد کا بھی ہوگا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ امام حاکم فرماتے ہیں فاذا كان هذا في ذرية مطلق المؤمنين فبذرية رسول الله صلى الله عليه وسلم اولي واحمد رينايح المودة ص ۱۰۹، اگر مومن لوگوں کے نسب کی اللہ تعالیٰ نے رعایت رکھی ہے تو جن کی وجہ سے مومنوں کو ایمان ملا ہے ان کے نسب کی بطریق کمال رعایت رکھی جائے گی۔ اس آیت کریمہ سے نسب کی اہمیت واضح ہے اور قرآن پاک میں ہے وهو الذي خلق من الماء بشراً فجعله نسبا وصهراً، ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کیے، علامہ قرطبی المتوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں کہ نسب بیٹے کی جہت سے ہے اور صھز بیٹی کی جہت سے ہے۔ اس آیت کریمہ میں نسب کا تذکرہ بطور نعمت و احسان ہوا ہے جس سے نسب کی اہمیت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نسب کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ان الله اصطفى من ولد آدم ابراهيم واتخذ

خلیل و اصطفیٰ من ولد ابراهیم اسماعیل ثم اصطفیٰ من ولد اسماعیل نزار ثم اصطفیٰ من ولد نزار مضر ثم اصطفیٰ من مضر کنانہ ثم اصطفیٰ من کنانہ قریشاً ثم اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم ثم اصطفیٰ من بنی ہاشم بنی عبد المطلب ثم اصطفیٰ من عبد المطلب (ذخائر العقبیٰ ص ۱۲، ینایح المودۃ ص ۱۳، مستدرک ص ۳۷، تبیین الحقائق ص ۱۳۹ ج ۲) اور بے شک اللہ نے اولاد آدم سے ابراہیم کو پسند کیا اور ان کو اپنا خلیل بنایا اور پھر اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو اور اولاد اسماعیل سے نزار کو اور اولاد نزار سے مضر کو اور مضر سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے بنی عبد المطلب کو پھر بنی عبد المطلب سے محمد کو پسند کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نسب بیان کرنا اس پر واضح دلیل ہے کہ اسلام میں نسب کی بھی حقیقت اور اہمیت ہے

سوال ۱ قرآن پاک میں ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے لا فضل لعربی علی عجمی کہ عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ نسب کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگ مساوی ہیں اور اس کے ہاں تو وہی بہتر ہے جو زیادہ متقی ہے

جواب ۱ سائل کا یہ کہنا کہ نسب کی کوئی اہمیت نہیں یہ غلط ہے کیونکہ قرآن پاک میں صریح نص موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نسب بنایا اور اللہ تعالیٰ کا نسب بنانا ہی نسب کی حیثیت کو واضح کرتا ہے البتہ سائل نے جو آیت اور حدیث پیش کی ہے ان کا تعلق آخرت سے ہے۔ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں والمراد من الآثار اللتی رواھا فی احکام الآخرة وبہ نقول ان التفاضل فی الآخرة بالتقویٰ (مبسوط ص ۲۳ ج ۳) کہ تقویٰ کی فضیلت جو ہے اس کا تعلق آخرت سے ہے۔ علاوہ ازیں اسلام یہ بھی نہیں چاہتا کہ ایک انسان خود تو انسانی صفات سے بھی محروم ہو اور اعمال شرعیہ سے یکسر خالی ہو اور یہ اپنے آباء و اجداد کے نام پر فخر کرتا رہے ایسے نسبی فخر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی منع کیا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر اوصاف انسانیہ اور عجز و انکسار پیدا کرے۔ اگر کسی موقع پر فخر نسبی کا اظہار کرنا پڑے تو ممانعت شرعی بھی نہیں ہے بشرطیکہ اسلام میں نسب کی حیثیت بھی ہے اور تمام نسبوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اعلیٰ و برتر ہے۔ اور اسلام میں اگر عام مومنوں کے نسب کی رعایت کی گئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی رعایت بطریق اتم ہوگی۔

## حضور کے نسب کی فضیلت

قرآن پاک میں ہے وهو الذی خلق من الماء بشراً فجعله  
نسباً وصہراً، علامہ قرطبی ابن سیرین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ آیت

کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں یعنی نسب و صہرہ حاصل ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں  
”ابن سیرین گفت این آیت در مصطفیٰ علیہ السلام و علی کرم اللہ وجہہ فرود آمد کہ مصطفیٰ و ختر خویشتن را بزنی بعلی  
واد علی پسرش عم بود و شوہر دخترش ہم نسب بود ہم صہرہ

قال فی انسان العیون کان فی السنة الثانیہ من الهجرة تزویج فاطمة لعلی رضی اللہ عنہما  
عقد علیہا فی رمضان و کان عمرہا خمس عشرة سنة و کان سن علی یومئذ احدی و عشرين  
سنة و خمسة اشهر، (تفسیر روح البیان ص ۲۳ ج ۴) حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ  
عنہ کے ساتھ ۲۲ ماہ رمضان میں ہوا تھا اور اس وقت خاتون جنت کی عمر پندرہ سال تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ  
کی عمر اس وقت اکیس سال اور پانچ ماہ تھی۔

یہ آیت کریمہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہی نازل ہوئی ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کے نسب اطہر کی فضیلت ظاہر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد کا بھی ایک ایسا نسب  
ہے جو دائمی ہے۔ قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے نسب ختم ہو جائیں گے ان کو صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہی مفید  
ہوگی، ان کا اپنا ذاتی نسب کوئی فائدہ نہ دے گا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو حضور کا نسب فائدہ دینگا۔  
حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۴ھ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے  
سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ینقطع یوم القیامة کل سبب و نسب الا سببی و سبی  
(علیہ الاولیاء ص ۳۱۴ ج ۷، مستدرک ص ۱۵۸ ج ۳، مجمع الزوائد ص ۱۶۳ ج ۹، فیض القدر ص ۲ ج ۵، ذیل اللیالی  
للسیوطی ص ۶۲، مسند احمد بن حنبل ص ۳۲۳ ج ۴، ذخائر العقبی ص ۳۸، کنز العمال ص ۹۸ ج ۱، تاریخ بغداد ص ۱۸۲ ج ۶،  
سنن بیہقی ص ۶۴ ج ۷، کفایۃ الطالب ص ۳۸، جامع صغیر ص ۲۳۶، تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۸ ج ۳، صواعق محرقة ص ۱۸۶،  
ینابیح المروہ ص ۲۶۷)

۱۷ ابن سیرین المتوفی ۱۱۳۷ھ

اس حدیث پاک کو بے شمار محدثین روایت کر رہے ہیں، اس کی صحت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ اس لیے علامہ سید محمود آلوسی المتوفی ۱۲۷۶ھ لکھتے ہیں، وهو خبر مقبول لا یکاد یردہ الا من فی قلبہ شائبۃ نصب (تفسیر روح المعانی ص ۶۵ ج ۹) کہ یہ حدیث مقبول ہے۔ اس میں وہی شک کر بیجا جس کے دل میں خارجیت اور ناصبیت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کا ایک لڑکا فوت ہو گیا وہ رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھوپھی آپ روتی ہیں، جس کا حالتِ اسلام میں بچہ فوت ہو جائے اسے جنت میں گھر ملے گا۔ جب حضرت صفیہ آپ کے پاس لوٹیں تو ایک شخص ملا کہنے لگا، ان قرابۃ محمد لن تغنی عنک من اللہ شیئاً، بے شک محمد کی قرابت سے اللہ کے ہاں آپ کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ تو حضرت صفیہ رونے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سنی تو آپ گھبرا کر باہر تشریف لائے اور حضور ان کی تعظیم فرمایا کرتے تھے اور ان سے محبت کیا کرتے تھے۔ فرمانے لگے ”پھوپھی“ آپ رو رہی ہیں جبکہ میں نے آپ سے جو کچھ کہا وہ یاد نہیں رہا۔ حضرت صفیہ بولیں میں اس وجہ سے نہیں روئی بلکہ میں تو اس شخص کی بات سے روئی ہوں جب اس کی بات بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہو گئے اور فرمایا اے بلال نماز کا اعلان کر دے، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع ان کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کہتے ہیں میری قرابت فائدہ نہ دے گی۔ سنو! میرا نسب و رحم دنیا و آخرت میں موصول ہے گا اور یہ منقطع اور ختم نہیں ہوگا (ذخائر العقبیٰ ص ۱) اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب دائمی اور تمام سے افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے لیے یہ دین و دنیا اور آخرت میں مفید ہے۔

حضور کی اولاد یعنی سادات کو جو فضیلت حاصل ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے کہ سادات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

## شرفِ انساب

کی اولاد ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام حاکم المتوفی ۵۴۱ھ اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”فاطمہ میرا جزو بدن ہے۔ اس کی رضامندی میں میری رضامندی ہے، اور اس کی ناراضگی میں میری ناراضگی ہے۔ اور بیشک تمام نسب ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسب باقی رہے گا۔ (صواعق محرقة ص ۲۸۵، مدارج النبوت ص ۵۴۶، مشکوٰۃ ص ۲۵۴) قد ثبت ہذا الحکم لفاطمۃ ثم ہولذہ یتھامن بعدھا

الی یوم القیامۃ، بے شک جزا رسول ہونے کا حکم اور جزا کی ایذا و خوشی خود حضور کی ایذا، رنج و راحت، ہونے کا حکم فاطمہ بنت رسول کے حق میں ثابت ہوا، اور پھر ان کے بعد وہی حکم جزیت اور رنج و راحت کا ساری اولاد فاطمہ (سادات) کے لیے بھی ثابت ہے۔ تاریخ قیامت بالکلیہ کوئی فرق نہیں ہے (غایۃ تلخیص المراد ص ۲۹۶) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ اصول ثابت ہوا کہ ہر اس فرد کی ایذا حرام ہے جس کی ایذا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور تکلیف ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا بالاتفاق حرام ہے۔ اگرچہ ایذا کا باعث امر مباح اور مشروع ہی کیوں نہ ہوں۔

امام شرف الدین ابو ذکریا نووی المتوفی ۶۷۲ھ فرماتے ہیں اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایذا رسول حرام ہے۔ بکل حال و بکل وجہ اگرچہ امر مباح سے ہو (نووی شرح مسلم ص ۲۹ ج ۲) شمس الائمہ شرحی فرماتے ہیں جو حکم اصل کا ہے وہی فرع کا ہے۔

علی ابن ابی بکر فرماتے ہیں فرماتے ہیں وجزء المرء فی معنی نفسہ کہ آدمی کا جزا اس کے ذات کے حکم میں ہے۔ جب اصل کا حکم فرع کا ہے اور آدمی کا جزا اس کی ذات کے حکم میں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم میں ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت فرض ہے اسی طرح حضور کی اولاد کی عزت فرض ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین منع ہے اسی طرح حضور کی اولاد کی توہین منع ہے۔ پہلے تلخیص المراد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ اس حکم میں حضور کی تمام اولاد روز قیامت تک داخل ہے کیونکہ ذات کی جزا ذات کے حکم میں ہے۔ قرآن پاک میں ہے، وجعلوا له من عبادہ جزءاً، اور اس کے لیے اس کے بندوں میں سے اس کا جزء ٹھہرایا یعنی مشرکین مکہ نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اور اولاد صاحب اولاد کی جزا ہوا کرتی ہے اور اس کے حکم میں ہوتی ہے۔ کفار مکہ نے ان کو بھی اللہ اور معبود سمجھا کہ اللہ کا بیٹا اور بیٹی بھی الہ ہی ہے۔ جب اولاد صاحب اولاد کی جزا ہوتی ہے اور اس کے حکم میں ہوتی ہے تو اولاد کی توہین صاحب اولاد کی توہین ہوگی جب سادات حضور کی اولاد ہیں تو ان کی عزت حضور کی عزت ہے اور ان کی توہین اور بے ادبی حضور کی توہین اور بے ادبی ہوگی جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔

ابن حجر کی المتوفی ۹۷۴ھ نے ابوالشیخ عبداللہ بن محمد المتوفی ۳۹۹ھ، اور امام ولیمی المتوفی ۵۰۹ھ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری اولاد کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ منافق ہے۔ (صواعق حرقہ ص ۲۹۳)



حضرت علی الخواص فرماتے ہیں کہ سادات کو رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ انساب ہے اور حسین کریمین کا خون ان کی رگ و پے میں ہے، وہ آپ کے جگر گوشہ ہیں اور احترام و تعظیم کا حکم جز کے لیے کل کی مانند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جبکہ اطہر کے جز کا احترام بالکل اس طرح ہے جس طرح دنیاوی حیات مبارکہ میں اس جز کا احترام تھا۔ ثابت ہوا کہ سادات کو جو فضیلت عطا ہوئی ہے وہ حضور کی طرف منسوب اور اولاد ہونے کی وجہ سے ہے۔

**سادات کا نسب رسول کی طرف منسوب ہے** | سید کے لغوی معنی متعدد ہیں، زیادہ تر رئیس اور معزز آدمی پر بولا جاتا ہے لیکن

عرف اور اصطلاح میں سید بمعنی نسبی صرف اولاد رسول پر بولا جاتا ہے۔ مصباح اللغات میں ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک سید وہ لوگ ہیں جو خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی اولاد اور نسل سے ہوں، اور السیدان، امام امام حسن اور امام حسین کو کہتے ہیں (مصباح اللغات ص ۲۰۵) اور محیط المحیط ص ۴۳۹ میں ہے السید من المسلمین من کان من سلاسة الرسول والسیدان الحسن والحسین ابنا علی، مسلمانوں سے سید وہ ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں اور سیدان حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو کہا جاتا ہے، جو کہ حضرت علی کے بیٹے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہیں وہ سید ہیں دوسرے لوگ سید نہیں۔ قرآن اور حدیث میں اگرچہ بعض دوسرے لوگوں پر سید کا لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن وہ بمعنی لغوی یعنی معزز کے استعمال ہوا ہے۔ عرف اور نسب کے لحاظ سے سید کا اطلاق صرف خاتونِ جنت کی اولاد پر ہی ہوگا اور کسی پر نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لیے اور حضرت علی، حضرت خاتونِ جنت اور حسین کریمین کے لیے لفظ سید بطور لقب انتخاب فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اناسید ولد آدم یوم القیامة (صحیح مسلم کتاب الفضائل) کہ قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ اس کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے (سنن ترمذی ص ۱۹۵ ج ۲)

امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اناسید ولد آدم و علی سید العرب (مستدرک ص ۱۲۴ ج ۲، کنز العمال ص ۱۵۴ ج ۲، حلیۃ الاولیاء ص ۶۳ ج ۱، ریاض النفرة ص ۱۴۴ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۸۹ ج ۱۱، مجمع الزوائد ص ۱۳ ج ۹، صواعق محرقة ص ۶۳)

امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ الزہرا علیہا السلام کو فرمایا، اما ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اهل الجنة او نسلوا العالمین، فاطمہ الزہرا کیا تو یہ پسند نہیں کرتی کہ جنت میں عورتوں کی سردار ہو یا یہ فرمایا کہ تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہو (بخاری بدأ الخلق) مسند احمد بن حنبل ۲۸۲ ج ۴، طبقات ابن سعد ۴ ج ۲، اسد الغابہ ۵۲۲ ج ۵، خصائص للنسائی ۳۲، علیۃ الاولیاء ص ۲۹ ج ۲، مشکل الآثار ص ۳۹ ج ۱، سنن ترمذی ص ۳۰۶، مستدرک ص ۱۵ ج ۳، کنز العمال ص ۲۱۷ ج ۴، صحیح ابن حبان ص ۲۱۸، ابن عساکر ص ۱۰ ج ۴، ابن جریر ص ۱۱، ذخائر العقبی ص ۳۳)

امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل جنت کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب افضل ہیں تو پھر آپ ہی جنت کی عورتوں کی سردار ہیں (مستدرک ص ۴۹ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۲۹۳ ج ۱، استیعاب ص ۴۲ ج ۲، اسد الغابہ ص ۵ ج ۵، ذخائر العقبی ص ۴۲، اصابہ ابن حجر ص ۱۵۸ ج ۸، مجمع الزوائد ص ۲۲۳ ج ۹، مشکل الآثار ص ۵ ج ۱، فتح الباری ص ۲۵۱، فیض القدیر ص ۴۳۲ ج ۳، تفسیر ابن جریر ص ۱۸ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۴۲۱ ج ۱۲)

امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ ابوسعید خدری المتوفی ۳۷ھ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة (صحیح ترمذی ص ۳۲ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۶۲، ص ۸۲ و ص ۳ ج ۳، علیۃ الاولیاء ص ۵ ج ۵، تاریخ بغداد ص ۲۳ ج ۹، خصائص للنسائی ص ۳۶، اسد الغابہ ص ۵۴۲ ج ۵، کنز العمال ص ۲۱۷ ج ۴، صحیح ابن حبان ص ۲۱۸، ابن عساکر ص ۱۰ ج ۴، مستدرک ص ۱۶ ج ۳، اصابہ ابن حجر ص ۲۲۶ ج ۱، مجمع الزوائد ص ۱۸۲ ج ۹، کنوز الحقائق ص ۸۱، ذخائر العقبی ص ۱۲۹)

جب سیدہ کالقب حضرت فاطمہ الزہرا کے لیے اور سیدہ کالقب حضرات حسین کریمین کے لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے تو اب یہ لقب (سیدہ) ان پر اور ان کی اولاد پر ہی بولا جائے گا۔ ثابت ہوا کہ سیدہ کا خصوصی شرف نسب کے لحاظ سے صرف جناب فاطمہ اور حسین کریمین کی اولاد کے لیے ہے۔ چونکہ حضرت خاتون جنت

لہ حافظ ابن جریر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے لیے شرف سیادت نص سے ثابت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ افضلیت فاطمہ پر اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے۔ فتح الباری ص ۱۲۰ ج ۴ (مفتی غلام رسول)

اور حسنین کریمین کے لیے سیادت کا شرف خاص طور پر ثابت ہے اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد شمار ہوتی ہے، جیسے کہ حضرات حسنین کو ابن رسول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور قرآن مجید سے آیت مباہلہ کے ضمن میں ابناؤنا سے مراد حسنین کریمین ہی ہیں کیونکہ جب یہ آیت کریمہ اتری، فقالوا ندع ابننا ونا وبناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم، ترجمہ: آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ الزہراء، اور حسن و حسنین کو بلا کر فرمایا، اللهم هؤلاء اهل بيتي (سنن ترمذی ص ۱۶۶ ج ۲، صحیح مسلم ص ۱۲۰، سنن بیہقی ص ۶۳ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۱۸۵ ج ۱، معرفۃ علوم الحدیث ص ۵، تفسیر ابن جریر ص ۲۱۳ ج ۳، اصابہ ص ۵ ج ۲، اسباب النزول ص ۵، دلائل النبوت ص ۲۹، صواعق محرقة ص ۹۳، تفسیر ابن کثیر ص ۳، ج ۱، لباب النقول للسيوطی ص ۵، وفتاویٰ رضویہ ص ۲۸ ج ۴) اس سے ظاہر ہے کہ آیت مباہلہ کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالخصوص حضرت علی اور خاتون جنت اور حسنین کریمین کو بلا کر یہ فرمانا کہ یہی میرے اہل بیت ہیں، اس بات پر واضح دلیل ہے کہ خاتون جنت کی اولاد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہے۔

امام فخر الدین رازی المتوفی ۷۰۶ھ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کے واقعہ میں حضرت امام حسن اور امام حسینؑ کو ساتھ لے کر یہ ثابت فرمادیا تھا کہ حسنین کریمین میری اولاد اور میرے بیٹے ہیں۔ اور حدیث پاک میں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو سید کے لقب سے نوازا گیا ہے، آگے ان حضرات کی اولاد اہل ہمار کو سید کہنا ہائیں معنی کہ یہ بھی اولاد رسول سمجھے جائیں اور ان کا امتیاز ظاہر ہو زیادہ مناسب ہے کیونکہ سادات کی اولاد سادات ہی ہوگی اور ان پر یہ سید کا اطلاق نسب کی شرافت کی وجہ سے ہوگا۔ جب نسب کی شرافت کے پیش نظر ان پر اطلاق ہوگا تو پھر ان کے ساتھ ہی خاص ہوگا۔ اور جو حسنین کریمین کی اولاد سے نہیں ہوگا اس پر سید کا اطلاق نہ ہوگا۔ اسی لیے علامہ سیوطی "سلاسل زینبیہ" میں لکھتے ہیں کہ سید کا اطلاق ان لوگوں پر ہوگا جو کہ حسنین کریمین کی اولاد سے ہوں (اصناف الراغبین ص ۱۱۲)

ہماری اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ مباہلہ میں حضرت امام حسن اور امام حسین کو ساتھ لے کر یہ ثابت فرمادیا تھا کہ حسنین کریمین میری اولاد ہیں۔ اور پھر ان کو فرمایا یہ سید ہیں اور آگے ان کی جو اولاد ہوگی وہ بھی سید ہوگی کیونکہ سید کی اولاد سید ہی ہوتی ہے جبکہ سید کا لفظ اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت نسب بن چکا ہے۔

**سوال :** سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیسے منسوب ہو سکتا ہے حالانکہ سادات تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہیں۔ نسب نانا کی طرف نہیں، دادا کی طرف چلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سادات کے نانا ہیں دادا نہیں، تو پھر سادات آل رسول کیسے ہوئے؟

**جواب :** اس سوال کا جواب پہلے بھی آئمہ اہل بیت اطہار دیتے آئے ہیں۔ دیکھئے جب یہی سوال امام موسیٰ کاظم علیہ السلام المتوفی ۱۸۳ھ سے خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے کیا تھا کہ تم کس وجہ سے کہتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں، تم تو عسلی کی اولاد ہو۔ تو امام موسیٰ کاظم نے جواب دیتے ہوئے بطور دلیل ورج ذیل آیت کو پیش کیا کہ قرآن پاک میں ہے، ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وكذلك نجزي المحسنين و ذکر یا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس ، و لا لعیسیٰ اب وانما الحق بذریعۃ الانبیاء من قبل امہ كذلك الحقنا بذریعۃ النبی من قبل امنا فاطمة (نور الابصار ص ۱۳۴) اور اس کی اولاد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو ہدایت عطا کی اور ہم نیکو کار بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کو بھی، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہیں ہیں، اس لیے جس طرح ان کے نسب کو ان کی والدہ ماجدہ جناب مریم علیہا السلام کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اسی طرح ہمارا نسب ہماری والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ الزہرا کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے۔ لہذا حضرات حسن اور حسین اگرچہ خاتونِ جنت کے بیٹے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بیٹے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کل بنی آدم ینتمون الی عصبۃم الا ولد فاطمة فانی انا ابوہم وانا عصبۃم (مستدرک ص ۱۶۳ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۲۸۵ ج ۱۱) ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۱، مجمع الزوائد ص ۱۶۲، ج ۹، کنز العمال ص ۲۱۶ ج ۶) تمام بنی آدم اپنے عصبہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں مگر اولادِ فاطمہ کے میں ان کا باپ اور ان کا عصبہ ہوں۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ جب حسنین کرمین کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ اور عصبہ ہیں تو حسنین کرمین حضور صلی اللہ کے بیٹے ہوئے اور امام حسن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا، الحسن ہ ابنی ہذا سید، کہ میرا بیٹا حسن سید ہے (صحیح بخاری کتاب الفتن، البوداؤد ص ۱۶۴، نسائی ص ۲۰۸ ج ۱، ترمذی ص ۳۰۶ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۴۳ ج ۵، البوداؤد طیالسی ص ۱۱۸ ج ۳، حلیۃ الاولیاء ص ۲۵ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۲۱۵ ج ۳، کنز العمال ص ۲۲۲ ج ۶، ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۵، مستدرک ص ۱۶۹ ج ۲، مجمع الزوائد

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ، الحسین بن علی علیہما السلام من ذریئۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ (مستدرک ۱۶ ج ۲، سنن ہیثمی ۱۶ ج ۱۶) جب حسنین کریمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہوئے تو آگے حسنین کی اولاد قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہوئی اسی لیے تو فرمایا کہ میرا نسب منقطع نہیں ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن جب لوگوں کے نسب ختم ہو جائیں گے اس وقت میرا نسب میری اولاد کو فائدہ دیگا۔ اور اس حدیث کا یہ مفہوم بھی ہے کہ میرا نسب قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں قرب قیامت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے تشریف لانے کا ذکر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام مہدی علیہ السلام کے متعلق یہ فرمانا کہ وہ اہل بیت رسول اور حضرت فاطمہ الزہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ ملاحظہ کیجئے امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، عن ام سلمة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المهدى من عترتي من ولد فاطمة، ابوداؤد ص ۱۳، ابن ماجہ ابواب الفتن، حلیۃ الاولیاء ص ۱۴ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص ۸۳ ج ۱، ذخائر العقبی ص ۱۶، مستدرک ص ۵۵ ج ۳، اسد الغابہ ص ۲۵۹ ج ۱، استیعاب ص ۸۵ ج ۱، اصابہ ص ۳ ج ۴، کنز العمال ص ۱۸۶ ج ۴، مجمع الزوائد ص ۲۱۶ ج ۴، صواعق محرقة ص ۹۱، میزان الاعتدال ص ۲۴ ج ۱۲، در منثور سورۃ محمد پ ۲۶، کنوز الحقائق للمنادی ص ۱۵۲) کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ مہدی میری عترت اولاد فاطمہ سے ہوگا، گویا کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے یہ خبر دی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام میرے اہل بیت اور اولاد فاطمہ الزہرا علیہا السلام سے ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی خبر دی ہے کہ میری نسل قیامت تک ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ سادات کو جو شرف سیادت حاصل ہوا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوا ہے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ حضرت علی سید ہیں، جب حضرت علی سید ہوئے تو اگر باپ سید ہو تو اس کی اولاد سید ہوتی ہے۔ لہذا حضرات حسنین کریمین کے علاوہ حضرت علی کے دوسرے بیٹوں کی اولاد بھی سید ہوگی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذریت حضرت علی کے صلب میں رکھی گئی ہے۔ جب حضور کی ذریت حضرت علی کے صلب میں ہوئی تو پھر جیسے حضرت حسن اور حسین کی اولاد سید ہے اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد بھی سید ہوگی۔

جواب: ہمارے موضوع کا تعلق جہاں تک ہے وہ ہے سادات کرام کا نسب۔ اور ہم لکھ چکے ہیں کہ سادات کرام

صرف اور صرف حضرت خاتونِ جنت اور امام حسن اور امام حسین کی اولاد ہیں دیگر کوئی سید نہیں ہے۔ اور سادات کے نسب کے احکام دوسرے نسبوں سے جدا ہیں، وہ یہ کہ دوسرے لوگوں کے نسب باپ کی طرف منتسب ہوتے ہیں اور سادات کا نسب بواسطہ خاتونِ جنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارا نسب خاتونِ جنت کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت مریم کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ جب سادات کا نسب حضرت خاتونِ جنت کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوا تو یہ نسبت اس نسبت کی وجہ سے مخصوص ہوا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذریت علی کی صلب میں رکھی گئی ہے۔ چونکہ خاتونِ جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں لہذا فرمایا جو حضرت علی سے بواسطہ فاطمہ اولاد ہوگی وہ میری اولاد ہوگی اور میں ان کا عصبہ جدی ہوں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ سے ہوگی وہ حضور کی اولاد ہوگی اور حضرت علی کی دوسری بیویوں سے جو اولاد ہوگی وہ حضور کی اولاد نہ ہوگی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری اولاد حضور کی اولاد نہ ہوئی تو وہ دوسری اولاد سید بھی نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سید ہیں تو ان کی دوسری اولاد بھی سید ہونی چاہیے۔ تو اس کا جواب اب واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد سید ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ الزہرا کی نسبت سے حضور کی اولاد ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیادت اضافیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ بواسطہ خاتونِ جنت ہے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام کا انتساب خاتونِ جنت کی طرف نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سیادت اضافیہ کا تخصیص نہ فرماتے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذریت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صلب میں رکھی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نسب کے معاملہ میں حضرت علی کی سیادت مخصوصہ ہے، اس تخصیص کی وجہ یہ حدیث اور دیگر احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سادات کا نسب حضور کی طرف منسوب ہو رہا ہے حالانکہ دوسرے نسب اپنے باپوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور یہ نسب بواسطہ خاتونِ جنت حضور کی طرف منسوب ہے۔ لہذا جہاں یہ نسبت مرتفع ہوگی وہاں سیادت اضافیہ مؤثر نہ ہوگی۔ سیادت اضافیہ وہاں مؤثر ہوگی جہاں خاتونِ جنت کی نسبت ہوگی، دیکھئے جعفر بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب حضرت علی کے بھائی ہیں، ان کو جب سیادت اضافیہ حاصل نہیں ہوئی ان کی اولاد بھی سید نہیں ہوئی۔ نسبت سے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے جیسے کہ آئندہ تفصیل آرہی ہے۔ غرضیکہ سائن نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سید ہیں تو سید کی اولاد بھی سید ہوگی۔ یہ قاعدہ وہاں جاری ہے جو کہ سید نسبی ہو یعنی وہ سید جو حسن اور حسین علیہما السلام کی اولاد سے ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نسبی سید نہیں ہیں بلکہ سید بمعنی لغوی یا اس سے

برتر سید بمعنی اصفانی ہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سید نسبی نہ ہوئے تو آپ کی ہر اولاد سید بمعنی نسبی نہ ہوگی بلکہ حضرت علی کی وہ اولاد سید ہوگی جو کہ خاتونِ جنت علیہا السلام سے ہے۔ سوال میں جو حدیث مذکور ہے اس سے سائل کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو خاتونِ جنت سے ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، ان پر ہی احکام مخصوصہ جاری ہوتے ہیں اور وہی سید ہوں گے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی خاتونِ جنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ میری ذریت علی کی صلب میں رکھی گئی ہے، ظاہر ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرافت جو عطا کی گئی ہے وہ حضرت خاتونِ جنت کی وجہ سے ہے۔ لہذا سائل کا سوال بالکل مندرج ہوا۔

**سادات کے نسب کی خصوصیات** | اس سے مراد یہ ہے کہ جو خصوصیات اس نسب میں ہیں وہ کسی دوسرے نسب میں نہیں ہیں کیونکہ خصوصیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ اسی کے ساتھ مختص ہے۔

علامہ عبدالرحمن جامی المتوفی ۸۹۸ھ خاصہ کا معنی لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، خاصۃ الثیٰ ما یختص بہ ولا یوجد فی غیرہ (شرح جامی ص ۳۱) چیز کا خاصہ وہ ہے جو اس کے ساتھ مختص ہو اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے، اب جو سادات کے نسب کی خصوصیات ہوں گی وہ اسی کے ساتھ ہی مختص ہوں گی غیر میں نہیں پائی جائیں گی۔

**خصوصیت ۱:** سادات کے نسب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بھی ہیں۔ علامہ ابن المغازلی المتوفی ۵۲۲ھ مناقب علی بن ابی طالب میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے ان الله جعل ذریۃ کل نبی من صلبہ وان الله عن وجہ جعل ذریۃ محمد من صلب علی بن ابی طالب علیہ السلام (مناقب امام علی ص ۴۹، ینابیح المودۃ ص ۲۶۳، مجمع الزوائد ص ۲۶۲، صواعق محرقة ص ۷۳، جامع صغیر للسيوطی ص ۲۳، تاریخ بغداد ص ۳۱۶ ج ۱، ریاض النفرہ ص ۱۶۸ ج ۲، میزان الاعتدال ص ۱۱۶ ج ۲، لسان المیزان ص ۳۲۹ ج ۳، ذخائر العقبی ص ۶۸، شرح مواہب لدنیہ ص ۶ ج ۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت (اولاد) اس کی صلب (پشت) میں رکھی ہے اور میری ذریت علی کی صلب میں رکھی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۳ھ بھی آپ کے پاس تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور کھڑے ہوئے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، حضرت عباس نے دریافت کیا کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا ان کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کی صلب میں رکھی ہے اور میری ذریت علی کی پشت میں رکھی (رشفة الصادق ص ۱۱۱) سادات کے نسب میں یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے لوگوں کے نسب میں نہیں ہے۔

خصوصیت ۲: قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے نسب ختم ہو جائیں گے، قرآن پاک میں ہے، فاذا انفتح فی الصوم فلا انساب بینہم یومئذ تو جب صوم پھرنکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے جن پر دنیا میں فخر کرتے تھے اور آپس کے نسبی تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور قرابت کی محبتیں باقی نہ رہیں گی اور حال یہ ہوگا کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ اور بی بی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔ لیکن اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب باقی ہوگا اور یہ آپ کی اولاد کے لیے مفید بھی ہوگا۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں، لا ینفع نسب یومئذ الا نسبه (صلی اللہ علیہ وسلم) (تفسیر روح المعانی ص ۶۵، ج ۹) کہ قیامت کے دن کسی کا نسب فائدہ نہیں دیگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب فائدہ دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما المتوفی ۳۳ھ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام سے پہلے میں اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جب پہلے اہل قرابت کے لیے ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب اہل قرابت کے لیے مفید ہوا یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر حضور کے اہل قرابت کی محبت فرض کی گئی ہے، قرآن پاک میں ہے، قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربی، ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ جب مسلمان اہل قرابت کے ساتھ مؤدت اور محبت کا اظہار کریں گے تو یہی مؤدت اہل قرابت قیامت کے دن مسلمانوں کے لیے باعث شفاعت ہوگی۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا نسب ہے جو کہ قیامت کے دن بھی اولاد کے لیے فائدہ مند ہے یہ خصوصیت کسی دوسرے نسب کے اندر متحقق نہیں ہے۔

خصوصیت ۳: اہل بیت رسول کے نسب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



سے لے کر آج تک محفوظ اور منضبط چلا آ رہا ہے۔ زمانہ کی گردشیں اور انقلابات اس پر اثر انداز نہ ہو سکے اور طاغوتی قوتیں اس کو منہدم نہ کر سکیں۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کچھ ایسے افراد پیدا فرماتا رہا ہے جو اس کی حفاظت فرماتے آئے ہر۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ممتی لکھتے ہیں، ینبغی لكل احد ان یكون له غیرة علی هذا النسب الشریف و ضبطه حتی لا ینتسب الیہ صلی اللہ علیہ احد الا بحق ولم تنزل انساب اهل البیت النبوی مضبوطة علی تطاول الایام واحسابهم اللتی بہا یتمیزون محفوظة عن ان یدعیہا الجہال واللہم اللہ من یقوم بتصحیحہا فی کل زمان ومن یعتنی بحفظ تفاصیلہا فی کل اوان (صواعق محرقة ص ۱۱) ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک اور اس کے انضباط پر اپنی غیرت کا مظاہرہ کرے یہاں تک کہ بغیر مستحق ہونے کے کوئی فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا رشتہ انتساب پیدا نہ کر سکے۔ اسی لیے انقلابات زمانہ کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے نسب درست چلے آ رہے ہیں اور جن کمالات کی وجہ سے وہ ممتاز ہیں ان امتیازی کمالات کے باعث وہ اس امر سے محفوظ ہیں کہ جاہل اور پست فطرت لوگ ان کے مدعی ہو سکیں۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی جو کہ ہر زمانہ میں آپ کے نسب پاک کی حفاظت تفصیلات قابل التفات سمجھتے رہے۔ علامہ ابن حجر کی کلام کا مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے عموماً اور سادات کے لیے خصوصاً یہ ضروری ہے کہ وہ نسب رسول کی حفاظت کریں اور اس معاملہ میں غیرت و حمیت کا ثبوت دیں۔ اگر کوئی غیر سیدہ جس کا اس پاکیزہ نسب کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں سیدہ بننے کی کوشش کرنے لگے تو اس کو اس سے سختی سے منع کریں۔ اگر کوئی سیدہ اپنی بیٹی کا رشتہ غیر سیدہ کے ساتھ کرنے کی ناجائز کوشش کرے تو دیگر سادات اپنی غیرت حیدری کا ثبوت دے کر اس پر بھی پابندی لگا دیں تاکہ سادات کا نسب محفوظ اور منضبط رہے۔ اگر سیدہ زادی اپنی اور اپنے دل کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو پھر بھی اس نسب پر زرد پڑے گی، کیونکہ غیر کفو میں نکاح کرنے سے اس سیدہ زادی کا اصل نسب سے رشتہ کٹ جائے گا، اس کی آگے جو اولاد ہوگی وہ سیدہ نہیں رہے گی بلکہ وہ عجمی کی ہم کفو بن جائے گی۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں، من کانت امہا علویة مثلاً وابوہا عجمی یكون العجمی کفو الیہا و ان کان لہا شرف مالان النسب للآباء ولہذا جاز دفع الزکاة الیہا فلا یعتبر التفاوت بینہما من جهة الام۔ (رد المحتار ص ۸۲ ج ۳) یعنی جس عورت کی ماں علویہ ہو اور باپ عجمی ہو تو اس عورت کے لیے عجمی مرد بھی کفو ہو سکتا ہے اس لیے کہ نسب تو باپ کی طرف سے چلے گا۔ اسی وجہ سے اس عورت کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگرچہ اس عورت کی ماں علویہ تھی لیکن باپ عجمی ہونے کی وجہ سے یہ عورت عجمی مرد کی ہم کفو بھی ہو جائے گی اور اس کو زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے۔ گویا کہ اس کا رشتہ اصل (نسب سادات) سے کٹ چکا ہے، اب یہ عورت جس کی ماں علویہ اور باپ عجمی تھا یہ عورت علویہ نہیں رہی۔ اسی طرح اگر سید زادی نے اپنی رضا اور اپنے ولی کی رضا سے کسی عجمی کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کی آگے جو اولاد ہوگی ان کا رشتہ بھی اصل نسب سے کٹ جائے گا، یہی بات اسلامی اور نسبی غیرت کے خلاف ہے۔ لہذا علامہ ابن حجر نے تمام مسلمانوں اور سادات کو تنبیہ کی ہے کہ سادات کا نسب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے لہذا تمام پر فرض ہے کہ وہ غیرت اور حمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی حفاظت کریں۔ اگر کوئی مسلمان یا سید اس کی حفاظت میں سست رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کی عدم غیرت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے نسب کی حفاظت کے لیے کسی نہ کسی کو پیدا فرما ہی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک یہ نسب منضبط اور محفوظ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

**خصوصیت ۲:** اہل بیت اطہار اور سادات کے نسب کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ ایک پاکیزہ نسب ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اسی نسب کو حاصل ہے، دنیا کے کسی دیگر نسب میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ قرآن پاک میں ہے، انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً، ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھر فرمادے۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ چادر مبارک لیے ہوئے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام آئے، آپ نے ان دونوں کو اس میں داخل کر لیا۔ پھر ناطہ آئیں انہیں بھی داخل کر لیا۔ پھر علی آئے انہیں بھی داخل کر لیا، پھر فرمایا، انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً، اور یہ بھی فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ ان سے جس دور کرے اور انہیں پاکیزہ بنا دے۔

(مستدرک ص ۱۴، ج ۳، سنن بیہقی ص ۱۳۹، ج ۲، ابن جریر ص ۲۲، ج ۵، ترمذی ص ۲۹، ج ۲، مشکل الآثار ص ۳۳، ج ۱، اسد الغابہ ص ۱۲، ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۳۱۶، تہذیب التہذیب ص ۲۹، ج ۲، ذخائر العقبی ص ۲، کنز العمال ص ۱۳، ج ۷، تاریخ بغداد ص ۱۲۶، ج ۹، درمثور ص ۱۹۹، ج ۵، مجمع الزوائد ص ۱۴، ج ۹، اسباب النزول للواحیدی ص ۲۶، خصائص للنسائی ص ۳، ریاض النضرہ ص ۱۸۸، ج ۲، الاستیعاب ص ۵۹، ج ۲، مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۴، ج ۸، اور علماء نے اس بات کی تصریح بھی کی ہے کہ آیت تطہیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی اولاد قیامت تک ہونیوالی ہے

داخل ہے۔ دیگر احادیث صحیحہ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ وعترتی اہل بیٹی، (ترمذی ص ۳۰۵ ج ۲، خصائص للنسائی ص ۲۱، طبرانی ص ۳۹ ج ۴، صواعق محرقة ص ۱۹، مسند احمد بن حنبل ص ۱ ج ۳، مجمع الزوائد ص ۱۶۳ ج ۹، طبقات ابن سعد ص ۲ ج ۲، فیض القدير ص ۱۳ ج ۳، حلیۃ الاولیاء ص ۳۵۵ ج ۱، تاریخ بغداد ص ۴۴۲ ج ۸، اسد الغابہ ص ۱۴۴ ج ۳، ریاض النضرہ ص ۱۴۴، قصص الانبیاء للشعلبی ص ۱۲، سنن بیہقی ص ۱۴۸ ج ۲، سنن دارمی ص ۱۴۸ ج ۲، مسند عبد بن حمید ص ۱۲ ج ۴، مشکل الآثار ص ۳۴۸ ج ۴) ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عزت و اہل بیت، نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے ملیں گے۔ اور نیز یہ بھی فرمایا کہ آخر زمانہ میں امام مہدی ہوں گے جو میری اہل بیت سے ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو! واللہ میرا نسب دنیا و آخرت میں موصول ہے۔ محب الدین طبرسی نے ۶۹۳ھ نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ذخائر العقبی ص ۱۲) یہ احادیث و روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ پاکیزہ نسل قیامت تک ہے گی اور یہ آیت تطہیر (انہا یرید اللہ) میں داخل ہیں۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو ان ہی میں متحقق ہے۔

خصوصیت ۵: جو سادات اس نسب اظہر سے متعلق ہیں ان کی تعظیم فرض ہے۔ قرآن پاک میں ہے، وتعزروہ وتوقروہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو، الامو بالشی نہی عن ضدادہ، کہ کسی شئی کا امر اس کے ضد و خلاف سے نہیں ہے۔ جب تعظیم فرض ہے تو توہین منع ہے۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے اور حضرت فاطمہ الزہرا کو بوسہ دیتے اور اپنے پاس بٹھالیتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ستیدہ فاطمہ الزہرا آپ کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ فقبتہ واجلستہ فی مجلسہا (صحیح ترمذی ص ۳۱۹ ج ۲، ابوداؤد ص ۲۲۳، فی باب ما جاء فی القیام، مستدرک ص ۲۴۲ ج ۴، ادب المفرد ص ۱۲۶، فتح الباری ص ۹، استیعاب ص ۵۵ ج ۲، سنن بیہقی ص ۱۱۱ ج ۴، کنز العمال ص ۱۱۱ ج ۴، فیض القدير ص ۱۴۶ ج ۵، مسند احمد بن حنبل ص ۲۸۶ ج ۱، اسد الغابہ ص ۵۲۲ ج ۵، مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۸، ذخائر العقبی ص ۳۶، حلیۃ الاولیاء ص ۳ ج ۲) اور حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن میں چار آدمیوں کا شفیع ہوں گا۔ المکرم لذریعتی، والقاضی لہم حوائجہم، والساعی لہم

فی امورہم عندنا اضطرروا الیہ ، والمحب لہم بقلبہ ولسانہ ( ذخائر العقبی ص ۱۸ ) ( کنز العمال ص ۱۵ ج ۸ )  
میری اولاد کی عزت کرنے والا ، اور ان کی ضروریات پوری کرنے والا ، اور ان کے معاملات میں کوشش کرنے والا جبکہ  
وہ اس کے محتاج ہوں ، اور ان سے دل اور زبان سے محبت کرنے والا ۔

ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ میں نے حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ سادات کی  
تعظیم ہم پر فرض ہے کیونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ انتساب حاصل ہے اور حسنین کریمین کا  
خون ان کے رگ و پے میں گردش کر رہا ہے ۔ عزت و احترام کا حکم جزو کے لیے بھی کل کی طرح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جسد اطہر کے جزو کا احترام بالکل اسی طرح ہے جس طرح ( دنیاوی ) حیات مبارکہ  
میں اس جزو مبارک کی عزت و عظمت تھی ، قال بعض العلماء ومن حقوق الشرفاء علینا وان بعد وافی النسب  
نعظمہم ونوقرہم ولا نجلس فوق سریر وہم علی الارض ( نور الابصار ص ۱۰۶ ) بعض علماء نے کہا ہے  
کہ سادات اگرچہ نسب میں بعید بھی ہوں اس کے باوجود ہم پر ان کے حقوق ہیں ۔ من جملہ ان سے یہ بھی ہے کہ ہم  
ان کی عزت و توقیر بجالاتیں اور جب وہ زمین پر بیٹھے ہوں تو ہم چار پائیوں پر نہ بیٹھیں ۔

قاضی عیاض المتونی ص ۲۵ شفا شریف میں لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت المتونی ص ۲۸ نے کسی کی نماز  
جنازہ پڑھی ، نماز جنازہ سے فاتح ہو کر کے بعد جب وہ سوار ہوئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی رکاب  
تھام لی ۔ حضرت زید نے فرمایا اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے ایسا نہ کرو ۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
حکم دیا ہے کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی کریں ، فقبل زید ید ابن عباس وقال هكذا امرنا ان نغسل مع  
اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، ( یہ سن کر ) حضرت زید نے حضرت ابن عباس کے ہاتھ کا بوسہ  
لے لیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول خدا کے اہل بیت سے یہی سلوک روا رکھیں ( رشفہ الصادی ص ۱۴۲ )  
نور الابصار ص ۱۰۵ ) حضرت عمر بن عبدالعزیز المتونی ص ۱۰۵ کے پاس عبد اللہ بن حسن المثنی تشریف لائے تو حضرت  
عمر بن عبدالعزیز نے ان کو بلند جگہ پر بٹھایا اور ان کے ضروریات کو پورا فرمایا ۔ آخر میں عرض کی کہ قیامت کے دن  
شفاعت کرتے وقت مجھے یاد رکھنا اور فرمایا کہ میں نے ایک ثقہ آدمی سے حدیث سنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جو چیز اسے خوش کرتی ہے مجھے خوش کرتی ہے ۔ حضرت عمر بن  
عبدالعزیز نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ میرے اس فعل سے خوش ہوں گی اور بنی ہاشم سے ہر ایک کو شفاعت

کاشق ہے، میں امید کرتا ہوں کہ میں عبد اللہ بن الحسن المثنیٰ کی شفاعت میں ہوں گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۳ھ جب مالِ غنیمت وغیرہ تقسیم کرتے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے شروع کرتے۔ ایک دفعہ آپ مال تقسیم کرنے لگے تو آپ نے ابستہ حضرت حسن اور حضرت حسین سے کی تو آپ کے بیٹے عبد اللہ بن عمر نے کہا، باپ میں زیادہ حق تقدیم رکھتا ہوں کیونکہ آپ خلیفہ ہیں۔ تو حضرت عمر نے فرمایا حسین کریمین کے باپ جیسا باپ اور نانا جیسا نانا تاکہ تجھے مقدم کروں۔

حضرت امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت اور قریبی رشتہ داروں کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جعفر بن سلیمان عباسی (مدینہ منورہ کے گورنر) نے آپ کو کوڑے لگوائے، آپ بے ہوش ہو گئے ہوش آنے کے بعد فرمایا لوگو! تم گواہ رہنا میں نے جعفر بن سلیمان کو معاف کر دیا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اہل بیت کی تعظیم و توقیر کے لیے متعدد مرتبہ قابل تحسین موقف اختیار کیا جس کی بنا پر سن کہولت میں حکومت وقت کی طرف سے عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ تمسک اور نہایت بے نیاز سی کی حالت میں عترت نبوی کی عزت و محبت میں مقام شہادت حاصل کیا (رشفۃ الصادی ص ۱۴۵، مقدمہ قادی جماعتیہ ص ۳۴)

امام شافعی اہل بیت کی بڑی تعظیم کرتے تھے، آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں اہل بیت کے تابع داروں سے ہوں یہاں تک کہ آپ کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آپ نے جو ابا نسر مایا اگر آل محمد کی محبت رفض ہے فدیشہ الثقلان انی رافض توجن دانس گواہ رہے کہ میں رافضی ہوں۔ امام احمد بن حنبل اہل بیت رسول کا بہت احترام اور تعظیم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل جامع مسجد کے دروازہ پر ہنواشم کے ایک چھوٹے لڑکے سے ملے جو دروازے سے باہر جانا چاہتا تھا مگر اس نے امام کو دیکھا تو تعظیماً کھڑا ہو گیا تاکہ آپ نکل جائیں۔ امام صاحب نے جوتے سے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور ہاشمی بچے کو پکڑ کر بوسہ دیا اور کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ وہ بچہ مسجد سے باہر چلا گیا، فرمایا یہ بچہ اہل بیت سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا احترام فرض کیا ہے۔

محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ کے پاس اگر کوئی سید تعلیم کے لیے آتا تو اس کو بلند جگہ پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۶۱ھ جن کی ولایت کا شہرہ تمام دنیائے اسلام میں ہے مشہور روایت

کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ کے گھرانے میں پانی بھرا کرتے تھے۔ حضرت امام کرھی المتوفی ۱۵۸ھ جو صوفیاء کے پیشوا ہیں وہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام المتوفی ۱۹۱ھ کے دربان تھے۔ امام شہرانی المتوفی ۲۹۳ھ اپنی کتاب "الیواقیت والمجاہر" میں عقائد کی بحث میں لکھتے ہیں کہ واجب ہے کہ وجوب محبت ذریت نبی علیہ السلام کا اعتقاد رکھا جائے، وہ حسن و حسین، حضرت فاطمہ الزہرا کے دونوں بیٹے اور ان کی اولاد ہے روز قیامت تک۔ ثابت ہوا کہ اہل بیت اہل سادات کی تعظیم و توقیر فرض شرعی ہے جو ان کی ہی خصوصیت ہے۔

**خصوصیت ۴:** اس نسب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ سادات صرف وہ ہوں گے جو حضرت فاطمہ الزہرا یا حسین کریمین کی صلیبی اولاد سے ہوں گے جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے اور حضرت فاطمہ الزہرا کی دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم اگرچہ اولادِ رسول ہیں لیکن آگے ان کی اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر سادات میں شمار نہ ہوگی بلکہ ان دونوں صاحبزادیوں کی اولادیں بجائے ماں کے اپنے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں گی۔ پس جو نسب باپ کا ہوگا وہی اولاد کا ہوگا۔ اسی لیے علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا کی اولاد ہی آپ کی طرف منسوب ہے اور حضرت فاطمہ کی صاحبزادیوں (حضرت زینب، حضرت ام کلثوم) کی اولاد کے لیے اس قسم کا ذکر نہیں کیا۔ پس سیدہ فاطمہ الزہرا کے نواسوں اور نواسیوں وغیرہم پر شریعت مطہرہ کا وہی عام قاعدہ جاری ہوگا جس میں اولاد بلحاظ نسب صرف اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے ماں کے نہیں۔ اور اسی لیے سلف اور خلف کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک سید زادی کی اولاد اس وقت سید نہیں کہلا سکتی جب تک اس کا باپ سید نہ ہو۔ پس سیدہ فاطمہ کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہوگی اور حسین کی اولاد حسین کی طرف اور حضور کی طرف نسبت ہوگی۔ اور حسین کریمین کی بہنوں زینب، ام کلثوم کی اولاد اپنے باپ عبد اللہ بن جعفر اور محمد بن جعفر کی طرف نسبت ہوگی نہ کہ اپنی ماؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو حضرت فاطمہ الزہرا کے واسطے سے حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم کے والد گرامی ہوتے ہیں، اس لیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی (نواسی) کی ہے نہ کہ آپ کی اپنی بیٹی کی۔ اور اس خصوصیت پر دلیل یہ حدیث ہے، لکن بنی اہ عصبۃ الاولاد فاطمہ فانا ولیہم وعصبہم، ہر ماں کی اولاد کا ایک جدی ولی ہوتا ہے مگر فاطمہ کے دو بیٹے (حضرت حسن اور حضرت حسین) پس میں حضرت فاطمہ الزہرا کا ولی ہوں اور حضرت حسن اور حضرت حسین کا عصبہ جدی ولی ہوں۔

یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ اس مذکورہ بالا حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف حضرت فاطمہ الزہرا اور ان کی اولاد کے متعلق فرمایا ہے کہ میں ان کا عصبہ (جدی ولی) ہوں۔ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں اور بھی تھیں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت کلثوم، ان کا ذکر نہیں کیا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت فاطمہ کی اولاد کے لیے ہے دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لیے نہیں ہے۔ ان کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں جس طرح کہ یہ بات اولادِ فاطمہ کے لیے کہی جاتی ہے، ہاں یہ کہا جائے گا کہ وہ آپ کی اولاد اور نسل سے ہیں۔ غرضیکہ جو اولادِ فاطمہ الزہرا اور امام حسن اور امام حسین سے ہے وہ تو سادات ہیں اور جو دوسری صاحبزادیوں کی اولاد ہے یا حضرت فاطمہ الزہرا کے نواسے اور نواسیاں ہیں وہ سادات سے نہیں ہیں۔ یہ بھی وہ خصوصیت ہے جو نسبِ سادات کے ساتھ متعلق ہے اور کسی نسب میں نہیں ہے۔

خصوصیت ۲: ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ غیر کفوہ میں نکاح منعقد نہیں ہوتا لیکن بقول ان لوگوں کے جو کہ کہتے ہیں کہ نکاح ہو جاتا ہے، اگر کوئی سیدزادی غیر کفوہ میں نکاح کرے گی تو سادات کے نسب سے کٹ جائے گی اور اس کے آگے جو اولاد ہوگی وہ عجمیوں کی ہم کفوہ ہو جائے گی اور سادات کے احکام اس پر لاگو نہیں ہوں گے، جو کہ سادات کے نسب میں بہت بڑا عیب ہے۔

علامہ محمد بن علی الصبان المصری "سلاسلہ زینبہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں، ولہذا اجری السلف والخلف علی ان ابن الشریفۃ لایکون شریفاً اذ لم یکن ابوہ شریفاً، اور اسی لیے سلف و خلف کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک سیدزادی کی اولاد اس وقت تک سید نہیں کہلا سکتی جب تک اس کا باپ سید نہ ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں، من کانت امہا علویۃ مثلاً وابوہا عجمی یكون العجمی کفواً لہا وان کان لہا شرف مالان النسب للآباء ولہذا اجاز دفع الزکاۃ الیہا فلا یعتبر التفاوت بینہما من جہۃ شرف الام (رد المحتار ص ۸۲ ج ۳) یعنی جس عورت کی ماں علویہ ہو اور باپ عجمی ہو تو اس عورت کے لیے عجمی مرد بھی کفوہ ہو سکتا ہے کیونکہ نسب تو باپ دادا کی طرف سے چلے گا۔ اسی وجہ سے اس عورت کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس عورت کی اگرچہ ماں علویہ تھی لیکن باپ عجمی ہونے کی وجہ سے یہ عورت عجمی مرد کے لیے ہم کفوہ ہو جائیگی اور ماں کی طرف سے جو شرافت تھی وہ بھی ختم ہو جائیگی اور اس کو زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے اور اس کا رشتہ

جو ماں کی طرف سے علویوں سے وابستہ تھا وہ کٹ چکا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سید زادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہے تو اس کی آگے جو اولاد ہوگی ان کا رشتہ سادات سے بحیثیت سادات کٹ جائے گا۔

**خصوصیت ۷:** اہل بیت کرام اور سادات کے نسب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو ان کی طرف نسبت ہو جائے اس کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۲۹۱ ج ۱ میں ہے **وصولاۃ الهاشمی لا تکافی مولاۃ القرشی کذا فی التمدتاشی**، کہ قریشی ہاشمی کی لونڈی قریشی غیر ہاشمی کے غلام کا کفو نہیں بن سکتی۔ اب یہاں لونڈی بحیثیت لونڈی میں کوئی فوقیت نہیں بلکہ یہ صرف شرافت اس کو ہاشمیت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ملی ہے۔ کہ وہ ہاشمی کی لونڈی ہونے کے لحاظ سے قریشی غلام کی ہم کفو نہیں رہی۔ اب ہاشمیہ یا سیدہ کا خود ہی اندازہ کر لیجئے۔

علامہ سید شہاب الدین لکھتے ہیں کہ سید کی لونڈی اور سید کی مطلقہ بیوی جو کہ غیر سیدہ ہو، سے بھی نکاح نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی وقت سید کی زوجہ رہ چکی ہے۔ اس نسبت کے پیش نظر اگرچہ اس نے طلاق دی ہے اس سے نکاح نہ کرنا چاہیے اور نسبت کی تبدیلی سے حکم کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس کی یہ مثال بھی پڑھ لیجئے۔ علامہ ابو جعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی (آزاد کردہ غلام) کے لیے بھی زکوٰۃ حرام ہے۔ ہمارے آئمہ کرام سے کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔ (فتاویٰ جماعتیہ ص ۲۹۶ ج ۲) ظاہر ہے کہ اہل بیت کرام اور سادات کی طرف جو منسوب ہو گیا اس کے احکام بھی بدل گئے۔ غرضیکہ سادات کے نسب کی یہ خصوصیت بھی ہے جو ان کی طرف منسوب ہو جائے اس کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

**خصوصیت ۸:** ہم نے جو خصوصیت ۷ میں ذکر کیا ہے کہ اہل بیت کرام و سادات کی طرف جس کی نسبت ہو جائے اس کے احکام بدل جاتے ہیں۔ جیسے کہ ہاشمی کی لونڈی کا کفو قریشی غیر ہاشمی کا غلام نہیں بن سکتا باوجودیکہ ہاشمی بھی قریشی ہے لیکن اس کی وجہ وہ احادیث ہیں جو بنو ہاشم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک حدیث ہم نے نسب کی اہمیت کی بحث میں ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کنانہ سے قریش کو پسند کیا، پھر قریش سے بنی ہاشم کو، اب قریش سے بنی ہاشم کو پسند کرنا بنی ہاشم کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ یہ افضلیت اس بات کی بھی علت ہے کہ ہاشمی لونڈی کے لیے قریشی



غیر ہاشمی کا غلام ہم کفو نہیں بن سکتا۔ اسی طرح جہاں اس سے بھی زیادہ افضلیت ثابت ہوگی وہاں افضلیت کا حکم بھی ثابت ہوگا کیونکہ حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی ہاشم سے بنی عبدالمطلب کو پسند کیا اور عبدالمطلب سے مجھ کو پسند اور برگزیدہ کیا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے افضل ہوئے تو آپ کی لونڈیوں کا حکم بھی تمام قریش، بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی لونڈیوں سے جدا ہوگا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا غلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی کا کفو نہیں ہوگا۔ جب یہ حکم لونڈیوں اور غلاموں کا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا حکم قریشیوں، ہاشمیوں اور مطلبیوں کی اولادوں سے بھی یقیناً جدا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے قریشی، ہاشمی اور مطلبی ہم کفو نہیں ہوں گے۔

چنانچہ ابن حجر کی اپنے فتاویٰ کبیری میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہم کفو اور مثل نہیں ہے۔ آپ کی اولاد کا بھی کوئی ہم کفو نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عنقریب سے ہو۔ فالعباسی لا یكون کفوا للشریفة وان کا نام من بنی ہاشم۔ پس عباسی سیدہ کے لیے کفو نہیں ہے اگرچہ دونوں بنی ہاشم سے ہیں۔

سوال :- فقہاء تو کہتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب ایک ہی ہیں، لہذا یہ ایک دوسرے کے ہم کفو ہوں گے۔

جواب :- ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت اور صدقات وغیرہ کے حکم میں ایک ہیں کفو میں ایک نہیں ہیں۔ علامہ ابن حجر کی کلام کا مفہوم بھی یہی ہے کہ عباسی اور سیدہ ہم کفو نہیں بن سکتے اگرچہ دونوں بنی ہاشم سے ہیں۔ جہاں فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقات، مالِ غنیمت وغیرہ میں ایک ہیں نہ کہ کفو میں ایک ہیں۔ جب کفو میں ایک نہ ہوئے تو اب عباسی مرد کا نکاح سید زادی کے ساتھ نہ ہوگا۔

سوال :- قریش باہمی ایک دوسرے کے کفو ہیں اور سید بھی قریش ہیں لہذا قریش سادات کے ہم کفو ہوں گے۔ حدیث میں بھی ہے، قریش بعضهم ابناء لبعض، کہ بعض قریش بعض کے لیے ہم کفو ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ سیدہ کا ہم کفو صرف سید ہے صحیح نہیں ہے۔

جواب :- سائل نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں شجاع بن ولید المتوفی ۲۳۳ھ جس سے روایت کرتا ہے وہ مجہول ہے، ابو یعلیٰ المتوفی ۳۳۷ھ نے بھی اس کو روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں عمران بن فضل جو ہے محدثین نے اس کے متعلق کہا ہے وہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ اس کو دارقطنی المتوفی ۲۸۵ھ نے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے لیکن اس میں بقیہ بن ولید ضعیف ہے اور محمد بن فضل مطعون فی الحدیث ہے۔ ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ نے کامل میں بھی اس حدیث کو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے لیکن اس میں بھی ایک راوی علی بن عروہ ہے جو کہ منکر الحدیث ہے اور دوسرا راوی عثمان بن عفان ہے جو کہ مجہول سے روایت کرتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ اس حدیث کو امام بزار المتوفی ۲۹۲ھ نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان کی سند میں ایک راوی سلیمان بن ابی الجون ہے جس پر ابن قطان المتوفی ۱۹۸ھ نے جرح کی ہے اور دوسرا راوی ابن معدان ہے جس کا سماع معاذ بن جبل سے ثابت نہیں۔ غرضیکہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں، اسی لیے علامہ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں کہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ متعدد طرق کی وجہ سے مقام حسن تک پہنچ سکتی ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۹۵)

سائل کی پیش کردہ حدیث پر محدثین نے جو جرح کی ہے اس سے اولاً تو واضح یہ ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر بوجہ تعدد طرق پایہ حسن تک پہنچ جائے اور سائل اس کا مفہوم عام ہی سمجھے تو پھر ہم کہیں گے یہ عام مخصوص عند البعض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات سے ہے کہ آپ کی اولاد کا کوئی بھی ہم کفو نہیں ہے۔ قریش اگرچہ باہمی ایک دوسرے کے کفو ہیں لیکن قریش سے سادات مخصوص ہیں۔ قریش ان کے کفو نہیں بن سکتے جیسے کہ ابن حجر نے تصریح کی ہے، فالعباسی لا یكون کفوًا للشریفة۔ کہ عباسی مرد سیدہ کے لیے کفو نہیں ہے اگرچہ دونوں بنی ہاشم سے ہیں۔ جب سیدہ کے لیے عباسی کفو نہیں بن سکتا تو قریشی کیسے ہوگا، لہذا لازمی طور پر حدیث یا مخصوص ہوگی یا ضعیف ہوگی۔ علاوہ ازیں حدیث قریشی لعضہم اکفاء لبعض" قضیہ کلیہ نہیں ہے کہ جس میں اہل بیت رسول کو داخل کر کے قریش کے کفو قرار دیا جائے بلکہ خود قضیہ کے لفظ ہی "جزئیت" اور "بعضیت" پر دلالت کر رہے ہیں۔ جب "قضیہ کلیہ" نہیں بلکہ "بعضیہ" ہے تو اس میں سادات داخل ہی نہ ہوں گے۔ اب حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ بعض قریش بعض کفو ہیں اور بعض قریش کل قریش کا کفو نہیں ہیں، جیسے کہ قریشی سادات کا کفو نہیں ہیں حالانکہ سادات بھی قریشی ہیں۔ گویا کہ جو قریش

سادات ہیں وہ بوجہ تخصیص مفہوم حدیث میں داخل نہیں ہیں، یا بوجہ بعضیت کے حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تمام قریش تو ایک دوسرے کا کفو نہیں بن سکتے بلکہ بعض قریش بعض کے کفو ہوں گے جو ان کی برادری سے ہوں گے، یعنی اگر قریشی سادات ہیں تو ان قریشیوں کے ہم کفو ہوں گے جو سادات ہوں گے، یہ دوسرے قریشیوں کے ہم کفو نہیں ہو سکتے جو کہ سید نہیں ہیں۔ اسی طرح ہاشمی جو ہوں گے وہ ہاشمیوں کے ہم کفو ہوں گے لیکن بنی عدی ہاشمیوں کے ہم کفو نہیں ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے کہ آپ کی اولاد کا کوئی بھی ہم کفو نہیں ہے۔ تو اب سیدہ کا نہ ہم کفو قریشی ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہاشمی اور نہ عباسی اور نہ ہی علوی غیر فاطمی۔ بلکہ سیدہ زادی کا ہم کفو صرف اور صرف سیدہ زادہ ہی ہوگا۔

خصوصیت نزا، علماء شافعیہ سے صاحب تلخیص کہتے ہیں کہ اولاد فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے اور اس امر کو کفادت میں ”مطرد الحکم“ تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی اگر دونوں عورت اور مرد میں نسبت قرابت پائی گئی (دونوں سیدہ ہوئے) تو نکاح منعقد ہوگا۔ اس وجہ سے کہ یہ دونوں ہم کفو ہیں۔ اگر لڑکی سیدہ ہے اور لڑکا غیر سیدہ ہے تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اب غیر سیدہ، سیدہ زادی کا ہم کفو نہیں ہے اور یہاں حکم کی علت قرابت اور انتساب ہے۔ اگر لڑکی سیدہ زادی ہو اور لڑکا غیر سیدہ ہو تو اطراد نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی بوجہ سیدہ زادی ہونے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

سے اطراد کا معنی یہ ہے کہ جب وصف پائی جائے تو حکم پایا جائے اور عکس کا معنی جب وصف منتفی ہو جائے تو حکم بھی منتفی ہو جائے اس کو ”دوران“ بھی کہتے ہیں۔ یہاں علماء حنفیہ اور شافعیہ کا باہمی اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر وصف کے پائے جانے سے حکم پایا جاتا ہے تو وصف شرط بنے گا جیسے کہ وضو نماز کے لیے شرط ہے، اور شافعیہ کہتے ہیں کہ وصف علت مؤثرہ ہوگا جیسے کہ عورت کے حلال ہونے کے لیے عقد نکاح علت ہے، غرضیکہ حنفیہ کے نزدیک طرد یہ ہے کہ وصف کے پائے جانے سے حکم پایا جائے لیکن یہ وصف قائم مقام شرط کے ہے مثلاً خاندانے بیوی کو کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے، اب عورت اگر حالت نکاح میں گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہوگی اگر داخل نہ ہوئی تو طلاق نہ ہوگی، یہاں حکم کا دوران وجودی طور پر مکان میں جانے کے ساتھ پایا جاتا ہے باوجودیکہ علت نہیں ہے اور شافعیہ کے نزدیک قائم مقام علت کے ہے مثلاً شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح کے گواہ دونوں مرد ہوں گے، ایک مرد ہو سکتی کیونکہ نکاح از قسم مال نہیں ہے اور جو مال نہ ہو وہاں عورتیں گواہ نہیں بن سکتی جیسے کہ حدود، قصص

منسوب ہے اور لڑکا غیر سید ہونے کی وجہ سے حضور کی طرف منسوب نہیں ہے۔ اب دونوں کے درمیان علت مناسبہ (قربت اور انتساب) متحقق نہ ہوئی تو اطراد بھی نہ ہوا۔ اصول فقہ کا ضابطہ ہے، فالاطراد ج ہو الوجود والانعکاس هو العدم عند العدم (نور الانوار ص ۲۶۲) جب علت مناسبہ پائی جائے

میں عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں، لہذا اثبات نکاح میں دو مرد ہی گواہ ہوں گے، اب نفی علت سے نفی حکم پر دلالت ہوئی۔ صاحب شفقہ الصادق لکھتے ہیں کہ شوافع سے صاحب تمیض لکھتے ہیں کہ اولاد ناظمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا حضور کے خصائص سے ہے اور اس امر کو کفایت میں مطرد الحکم تسلیم کیا گیا ہے یعنی اگر دونوں عورت اور مرد میں نسبت قربت نسب رسول پائی گئی (دونوں سید ہوئے) تو نکاح منعقد ہوگا۔ اس وجہ سے کہ یہ دونوں ہم کفو ہیں، اگر لڑکی سیدہ ہے اور لڑکا غیر سید ہے تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں آپس میں ہم کفو نہیں ہیں اور یہاں حکم کی علت قربت نسب رسول ہے۔ اگر لڑکی سید زادی ہو اور لڑکا غیر سید تو اطراد نہیں ہوگا ظاہر ہے کہ لڑکی بوجہ سید زادی ہونے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور لڑکا غیر سید ہونے کی وجہ سے منسوب نہیں ہے۔ اب دونوں کے درمیان علت مناسبہ (قربت نسب رسول) متحقق نہ ہوئی تو اطراد بھی نہ ہوا، جب اطراد نہ ہو تو حکم بھی نہ ہوگا یعنی نکاح بھی منعقد نہ ہوگا۔

سوال: حنفیہ کے نزدیک اطراد دلیل اور حجت نہیں ہے، جب اطراد حنفیہ کے نزدیک دلیل اور حجت نہ ہو تو غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کا حکم ثابت نہیں ہوگا دوسرے الفاظ میں غیر کفو میں نکاح ہو سکے گا۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک اطراد اس وقت حجت نہیں ہوتا جبکہ وصف کا اثر ظاہر نہ ہو اگر وصف کا اثر ظاہر ہو تو پھر حجت ہوتا ہے۔ علماء اصول لکھتے ہیں، لیس ہو حجة عندنا ما لہ ینظہر تا شہودہ (نور الانوار ص ۲۳) کہ یہ اطراد اس وقت حجت نہیں جبکہ اثر ظاہر نہ ہو لیکن جو مسئلہ زیر بحث ہے یہاں وصف قربت نسب رسول ہے، اس وصف کا اثر ظاہر ہے بایں وجہ کہ اس نسب رسول کی تفصیص پر نصوص شرعیہ وارد ہو چکے ہیں، اس کی طہارت پر نص قطعی (قرآن) شاہد ہے اور اس نسب کے خصوصیات پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے لہذا یہاں پر اطراد حجت تامہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر مسائل وصف کا ظہور نہ مانے تو سید زادی کا غیر کفو میں نکاح کے جواز سے بھگت حرمت اہل بیت و نسب رسول ہوگی جو کہ ایمان کے یکسر منافی ہے۔ یہ زیر بحث مسئلہ اگرچہ ظاہر فقہ سے متعلق ہے لیکن درحقیقت اس کا تعلق عقیدہ سے بن جاتا ہے، جب یہ مسئلہ عقیدہ سے متعلق ہو تو پھر حنفیت اور شافعیت کا جزوی اختلاف غیر مؤثر ہوگا۔ جہاں وصف قربت نسب رسول ہوگی وہاں سید زادی کا نکاح ہوگا جہاں نہ ہوگی وہاں نہیں ہوگا، یعنی سید زادی کا نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں ہوگا۔

(مفتی غلام رسول ۱۳)

گی تو حکم چھایا جائے گا۔ اگر علت مناسبہ نہ پائی گئی تو حکم نہیں پایا جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب کفو میں حکم کا وارد ہوا ہے تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس کا وہ کفو نہیں بن سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہے۔ ہم پہلے کفو کی تحقیق میں لکھ چکے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت شرعیہ انسان کی تذلیل ہے۔ جہاں ہی انسان کی فی الواقع تذلیل ہوگی وہاں ہی غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اگر لڑکی سید زادی ہو اور لڑکا غیر سید ہو تو باہمی وجہ کہ لڑکی سید زادی کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اور غیر کفو میں جس سے نکاح ہوگا وہ غیر سید ہے تو یہاں بہت بڑی ذلت ہوگی تو ظاہر ہوا کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت شرعیہ مناسبہ اور مؤثرہ تذلیل انسان ہے۔ اگر قرابت رسول کو حکم کے لیے مطرد مانا جائے تو اس کا حاصل بھی وہی تذلیل ہے۔ ثابت ہوا کہ غیر کفو میں نکاح نہ ہونے کی علت انسان کی ذلت ہے اور پھر یہاں قرابت حکم کے لیے مطرد ہو رہی ہے۔ اس میں دنیاوی اور شرعی دونوں قسم کی ذلت ہے اور جہاں دونوں قسم کی ذلت ہوگی وہاں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اس نظریہ کی تائید حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ حسب و نسب والی لڑکیوں کا نکاح صرف کفو میں کرنے کی اجازت دوں (رشفۃ الصادقؑ) ظاہر ہے اگر نکاح غیر کفو میں ہوا تو تذلیل ہوگی جو کہ نکاح کے غیر کفو میں منعقد نہ ہونے کی علت ہے، فسادِ زمانہ علت نہیں ہے، کیونکہ علت حکم میں مؤثرہ ہوتی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ علت ہی وجود حکم میں مؤثرہ ہوتی ہے تو لامحالہ وصف متعدی ہوگا یعنی جہاں کہیں وہ وصف متحقق ہوگی اس کا حکم بھی ثابت ہوگا۔ اور یہ حکم اپنے مقام تک منحصر نہیں ہوگا بلکہ وصف کی تاثیر کے بالتبع ثابت ہوتا رہے گا۔ اگر نکاح کفو میں ہوا تو ولی کی عزت بحال رہے گی۔ اگر غیر کفو میں ہوا تو ولی (وارث) کی توہین ہوگی اور یہ عزت اور توہین ہی نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علت مؤثرہ ہے، اور فسادِ زمانہ کا نکاح میں کفو میں ہونے یا غیر کفو میں منعقد نہ ہونے میں اثر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ فسادِ زمانہ عدم فسخ نکاح کے لیے سبب بن سکتا ہے کہ جب غیر کفو میں منعقد ہو جائے گا تو فسادِ زمانہ کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر ولی عدالت میں فسخ نکاح کے لیے رجوع نہیں کر سکتا نیز ہر قاضی عادل بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر کفو میں نکاح فسخ کر دے اور اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت سے کراسکے اور قاضی بھی عادل ہو تو پھر بھی بعض اوقات حکام کے دروازوں پر چکر لگانے کی ذلت اور اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا لہذا ضرر ہمیشہ کے لیے پختہ ہو جاتا ہے،

اور اس ضرر سے بچنے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ فتویٰ کے مختار ہونے کے لیے فساد زمانہ کا تذکرہ صرف اس لیے ہوا ہے کہ فساد زمانہ کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ یہ صورت نہیں ہے کہ فساد زمانہ نکاح کے کفو یا عدم کفو یا جواز اور عدم جواز کے لیے علت ہے بلکہ علت وہی ہے جو شمس الائمہ اور دیگر فقہاء نے ذکر کی ہے کہ نکاح غیر کفو میں اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس میں ولی (وارث) کی توہین ہے۔

جب قارئین حضرات، مبادی اور تمہیدی کلمات پڑھ چکے ہیں تو اب اصل مسئلہ کے چند تفصیلی مباحث بھی پڑھ لیں۔  
**بحث اول: ولایت لغت میں** بمعنی دوست ہے، اور ولایت کا معنی فقہی اصطلاح میں یہ ہے کہ دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنے کا حق ہو خواہ دوسرا شخص راضی ہو یا نہ۔ نکاح کے معاملہ میں ولایت دو قسم پر ہے، ایک ولایت اجباریہ صغیرہ، بالغ بے ہوش اور باندی پر ہوتی ہے۔ دوسری ولایت استجاب، یہ عاقلہ بالغہ پر ہوتی ہے خواہ باکرہ (کنواری) ہو یا شیبہ (شادی شدہ) اور ثبوت ولایت کے چار اسباب ہیں۔ ۱۔

۱۔ قرابت، جیسے باپ اپنی بیٹی کا نکاح کرے۔

۲۔ ملکیت، جیسے آقا اپنے غلام اور باندی کا نکاح کرے۔

۳۔ دلاء، جیسے آقا اپنے آزاد کردہ غلام کا نکاح کرے۔

۴۔ امامت، جیسے بادشاہ یا قاضی لا وارث کا نکاح کرے۔

**نکاح میں ولی کا مقام** | امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن محمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ جو نکاح ولی یا اس کے قائم مقام کے بغیر ہو وہ باطل ہے کیونکہ حدیث میں ہے لا نکاح الا بولی، نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک صغیرہ یا کبیرہ یا مجنونہ کے نکاح کے لیے ولی ضروری ہے اور بالغہ باکرہ ہو یا شیبہ اس کے نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل درج ذیل آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ ہیں فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن بالمعروف، تولیٰ والیو! تم پر مواخذہ نہیں ہے اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ جب تک دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے فلا تعضلو ضہن ان ینتحنن ازواجہن تولیٰ عورت کے والیو! نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جو کہ انہوں نے اپنے نکاح کے لیے تجویز کیا ہو خواہ وہ نئے ہو یا یہی طلاق دینے والے یا ان سے پہلے جو طلاق دے چکے تھے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ عورتوں کو نکاح

کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور حدیث میں ہے کہ بیوہ عورت اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اپنے ولی (وارث) کے (صحیح مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت پر ولی کو کچھ اختیار نہیں ہے (ابوداؤد، نسائی)

حدیث پاک میں ہے کہ ایک باکرہ (کنواری) لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے والد نے میری شادی ایسی جگہ کر دی ہے کہ وہ مجھے ناپسند ہے۔ آپ نے اسے اختیار دے دیا (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل، دارقطنی) نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے سوانہ کیا جائے (بخاری، مسلم)

مسلم ہوا کہ عاقلہ بالغہ عورت پر ولی کا جبر استحقاق نہیں ہے بلکہ وہ نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کے لیے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ اپنا نکاح ولی کی رضا پر رکھے تاکہ بیعیالی کی طرف منسوب نہ ہو، وانما يطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب بالوقاحة (ہدایہ ص ۲۹۳ ج ۲)

سوال: جب اخاف لا تنكح البكر حتى تستأذن (کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے سوانہ کیا جائے) کے عموم پر عمل کرتے ہیں تو پھر باکرہ صغیرہ پر ولایت اجبار کے کیوں قائل ہیں

جواب: اس لیے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح ان کی کم سنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا تھا، لہذا صغیرہ عموم سے مستثنیٰ ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کر سکتا ہے، ولہذا كان لها التصرف في المال ولها اختيار الازواج، (ہدایہ ص ۲۹۳ ج ۲) اور عاقلہ بالغہ کو چونکہ اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے لہذا اس کو نکاح میں بھی اختیار ہوگا اور صغیرہ کو مال میں اختیار نہیں لہذا نکاح میں بھی اختیار نہیں ہوگا۔ علمائے اصول فرماتے ہیں انما يثبت ولاية الاب في مال الصغيرة لانها عاجزة عن التصرف بنفسها ما ثبت الشرع ولاية الاب كيلا يتعطل مصالحها المتعلقة بذلك وقد عجزت عن التصرف في نفسها فوجب القول لولاية الاب اعليها، (اصول الشاشی ص ۹) چونکہ صغیرہ مال میں تصرف نہیں کر سکتی لہذا نکاح میں بھی صغیرہ پر ولایت اجبار ہے اور اصل عموم سے اس کو استثناء کر لیا گیا ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ ایک تو وہ نص قرآنی سے متعارض ہیں نیز فنکاحہا باطل، باطل، باطل والی حدیث کی راویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کا عمل کہ انہوں نے اپنی بھتیجی کا نکاح بھائی سے پوچھے بغیر کر دیا تھا اس حدیث کے خلاف ہے۔ راوی کا جب خود عمل حدیث کے خلاف ہو تو حدیث کی حجیت کو مجروح کر دیتا ہے۔ نیز امام بخاری اور یحییٰ بن معین المتوفی ۲۴۵ھ فرماتے ہیں کہ اشتراط ولی کے باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہو سکی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے ورنہ نکاح باطل ہوگا۔ اور احناف کے نزدیک صغیر یا کبیرہ مجنونہ کے نکاح کے لیے ولی ضروری ہے۔ بالغہ باکرہ ہویا ثبہ اس کے نکاح کے لیے ولی ضروری نہیں۔ البتہ اگر غیر کفو میں نکاح کرے اور اولیاء کو اعتراض ہو تو وہ قاضی سے یا عدالت اسلامیہ سے فسخ کرا سکتے ہیں۔ ہدایہ ص ۲۹۴ ج ۲ میں ہے لکن للولی الاعتراض فی غیر الکفو وعن ابی حنیفۃ والی یوسف انه لا یجوز فی غیر الکفو لانه کم من واقع لا یرفع، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ غیر کفو میں نکاح منع ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب کسی وجہ سے نکاح غیر کفو میں ہو جاتا ہے تو اس کا فسخ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی حسن بن زیاد کی روایت ہے جس کو مفتی بہا کہا گیا ہے جس کا تذکرہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آ رہا ہے۔

**بحث ثانی: کفو کا معنی برابری ہے۔** نکاح میں کفو سے مراد ایک خاص برابری ہے جس کا اعمتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے، کیونکہ شریف عورت، خسیس (گھٹیا) مرد کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی۔ لہذا شریعت نے کفو کا نسب میں بھی اعتبار کیا کیونکہ نسب عربوں کے نزدیک سبب فخر ہے۔ اسی لیے ظاہر روایت کے مطابق عجمی مرد، عربی عورت کے لیے کفو نہیں ہوگا۔ جب ایک عجمی مرد عربی عورت کے لیے کفو نہیں بن سکتا تو عجمی مرد، قریشیہ، ہاشمیہ اور علویہ عورت کے لیے بھی کفو نہیں ہوگا، جب علویہ کے لیے کفو نہیں ہوگا تو سیدہ کے لیے بھی کفو نہیں ہوگا۔ کیونکہ سادات کا نسب صرف مشہور ہی نہیں ہے بلکہ مخصوص بھی ہے۔

صاحب ہدایہ کفو کے مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کفو کا نسب میں اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ نسب سبب فخر ہے اور بعض قریشی بعض کے کفو ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام محمد سے روایت ہے، الا ان یكون نسبا مشهورا کاهل بیت الخلافة، اگر نسب مشہور ہے جیسے کہ خلفائے راشدین کا نسب تو پھر افضلیت کا اعمتبار کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیفہ کی نسل سے اگر قریشی لڑکی نے قریشی لڑکے کے



ساتھ جو خلیفہ کی نسل سے نہیں ہے، نکاح کیا تو اولیاء کو اعتراض کا حق ہوگا کہ وہ نکاح فسخ کرالیں۔

شمس الائمہ سرخسی اور صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ امام محمد نے جو کہا ہے صرف تعظیم خلافت کے لیے کہا ہے (ہدایہ ص ۲۰، مبسوط ص ۲۳ ج ۱) شمس الائمہ اور صاحب ہدایہ کی تصریح کے مطابق اگرچہ یہ قول امام محمد نے اہل بیت خلافت کی تعظیم کے لیے اختیار کیا ہے لیکن ہر صورت میں امام محمد نے قریش سے اہل بیت خلافت کو مستثنیٰ کر دیا ہے، جب اہل بیت خلافت کا نسب مشہور ہونے کی وجہ سے بوجہ تعظیم مستثنیٰ ہے تو اہل بیت رسول کا نسب بھی بوجہ تعظیم کے مستثنیٰ ہوگا اور بوجہ قرابت رسول مخصوص ہوگا۔ اسی لیے علماء نے اس کو شرعی احکام میں مطرد الحکم تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سید شہاب الدین "رشفہ" میں لکھتے ہیں کہ علماء شوافع میں سے "صاحب تمخیص" نے لکھا ہے کہ اولادِ فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے اور یہ امر کفایت میں مطرد الحکم ہے "ردضہ" میں بھی اس کو خصائص سے شمار کیا گیا ہے۔

علماء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ حضور کی طرف قواعد انتساب سے یہ بھی ہے کہ کھنڈ کو ان کا باپ اندہ انہیں آپ کی اولاد کہا جائے جیسے کہ "آیت مباہلہ" اور احادیث میں ہے اور اس کا اعتبار احکام میں بھی کیا جائے جیسے وقف، وصیت اور کفایت وغیرہ میں اسی وجہ سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہے وہ اس کا کفو نہیں بن سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔

ہو ہاشم و بنو عبد المطلب ایک دوسرے کے کفو ہیں مگر ان سے کوئی بھی اولادِ حسن و حسین کا کفو نہیں ہے، کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ کفایت کی قرب رسول میں مساوات ہو اور وہ اس بارے میں مساوی نہیں گویا کہ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو بنات قریش میں نہیں پائی جاتی۔ سید شہاب الدین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہمارے سادات علوی حسنی و حسینی کا یہ قدیم دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی شریف صحیح النسب میں ہی کرتے ہیں۔ اس نسبِ شریف کی حفاظت کے لیے وہ غیر شریف (غیر سید) سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اس کا ولی راضی ہوں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس نسب طاہر کا حق ایسی کو ہے ہے جو حسنین کی طرف منسوب ہو، یہ حق نہ صرف کسی عورت کو ہے نہ اس کے ولی کو اور سارے اولادِ حسنین کے یہ حق کا راضی ہونا ناممکن ہے۔ آج تک اسی پر عمل ہے۔ یہ لوگ بہترین نمونہ اور قابل تقلید ہیں۔ کیونکہ ان میں فقہاء و صلحاء و اقطاب و اولیاء ہیں جن کی مخالفت ہمارے لیے جائز نہیں ہے اس چیز میں جس کی انہوں نے اساس رکھ دی ہے اور جس پر وہ عمل پیرا رہے ہیں ہمیں صرف انہی کی سیرت پر چلنا اور ان کی اقتداء کرنا چاہیے، انہیں ایسے اختیارات

اور ایسی نگاہیں حاصل ہیں کہ نقیہ ان کے اسرار کو نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے اس اختیار و نظریہ کی تائید سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے کہ فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں حسب و نسب والی لڑکیوں کی شادی کو صرف کفو میں کرنے ہی کی اجازت دوں انتھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ سادات کے نسب میں یہ خصوصیت ہے کہ ان کا ہم کفو وہی ہوگا جو ان کی طرح نسب و عترت میں سے ہو جیسے کہ خصوصیت ۱۹ میں ہم نے ذکر کیا ہے اگر کسی کو یہ قربت حاصل نہیں ہے تو وہ سادات کا ہم کفو نہیں ہے اگرچہ عورت اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں۔ کیونکہ یہ نسب دوسرے عام نسبوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کی وہ خصوصیات ہیں جو دوسرے نسبوں میں نہیں ہیں جیسے کہ ہم نے اس کے دس خصوصیات بیان کیے ہیں۔ دوسرے عام نسبوں میں اگر عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو غیر کفو میں نکاح کر سکتے ہیں لیکن سادات کے نسب کا تعلق چونکہ قرابت رسول سے ہے اور یہ قرابت ایسی ہے جس کی مثل دیگر نسبوں میں معدوم ہے۔ لہذا اگر عورت اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں تو پھر بھی غیر کفو میں نکاح نہ ہوگا کیونکہ قرابت رسول سادات کے نسب کی خصوصیت ہے اور یہ کفایت میں مطرد الحکم ہے جیسے کہ خصوصیت ۲۰ میں گذر چکا ہے کہ اگر یہ قرابت رسول جو حکم کے لیے علت مناسبہ ہے پائی جائے گی تو حکم بھی پایا جائے گا اگر علت مناسبہ نہ پائی گئی تو حکم بھی نہ پایا جائے گا۔ یعنی سیدہ کی نسبت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اس کا ہم کفو بھی وہی ہوگا جو کہ سیدہ ہو، جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہو۔ اگر ایسی صورت ہوئی تو حکم بھی پایا جائے گا، یعنی ان کا باہمی اگر نکاح کیا گیا تو ہو جائے گا۔ اگر لڑکا غیر سیدہ ہو تو پھر نکاح نہیں ہوگا اگرچہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہوں۔ اگر سیدہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں اس کی رضا اور اس کے ولی کی رضا سے منع ہو جائے تو پھر نسب سادات کے جو خصوصیات ہیں وہ خصوصیات ہی نہ رہیں گے۔ حالانکہ ہم پہلے سادات کے نسب کی خصوصیات کی بحث میں ذکر کر آئے ہیں کہ جو سادات کے نسب کے خصوصیات ہوں گے وہ اسی کے ساتھ ہی مختص ہوں گے غیر میں نہیں پائے جائیں گے۔ مثلاً سادات کے نسب کا خاصہ ہے کہ وہ موصول ہے اور قیامت کے دن بھی منقطع نہیں ہوگا جیسے کہ خصوصیت ۲۱ میں گذر چکا ہے اور یہ بھی خاصہ ہے کہ سادات اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اولاد ہیں، خصوصیت ۲۲ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں حسن اور حسین کا باپ ہوں اور یہ نسب محفوظ اور منضبط ہے جیسے کہ خصوصیت ۲۳ میں ہے۔ یہ نسب پاکیزہ اور طاہر ہے جیسے کہ خصوصیت ۲۴ میں بیان ہو چکا ہے، اور سادات جو اس نسب اطہر سے متعلق ہیں ان کی تعظیم فرض ہے۔ ملاحظہ کیجئے خصوصیت ۲۵، اور

سادات صرف وہ ہوں گے جو حضرت فاطمہ الزہرا اور حسین کریمین کی صلبی اولاد سے ہوں گے اور جو سید زادی غیر کفو میں نکاح کرے گی اصل نسب سے کٹ جائے گی، دیکھئے خصوصیت ۷، ۸ اور اس نسب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کے احکام علیہ ہیں بلکہ اس کی طرف جو نسبت ہو جائے اس کے بھی احکام بدل جاتے ہیں۔ خصوصیت ۷ ملاحظہ کریں۔ جب اس نسب کے خصوصیات ہیں اور احکام علیہ ہیں تو اب لڑکی اور اس کے ولی کی رضا سے احکام تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اگر لڑکی اور اس کے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح منعقد ہو جاتا تو چاہیے تھا کہ اس کی اولاد کا نسب سادات والا برقرار رہتا۔ حالانکہ جب یہ سیدہ غیر کفو میں نکاح کرے گی تو اس کی آگے جو اولاد ہوگی وہ نسب سادات سے کٹ جائیگی۔ جس سے ظاہر ہے کہ سادات کا کفو وہی ہوگا جس کو سادات کی طرح قرابت رسول حاصل ہو اگر سادات کا نسب خصائص کے تابع نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تخصیص نہ فرماتے۔ حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو! واللہ میرا نسب دنیا و آخرت میں موصول ہے (ذخائر العقبی ص ۱۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نسب و سبب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا سبب و نسب باقی ہے گا، اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت (اولاد) اس کی صلب (پشت) میں رکھی مگر میری ذریت صلب علی میں رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالتخصیص نسب کا تذکرہ فرمانا اس پر واضح دلیل ہے اس نسب کا ہم کفو وہی ہوگا جو نسبِ عترت سے ہو اور جو عترت رسول سے نہیں ہے وہ سادات کا ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ دوسرے الفاظ میں سیدہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہے اس لیے اس کا ہم کفو بھی سیدہ ہی ہوگا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ سیدہ کا نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہونے کی وجہ فساد زمانہ نہیں ہے بلکہ سیدہ کا نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہونے کی وجہ علت مناسبہ یعنی قرابت رسول کا نہ ہونا ہے۔ یعنی سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ منعقد نہ ہونا فساد زمانہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ اس وجہ سے نہیں ہو رہا کہ سیدہ نسب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور غیر سیدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہے۔ اگر سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ ہوگا تو یہ اس کی توہین اور بے ادبی ہوگی، یہی غیر کفو میں نکاح نہ ہونے کی درحقیقت علت ہے جس کا تذکرہ فقہاء نے کیا ہے، فساد زمانہ علت نہیں ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں، بعدم جوازہ اصلاً ہذا روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ لان وجہ عدم الصحۃ علی ہذا الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء یہ نکاح بالکلیہ جائز نہیں ہوگا۔ یہی روایت

حسن بن زیاد کی امام ابوحنیفہ سے ہے۔ اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے، کیونکہ جب نکاح غیر کفو میں ہوگا تو اولیاء اور وارثوں کے لیے باعث عار ہوگا۔ اب یہاں علامہ شامی نے تصریح کر دی ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت جو کہ مفتی بہا ہے اس میں نکاح نہ ہونے کی علت فساد زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کی علت اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے جو کہ اولیاء کے لیے باعث ننگ و عار تھا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں، الکفارة فی النکاح معتبرة لان انتظام المصالح بین المتکافئین عادة لان الشریفة تابی ان تكون مستفرشة للخسیر فلا بد من اعتبارها (رد المحتار ص ۵ ج ۲ ہدایہ ص ۲۹۹ ج ۲) کہ نکاح میں کفو کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ نکاح کے مقاصد اور مصلحتوں کا انتظام باہمی کفو ہونے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ نسب کی عورت ایک گھٹیا قسم کے مرد کی بیوی بننا پسند نہیں کرتی۔ اعلیٰ نسب کے عورت کے لیے اعلیٰ نسب کا ہی مرد ضروری ہے کیونکہ اگر مرد گھٹیا قسم کا ہوگا تو جیسے عورت کے لیے ننگ و عار کا باعث ہے اسی طرح اس کے ولیوں کے لیے بھی ننگ و عار کا باعث ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کی علت اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا اور ان کو توہین اور عار سے بچانا ہے جو ان کے نسب میں واقع ہو رہی ہے۔ غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت فساد زمانہ نہیں ہے بلکہ یہ تو نکاح غیر کفو میں ہونے کے بعد اس کے عدم فسخ کے لیے سبب ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں، وهو المختار للفتویٰ وقال شمس الائمة وهذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم لانه لیس کل ولی یحسن المرافقة والمخصوصة ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترک النفة للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان مفعلا دفعا، اور یہ فتویٰ کے لیے مختار ہے اور یہ احتیاط کے قریب ہے علامہ قاسم المتوفی ۱۰۶۹ھ کی تصحیح میں بھی یوں ہے، کیونکہ ہر ولی عدالت میں فسخ نکاح کے لیے رجوع نہیں کر سکتا نیز ہر قاضی بھی عادل نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر کفو میں نکاح فسخ کر دے اور اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت عدالت سے کر سکے اور قاضی بھی عادل ہو تو پھر بھی بعض اوقات حکام کے دروازوں پر چکر لگانے کی خفت اور عار اور اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ضرر ہمیشہ کے لیے پختہ ہو جاتا ہے۔ پس اس ضرر کا دفع یہی ہے کہ ہنسیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ علامہ شامی نے فساد زمانہ کی صورتیں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض دفعہ ہر ولی عدالت کی طرف فسخ کے لیے صحیح رجوع نہیں کر سکتا اور بعض مرتبہ قاضی عادل نہیں ہوتا کہ وہ نکاح کو فسخ کر دے اور بعض دفعہ انسان حکام کے دروازوں

پر جانے میں عار اور خفت محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ ان تمام چیزوں کا فسادِ زمانہ سے تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے نکاحِ منسوخ ہونا مشکل ہوگا۔ جب نکاحِ فسادِ زمانہ کی وجہ سے منسوخ ہونا مشکل ہے تو فقہاء نے بنیادی طور پر یہ فتویٰ دیا کہ غیر کفو میں نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ ثابت ہوا نکاح کے فسخ ہونے کا باعث فسادِ زمانہ ہے نہ کہ فسادِ زمانہ نکاح کے عدم جواز کی علت ہے۔ علت تو غیر کفو میں نکاح نہ ہونے کی توہین اولیاء ہے۔

بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکی اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو غیر کفو میں بھی نکاح ہو جاتا ہے لیکن یہ عام لوگوں میں تو ہو سکتا ہے کیونکہ عوام میں باہمی رضامندی کے بعد بالخصوص عجمیوں کے اندر ننگ و عار نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ یہ لوگ نسب کو اہمیت نہیں دیتے، عرب چونکہ نسب پر فخر کرتے ہیں اور اسکو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں لہذا ان کے نزدیک عارضی رضامندی کے بعد بھی یہ عیب اور عار مرتفع نہیں ہوگا۔ خصوصاً جب سیدہ کا نکاح غیر کفو یعنی کسی عجمی کے ساتھ کیا جائے گا جو کہ 'اصل مسئلہ' ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک میں عار اور عیب ہوگا جو کہ کبھی بھی رفع نہیں ہوگا اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہو جائیں کیونکہ ان کا راضی ہونا وقتی اور دنیاوی مفاد پر مبنی ہے اور اس سیدہ کا نسب مخصوص ہے۔ اس کے اندر جو عیب لاحق ہوگا اس کو عیب ہی تصور کیا جائے گا اور یہ عیب اور غیر منفق ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ انقضائے نسب ہوگا جو کہ خود ایک بڑا عیب ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ ہمارا نسب منقطع ہونے والا روز قیامت تک نہیں ہے اور یہ غیر کفو میں نکاح کرنے والا اور کر دینے والا دونوں نسب کو منقطع کریں، اس سے نسب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور بڑھی کیا توہین ہوگی۔ اسی لیے علامہ سید شہاب الدین لکھتے ہیں کہ اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے صحیح النسب سادات غیر سید سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہوں کیونکہ سادات جانتے ہیں کہ اس نسب پاک کا حتیٰ اسی کو پہنچتا ہے جو حسین کریم کی طرف منسوب ہو۔ یہ حق نہ صرف کسی عورت کا ہے نہ اس کے ولی کا۔

غرض سادات کے نسب کے احکام خاص ہیں۔ یہ عورت اور اس کے ولی کی رضامندی سے بدلتے نہیں اگر عورت اور ولی دونوں رضاً سے غیر کفو میں نکاح کریں گے تو یہ نکاح بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوگا۔

## بحث ثالث : اگر عاقلہ بالغہ عورت نے ولی کی رضا کے بغیر نکاح کیا تو اس کی درج ذیل صورتیں

ہیں -

۱- اگر عورت عاقلہ بالغہ (باکرہ ہو یا شیبہ) نے نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کیا اور کفو میں کیا تو جائز ہے -

۲- اگر عورت عاقلہ بالغہ نے نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں کیا تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفایت معتبر ہے لیکن اس روایت پر فتویٰ نہیں ہے -

۳- حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے اگر عورت عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح غیر کفو میں کر لیا تو بنیادی طور پر منعقد ہو ہی نہیں سکتا۔ اس روایت پر فتویٰ ہے اور یہی مختار ہے۔  
۴- اگر لڑکی عاقلہ بالغہ نے غیر کفو میں نکاح کر لیا اور لڑکی کا نسب مشہور ہے جیسے کہ اہل بیتِ خلافت کا نسب مشہور ہے، مثلاً خلیفہ کی لڑکی سے قریشی لڑکی نے قریشی لڑکے کے ساتھ جو کہ خلیفہ کی نسل سے نہیں نکاح کیا تو اس لڑکی کے وارثوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نکاح فسخ کرالیں۔

۵- عاقلہ بالغہ نے نکاح غیر کفو میں کیا لیکن لڑکی سیدہ نہیں ہے اور اس کا ولی کوئی نہیں جو اعتراض کرے یا ولی غیر کفو میں نکاح کرنے پر راضی ہے تو نکاح ہو جائے گا۔ لیکن یہ عام نسبوں میں ہوگا، سادات میں نہیں ہوگا کیونکہ سادات کا نسب صرف مشہور ہی نہیں ہے بلکہ مخصوص بھی ہے۔ جب امام محمد کی روایت کے مطابق مشہور نسب (اہل بیتِ خلافت) قریشی خاندان سے مستثنیٰ ہے تو سادات کا نسب جو مشہور بھی اور مخصوص بھی ہے بطریق اولیٰ مستثنیٰ ہوگا اس حیثیت میں ہو جائے گا کہ غیر کفو میں بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ کیونکہ مخصوص نسب اپنے خصائص کے پیش نظر مطرد للحکم ہوگا۔ یعنی اگر سیدہ کا نکاح سیدہ کے ساتھ ہوگا تو منعقد ہوگا، اگر سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ ہو تو منعقد نہ ہوگا اور عدم جواز کی علت نسبِ عزت رسولؐ ہے، اگر متحقق ہوئی تو نکاح ہو جائے گا، اگر علت متحقق نہ ہوئی تو نکاح نہیں ہوگا۔

۶- اگر لڑکی عاقلہ بالغہ سیدہ نے غیر کفو یعنی عجمی کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ ظاہر روایت میں ہے کہ عربی عورت کا عجمی مرد ہم کفو نہیں ہو سکتا، یہ اصل مسئلہ ہے۔ اسی کے متعلق استفتاء تھا جس کا جواب فتاویٰ جماعتیہ میں لکھا گیا کہ سیدہ زادی کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ حسن بن زیاد کی روایت (۲) ہمارے اصل مسئلہ یعنی سیدہ نے غیر کفو میں یعنی عجمی مرد کے ساتھ نکاح کیا اس کو

بھی شامل ہے اور لڑکی غیر سیدہ (۵) نے غیر کفو میں نکاح کیا اس کو بھی شامل ہے۔ یعنی حسن بن زیاد کی روایت ۴، ۵ دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ البتہ اگر لڑکی غیر سیدہ ہے اور یہ اور اس کا دل دونوں راضی ہو گئے تو پھر نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر لڑکی سیدہ ہے تو پھر نکاح باہی وجہ نہیں ہوگا کہ سیدہ کا نسب صرف مشہور نہیں ہے بلکہ مخصوص بھی ہے۔ جب مشہور نسب والی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں نہیں ہوگا تو پھر جس کا نسب مشہور بھی ہے اور مخصوص بھی ہے اس کا نکاح بھی غیر کفو میں نہیں ہوگا۔ یعنی اب سیدہ کا نکاح غیر کفو یعنی قریشی، ہاشمی اور عباسی مرد کے ساتھ نہیں ہوگا کیونکہ یہ سیدہ کے ہم کفو نہیں ہیں کہ ان کو نسب عترت رسول حاصل نہیں ہے جو کہ نکاح کے جواز و عدم جواز کے لیے علت مناسبہ ہے اور حکم کے لیے اطراد ہے۔ جب قریشی اور ہاشمی اور عباسی مرد کے ساتھ نہیں ہوگا تو عجمی کے ساتھ کیسے ہوگا۔ حالانکہ ظاہر روایت کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ عربی عورت کا عجمی مرد ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ جب عجمی مرد کا عربی عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا تو عجمی مرد کا سیدہ کے ساتھ کیسے ہوگا جس کا نسب مشہور بھی ہے اور مخصوص بھی ہے۔ یہاں اگر عورت اور اس کے ولی کی رضا مندی بھی ہو جائے تو پھر بھی منعقد نہیں ہوگا کیونکہ اولاد رسول کا ہم کفو صرف اولاد رسول ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ فتاویٰ کبریٰ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصال سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی خاتون جنت کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہم کفو اور مثل نہیں ہے، آپ کی اولاد کا بھی ہم کفو نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عترت میں ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ظاہر مذہب والی روایت پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ فتویٰ حسن بن زیادہ کی روایت پر ہے کہ اگر کسی عورت نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو بنیادی طور پر یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

**بحث رابع:** اگر عاقلہ بالغ لڑکی نکاح بغیر اجازت ولی کے کرتی ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا فتویٰ

قاضی خان میں ہے، وان لم یکن کفواً لا یجوز النکاح اصلاً وهو المختار فی زماننا روایۃ الحسن قال الشیخ الامام شمس الایمۃ السرخسی رحمۃ اللہ علیہ روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط اذ لیس کل ولی یحسن المرافعة الی القاضی ولا کل قاض یمد فی کان الاحوط سد باب التزویج علیہا من غیر کفو، فتاویٰ قاضی خان ۲۳۵، فتح القدر ۲۵۵ ج ۲، حاشیہ تبیین الحقائق ص ۱۲۸، للشلبی بحر الرائق ص ۱۱۸ ج ۲، تبیین الحقائق ص ۱۱۸ ج ۲، شرح وقایہ ص ۱۱۸ ج ۲، بسوط ص ۱۱۸ ج ۲،

فتاویٰ عالمگیری ص ۲۹۲، اور اگر کفو نہ ہو تو نکاح بالکل منعقد نہیں ہوگا اور ہمارے زمانہ میں حسن بن زیاد کی روایت ہی مختار ہے۔ شمس الایمہ سرخی فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد کی روایت احتیاط کے بہت قریب ہے کیونکہ ہر ولی قاضی کی طرف صحیح طور پر رجوع نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہر قاضی عادل ہوتا ہے، پس احتیاط اسی میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے منعقد ہونے پر پابندی لگا دی جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت پر ہی فتویٰ ہے۔ جب شمس الایمہ اور قاضی خان اور دیگر فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت کو مفتی بہا کہہ دیا ہے تو اب ظاہر مذہب دلی روایت پر فتویٰ ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ حسن بن زیاد کی روایت پر ہی فتویٰ ہوگا، کیونکہ علامہ طرطوسی المتوفی ۵۸۰ھ لکھتے ہیں، لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الیہ ولا یفتی ولا یعول الیہ کہ مبسوط سرخی کے خلاف عمل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے خلاف دوسری کتابوں کی طرف توجہ ہوگی اور اسی پر ہی اعتماد کیا جائیگا اور اسی پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔ اسی طرح قاضی خان جب کسی مسئلہ کے متعلق فیصلہ کر دیں کہ اس مسئلہ میں یہ قول مختار ہے تو اس قول پر اعتماد کیا جائے گا، قاسم بن قطلوبغا لکھتے ہیں: قاضی خان اجل من یعتمد علیہ و تصحیحہ مقدم علی تصحیحہ غیرہ کہ قاضی خان ایک معتمد علیہ شخصیت ہیں جب کسی قول کی تصحیح کر دیں تو وہی قول صحیح ہوتا ہے۔ جب امام سرخی اور قاضی خان و دیگر فقہاء نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے تو فتویٰ اسی پر ہی ہوگا کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ بعض دفعہ ظاہر مذہب اور ہوتا ہے اور مفتی بہ قول اور ہوتا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے کہ کنز الدقائق بحیثیت متن کے متون اربعہ سے زیادہ مضبوط اور زیادہ مشہور ہے لیکن پھر بھی صاحب کنز الدقائق اپنی اس مایہ ناز، متن میں ستر مسائل وہ لے آئے ہیں جن پر فتویٰ نہیں ہے یعنی فتویٰ دوسرے اقوال پر ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ آزاد عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو صاحب کنز فرماتے ہیں یہ جائز ہے (کنز الدقائق ص ۲۸۵) لیکن فتویٰ اس پر نہیں ہے بلکہ فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے کہ بنیادی طور پر یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا (رد المحتار ص ۲۱۱)

اسی طرح صاحب کنز نے اس بات کا بھی اپنی اس متن میں التزام کیا ہے کہ وہ اس میں وہ مسائل ذکر کریں گے جو کہ ظاہر روایت ہوں گے لیکن پھر بھی مصنف کنز میں ۲۵ ایسے مسائل لے آئے ہیں جو کہ ظاہر روایت نہیں ہیں، بلکہ نادر روایات ہیں مثلاً "کتاب النکاح فصل فی الکفار" میں کفادت کے سلسلہ میں حرفت اور پیشہ کا اعتبار کرتے ہیں حالانکہ یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر روایت میں اس کا اعتبار نہیں ہے (فتح القدیر ص ۲۲۴ ج ۲) اس سے واضح ہوا کہ بعض مواقع پر فقہاء اگرچہ ظاہر مذہب کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ مفتی بہ نہیں ہوتا۔



فتویٰ دوسرے قول پر ہوتا ہے جیسے کہ یہاں فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے، اس لیے فتویٰ دینے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ بھی دیکھے کہ فتویٰ کس روایت پر ہے تاکہ ایسی صورت نہ ہونے پائے کہ غیر مفتی بہ قول کو مفتی بہ سمجھ کر فتویٰ دے۔ لہذا مفتی پر لازم ہے کہ وہ مفتی بہ قول کا تجسس کرے اور فتویٰ دیتے وقت مرتکب جزئیہ تلاش کرے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ فتویٰ قرآن و حدیث سے دینا چاہیے یہ ان کی صریح غلط فہمی ہے کیونکہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کر کے علم وفقہ کی صورت میں مدون کر دیئے ہیں اور اس زمانہ میں چونکہ فتویٰ دینے والے حضرات مجتہد نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت صرف ناقل کی ہے اور ناقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوال کے جواب میں فقہ سے مرتکب جزئیہ ذکر کر دے۔ علامہ ابن سہام لکھتے ہیں: **وَمَا غَيْرَ الْمُجْتَهِدِ مِمَّنْ يَحْفَظُ اقْوَالَ الْمُجْتَهِدِ فَلَيْسَ بِمُفْتٍ وَالرَّاجِبُ عَلَيْهِ إِذَا سَأَلَ أَنْ يَذْكَرَ قَوْلَ الْمُجْتَهِدِ كَأَبِي حَنِيفَةَ عَلَى جِهَةِ الْحَكَائِثِ فَعَرَفَ أَنْ مَا يَكُونُ فِي زَمَانِنَا مِنْ فَتَوَى مَوْجُودِينَ لَيْسَ بِفَتَوَى بَلْ هُوَ نَقْلُ كَلَامِ الْمُفْتَى لِيَأْخُذَ بِهِ الْمُسْتَفْتَى، (فتح القدیر ص ۲۵۶ ج ۷، عمدۃ الرعاہ ص ۱۱۱) ترجمہ، اور جو مجتہد نہیں اقوال مجتہد یاد رکھتا ہے تو وہ مفتی نہیں ہے۔ اس سے جب سوال کیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ کسی مجتہد مثل امام ابو حنیفہ کا قول بطریق حکایت نقل کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں جو موجود لوگوں سے فتویٰ لیا جاتا ہے یہ فتویٰ نہیں بلکہ مفتی کی کلام کی نقل ہے کہ سوال کرنے والا اس کے موافق عمل کرے۔ علامہ سید احمد حموی المتوفی ۱۰۹۸ھ حواشی الاشباه والنظائر میں لکھتے ہیں: **لَا يَحِلُّ الْاِفْتَاءَ مِنَ الْقَوَاعِدِ وَالضُّوَابِطِ وَاِنَّمَا عَلَى الْمُفْتَى حَكَايَةَ النُّقْلِ الصَّرِيحِ كَمَا صَرَّحُوا بِهِ، (عمدۃ الرعاہ ص ۱۱۱) کہ قواعد و ضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں بلکہ یہی مفتی پر واجب ہے کہ نقل صریح کو بیان کرے جیسے کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مفتی پر لازم ہے کہ وہ سوال کے جواب میں فقہاء کی عبارات سے مرتکب جزئیہ ذکر کرے نہ کہ قواعد و ضوابط سے خود استنباط کرنے کی کوشش کرے بلکہ اس کی حیثیت چونکہ ناقل کی ہے لہذا اپنی حیثیت سے باہر ہونے کی کوشش نہ کرے، قرآن و حدیث کی وہی عبارات تحریر کرے جو فقہاء نے ذکر کی ہیں۔ اس زمانہ کے مفتی کے لیے قرآن و حدیث سے فتویٰ دینا کوئی اصول نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جواب میں فقہی عبارات ذکر کرے بلکہ صریح جزئیہ ذکر کرے، جب "اصل مسئلہ" میں حسن بن زیاد سے صریح نص موجود ہے کہ غیر کفو میں بنیادی طور پر نکاح نہیں ہوتا اور فقہاء فرماتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے، تو اب نامہ مذہب کی آڑ لے کر ظاہر مذہب پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا بلکہ جس روایت کو فقہاء نے مفتی بہ کہا ہے اسی پر ہی فتویٰ ہوگا، یعنی حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہوگا کہ غیر کفو میں بنیادی طور پر نکاح منع ہے نہیں ہوتا۔****

**بحث خامس :** قاضی خان نے اور دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہے، فقہاء نے لفظ "فتویٰ" استعمال کر کے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ظاہر مذہب کی روایت قابل فتویٰ نہیں ہے بلکہ قابل فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ کیونکہ فتویٰ کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ سے زیادہ تر "فتویٰ" کا لفظ ہی دقیق اور معتبر ہے تو گویا کہ فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت کو مضیٰ بہا تہرار دینے کے لیے "فتویٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت جہور فقہاء کے نزدیک بھی قابل فتویٰ ہے۔ مزید برآں لفظ "مختار" اور "احتیاط" نے اس کو مضبوط تر بنا دیا ہے کہ ظاہر مذہب والی روایت حسن بن زیاد کی روایت کے مقابلہ میں قابل عمل نہیں ہے بلکہ معتبر اور قابل عمل اور قابل فتویٰ روایت حسن بن زیاد کی ہے کیونکہ اس کے لیے "وہو المختار للفتویٰ" کے مضبوط ترین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ فقہاء کرام اور مفتیان عظام "فتویٰ" کے لیے جو اپنی زبان اور اصطلاح میں الفاظ استعمال کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے، "علیہ الفتویٰ" اسی پر فتویٰ ہے۔ "وبہ یفتی" اور اسی پر فتویٰ دیا جائیگا۔ "وبہ ناخذ" اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ "وعلیہ الاعتقاد" اور اسی پر اعتماد ہے۔ "وعلیہ عمل الیوم" اور اسی پر ان دنوں عمل ہے۔ "وہو الظاہر" اور یہی ظاہر ہے۔ "وعلیہ عمل الامة" اور اسی پر امت کا عمل ہے۔ "وہو الصحیح" اور یہی صحیح ہے۔ "او الاصح" اور یہ بہت صحیح ہے۔ "او الاظہر" اور بہت اظہر ہے۔ "او الاشبه" یہ اشبہ ہے۔ "او الاوجه" یہ اوجہ ہے۔ "او المختار" یہ پسندیدہ ہے۔ "وبہ یعتمد" اور اسی پر اعتماد کیا جائے۔ "بہ جرى العرف" اسی کے ساتھ عرف جاری ہوا۔ "وہو المتعارف" اور یہی متعارف ہے۔ (در مختار ص ۱۰، مقدمہ ہدایہ ص ۱۰، مقدمہ عمدة الرعاہ ص ۱۰) جب لفظ "فتویٰ" تمام الفاظ فتویٰ سے مضبوط تر ہے تو حسن بن زیاد کی روایت کو ترجیح دینے کے لیے بڑے بڑے فقہاء نے "وہو المختار للفتویٰ" کے الفاظ لاکر اس کو راجح قرار دے دیا ہے کہ غیر کفو میں بالکل عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور فسادِ زمانہ کے لحاظ سے فتویٰ کے لیے ہی قول مختار ہے جیسے کہ اس راجح روایت کو لفظ "وہو المختار" اور "اقرب الی الاحتیاط" نے مضبوط کر دیا ہے۔ اسی طرح لفظ "اصلاً" نے اس کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا ہے کہ غیر کفو میں بالکل عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اب اس کی یہ تاویل کرنا کہ اگر لڑکی اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو "فسادِ زمانہ" والی بات ختم ہو جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔ پہلے یہ بات ہی غلط ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے لیے علت فسادِ زمانہ ہے بلکہ غیر کفو میں نکاح منعقد ہونے کی علت ننگ و عار ہے۔ فسادِ زمانہ تو عدم فسخ نکاح کے لیے سبب ہے جیسے کہ پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔ اگر عورت اور اس کا ولی دونوں راضی ہو جاتے ہیں تو یہ عام لوگوں کے نسب میں ننگ و عار کا ختم ہونا

تو ممکن ہے لیکن سادات کے نسب میں ننگ و عار کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ اگر سیدہ نے غیر کفو میں نکاح کیا تو ظاہر روایت کے مطابق یہ عجمی مرد عربی عورت کا ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ جب عربی عورت کا ہم کفو نہیں ہوگا تو قریشیہ، ہاشمیہ اور عباسیہ کا ہم کفو کیسے ہو سکتا ہے۔ اور مزید برآں امام محمد نے اہل بیت خلافت کو قریش سے مستثنیٰ کر لیا ہے۔ جب عجمی مرد عربی عورت کا ہم کفو نہیں ہو سکتا اور امام محمد نے اہل بیت خلافت کو قریش سے نکال لیا ہے تو پھر سیدہ کے لیے یہ عجمی کیسے ہم کفو ہو سکتا ہے۔ ہم پہلے متعدد مرتبہ ذکر کر چکے کہ سیدہ کا نسب چونکہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس کا ہم کفو وہی ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ اگر غیر سیدہ ہوگا جیسے کہ عجمی تو پھر سیدہ کے ساتھ نکاح کرنے سے اگرچہ سیدہ اور اس کا ولی راضی بھی ہوں تو ننگ و عار ختم نہیں ہوگا۔ سیدہ کے لیے صرف ننگ و عار ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے باعث تضحیک بھی ہوگا۔ کیونکہ سیدہ کے لیے ”قرابت رسول“ ”مطرد للحکم“ ہے، اس کا ہم کفو وہی ہوگا جو اس کی طرح قرابت رسول رکھتا ہو۔ اگر قرابت رسول نہیں رکھتا تو وہ ہم کفو نہیں ہوگا۔ لہذا سیدہ کا نکاح غیر کفوئیں بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ جہاں اطراد ہو وہاں عورت اور اس کے ولی کی رضا کا اعتبار نہیں ہے بلکہ علت مؤثرہ کا اعتبار ہوگا۔ ایک دو افراد کی رضامندی سے علل مناسبہ اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ البتہ عام نسبوں میں اگر عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو گنجائش ہے کیونکہ عام نسبوں میں کسی قسم کا اطراد شرعی نہیں ہے لیکن سادات کے نسبوں میں چونکہ ”قرابت رسول“ ”مطرد للحکم“ ہے جیسے کہ ”رشفہ“ کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ ”قرابت رسول“ کو کفایت وغیرہ میں علماء نے ”مطرد للحکم“ مانا ہے۔ لہذا علت مؤثرہ کی عدم موجودگی میں حکم بھی معدوم ہوگا اور غیر کفو میں نکاح بالکل منعقد نہیں ہوگا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اگر سیدہ نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کیا تو مرے سے نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ان دونوں نے دنیاوی مفاد کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا ہو اور دونوں غیر کفو میں نکاح کرنے پر راضی ہو گئے ہوں لیکن ان دونوں کی باہمی رضامندی عام نسبوں میں تو ننگ و عار کو ختم کر سکتی ہے کیونکہ عام نسبوں میں کوئی صورت ”مطرد للحکم“ نہیں ہے لیکن سادات کے نسب میں چونکہ قرابت رسول مطرد للحکم ہے۔ لہذا اگر عورت میں قرابت رسول متحقق ہوئی اور مرد میں نہ ہوئی تو پھر بنیادی طور پر نکاح منعقد نہ ہوگا۔ عورت اور اس کے ولی کی رضا سے ننگ و عار کا خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ اضافہ ہوگا اور تزییل و تضحیک ہوگی۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ فساد زمانہ کی وجہ سے سنتی حسن بن زیاد کی روایت پر ہے کہ غیر کفو

میں بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا۔

**بحث سادس:** اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو حسن بن زیاد کی روایت ہے کہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر سید زادی نے غیر کفو میں نکاح کیا تو حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق نکاح نہیں ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ احناف صرف فساد زمانہ کی بنا پر غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اگر یہ خطرہ نہ ہو اور ولی اور عورت دونوں رضامند ہوں تو کسی خاندان میں بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ منعقد ہو جانا از روئے شریعت محمدی ناجائز نہیں بشرطیکہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں اس پر رضامند ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ سیدہ کا کسی خاندان میں بھی غیر سیدہ کے ساتھ نکاح ہو جانا ہے نہایت سخت ترین توہین آمیز الفاظ ہیں۔ اگر ایک گھٹیا قسم کا آدمی ان الفاظ پر غور کرے تو کیا نتیجہ اخذ کرے گا۔ اگر کسی خاندان میں جیسا ہی وہ ہو نکاح ہو سکتا ہے تو پھر نسب کا کیا اعتبار رہا۔ اگر صرف عورت اور اس کے ولی رضامندی کی صورت تھی تو پھر نکاح میں کفو کا کوئی تعلق ہی نہ رہا باوجودیکہ حدیث پاک میں ہے، **الا لا یزوج النساء الا الایار ولا یزوجن الا من الاکفاء**، اس حدیث کا مفہوم ظاہر ہے کہ نکاح ولی کریں اور کفو میں کریں تو جب کفو کا شریعت میں اعتبار ہے تو پھر یہ کہنا کہ سیدہ بھی کسی خاندان میں غیر سیدہ کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے کتنا ناقص جملہ ہے کیونکہ اصل مسئلہ جو زیر بحث ہے وہ ہے سید زادی کا نکاح غیر کفو یعنی عجمی مرد کے ساتھ کرنا۔ اس مسئلہ کا تعلق چونکہ ایک مخصوص نسب کے ساتھ ہے جس کی افضلیت اور تخصیص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے اور یہ کہنا کہ فساد زمانہ کی بنا پر احناف عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں یعنی نکاح نہ ہونے کی علت فساد زمانہ ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نکاح کے عدم جواز کی علت وہ ہے جو امام سرخسی، صاحب ہدایہ، علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے بیان کی ہے کہ غیر کفو میں نکاح نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے، جب ننگ و عار ہوئی تو اگر سیدہ نے غیر کفو میں نکاح کیا تو اس کی سخت توہین ہوگی جس کی وجہ سے نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں ہوگا اور غیر کفو میں سیدہ کے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے خواجہ خواجگان پیر بہر علی شاہ گورڈی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی علت بیان فرمائی ہے۔ دیکھئے فرماتے ہیں:

”مودت و حب قرابت نبویہ را بر خود فرض و از اصول ایمان شمارند جو بے حد و ستم بے عد نمودہ  
چہ پڑھا ہر است کہ در صحت نکاح سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیر کفو بنا علی المودۃ فالحجۃ المذکورہ ہزار بار

دل بوجہ ہتک حرمت اہل بیت رنجیدہ و شکستہ خواہند بود متون فقہ مملو اند و مشحون از عدم این چنین  
نکاح اعدم کفارة العجی لایکون کفو اللعربیة ولو کان عالماً و سلطاناً و هو الاصح،  
(در مختار) ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً و هو المختار للفتوی لفساد الزمان،

کہ اہل قرابت سے محبت رکھنا تمام اہل اسلام اصول ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی وجہ سے  
ہزاروں دل اہل بیت کی ہتک و حرمت سے رنجیدہ ہوں گے اور تمام متون فقہ اس قسم کے نکاح کے عدم جواز پر متفق  
ہیں کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے جیسے کہ در مختار میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ نکاح غیر کفو میں جائز نہیں ہے۔  
حضرت خواجہ خواجگان پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس نکاح کے عدم جواز کی علت فساد زمانہ کو  
نہیں قرار دیا بلکہ تفریح کی ہے کہ اس کی علت ہتک حرمت اہل بیت ہے لہذا یہ نکاح نہیں ہے۔ اسی لیے آپ  
نے اپنے اس تمام فتویٰ میں محبت اور مودت اہل بیت کا بار بار ذکر کیا ہے کہ جب اہل قرابت سے محبت رکھنا تمام  
اہل اسلام اصول ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی وجہ سے ہزاروں دل اہل بیت کی ہتک  
حرمت سے رنجیدہ ہوں گے۔

غور کیجئے کہ واضح تفریح موجود ہے کہ اس نکاح میں ہتک حرمت اہل بیت ہے جس سے ثابت ہوا کہ  
غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کی علت اصل مسئلہ میں ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ اس میں آپ نے یہ تخصیص  
نہیں فرمائی کہ اگر عورت اور ولی راضی ہیں تو پھر ہتک حرمت اہل بیت نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ نکاح  
میں عزت برقرار نہیں رہتی کیونکہ سادات کا نسب مخصوص ہے۔ سیدہ کو جو قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم کی حاصل ہے وہ غیر سید کو حاصل نہیں۔ لہذا صورت مذکورہ میں نکاح ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔  
بحث سابع : سیدہ کا نکاح غیر کفو میں یعنی عجمی مرد کے ساتھ ہونے کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے  
ہوئے حضرت گوٹری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت ہتک حرمت اہل بیت بیان کی ہے لیکن آپ نے فتویٰ کی  
بنیاد مودت و محبت اہل بیت پر رکھی ہے کیونکہ جس کے ساتھ محبت ہوگی یقیناً انسان اس کی توہین نہیں  
کرتا۔ خصوصاً جب اہل بیت کے ساتھ مودت و محبت کا حکم شرعی ہو اور مسلمانوں پر فرض ہو جیسے قرآن پاک  
میں ہے، قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربی، تم فراد میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا  
مگر قرابت کی محبت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب "آیت" قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة

فی القربی، نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ من قرأتک ہوا الذین رجبت علینا  
 مودتہم قال علی وفاطمۃ وولداہما وہ آپ کے کون قریبی ہیں جن کی مودت (محبت) فرض ہوئی ہے۔ فرمایا علی  
 اور فاطمہ اور ان کی اولاد (تفسیر درمنثور) زیر آیت قل لا استلکم سورہ شوریٰ، تفسیر ابن جریر طبری ص ۲۵، حلیۃ  
 الاولیاء ص ۲۱ ج ۳، مستدرک ص ۱۷۲ ج ۳، ذخائر العقبی ص ۱۲۸، مجمع الزوائد ص ۱۳۶ ج ۹، صواعق محرقة ص ۱۱، اسد  
 الغابہ ص ۲۶۷ ج ۵، کنز العمال ص ۲۱۸ ج ۱، تفسیر کشاف سورہ شوریٰ، تفسیر کبیر سورہ شوریٰ، نور الابصار ص ۱۰،  
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصاً فرمایا من کنت مولاه فعلی مولاه جس کا میں دوست ہوں پس  
 علی اس کے دوست ہیں۔ صحیح ترمذی ص ۲۹۸ ج ۲، ابن ماجہ ص ۱۲، مسند احمد بن حنبل ص ۲۸۱ ج ۴، مستدرک  
 ص ۱۱۹ ج ۳، ریاض النفرہ ص ۱۶۹ ج ۲، کنز العمال ص ۳۹۷ ج ۶، مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۵۶۸ ج ۵، خصائص للنسائی  
 ص ۲۲، حلیۃ الاولیاء ص ۲۳ ج ۴، فیض القدر ص ۲۱۸ ج ۶، مجمع الزوائد ص ۱۱۳ ج ۹، اسد الغابہ ص ۲۸ ج ۴،  
 مشکل الآثار ص ۳۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۳۷۷ ج ۷، صواعق محرقة ص ۲۵، الاصابہ ص ۵۷ ج ۲۔

حضرت خاتونِ جنت علیہا السلام کے لیے بالاختصاص فرمایا فاطمۃ بضعة منی فمن اغضبہا  
 اغضبنی فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا (صحیح بخاری کتاب  
 بدأ الخلق، کنز العمال ص ۲۲ ج ۶، فیض القدر ص ۲۲۱ ج ۴، خصائص للنسائی ص ۲۵، مسند احمد بن حنبل ص ۲۲۸ ج ۴،  
 حلیۃ الاولیاء ص ۲۴ ج ۲، ترمذی ص ۲۱۹ ج ۲، صحیح مسلم فی کتاب فضائل صحابہ، مستدرک ص ۱۰۹ ج ۳، صواعق محرقة ص ۱۱،  
 الامامة والسياسة ص ۱۴، تہذیب التہذیب ص ۴۲۱ ج ۱۲، میزان الاعتدال ص ۷۲ ج ۲، ذخائر العقبی ص ۲۹، سنن  
 بیہقی ص ۳ ج ۶، اس حدیث میں حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ عقیدت رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت امام حسن اور امام حسین کے لیے انفرادی طور پر فرمایا ہذا ان ابناى وابنا بنتى اللہم انى  
 احبہما فاحبہما واحب من یحبہما، یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ میں ان  
 کے ساتھ محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کے ساتھ محبت رکھ اور جو ان کے ساتھ محبت رکھے، تو اس کے ساتھ محبت  
 رکھ (ترمذی ص ۲۴ ج ۲، ابن ماجہ فضائل حسین و حسین، مسند احمد بن حنبل ص ۲۸۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۱۴۱ ج ۱،  
 کنوز الحقائق ص ۱۳۲، مسند ابو داؤد طیالسی ص ۳۲۲ ج ۱۰، کنز العمال ص ۲۲۱ ج ۶، مجمع الزوائد ص ۱۸ ج ۹، سنن  
 بیہقی ص ۲۶۳ ج ۲، حلیۃ الاولیاء ص ۲۰۵ ج ۸، اصابہ ص ۱۲ ج ۲، تاریخ کبیر ص ۲۰۲ ج ۴، استیعاب ص ۱۴۸ ج ۱،  
 مستدرک ص ۱۶۶ ج ۳، سنن بیہقی ص ۲۸ ج ۴، تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۲، ذخائر العقبی ص ۱۲۳۔

علامہ محمد بن یوسف کبھی شافعی المتوفی ۱۵۸ھ نے "کفاية الطالب في مناقب علي ابن ابي

طالب" میں بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ ان احادیث و روایات میں اجتماعی اور انفرادی طور پر اہل بیت کی محبت اور دوستی مسلمانوں پر فرض اور لازم قرار دی گئی ہے۔ جب اہل بیت کرام کی موڈت و محبت فرض ہوئی تو ان کی توہین منع ہوئی اور سیدہ کا نکاح غیر کفو میں بھی مرد کے ساتھ کرنے سے توہین لازم آتی ہے لہذا نکاح منع ہوا اگر کرے گا تو بوجہ ہتک حرمت اہل بیت نکاح منع نہیں ہوگا۔

جب فتویٰ میں خواجہ خواجگان قبلہ گوٹروی رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار موڈت اور محبت اہل بیت کا ذکر کیا ہے تو ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح کے عدم جواز کی علت ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ نکاح کے عدم جواز کی علت فساد زمانہ نہیں ہے۔ جب فساد زمانہ علت نہ ہو تو اگر عورت اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں تو ہتک حرمت اہل بیت برقرار رہنے کی وجہ سے نکاح منع نہیں ہوگا۔ اسی لیے آپ نے فساد زمانہ کو علت قرار نہیں دیا بلکہ ہتک حرمت اہل بیت کو علت ٹھہرایا ہے۔ جب نکاح غیر کفو میں ہو تو چونکہ ہتک برقرار رہتی ہے لہذا فرمایا کہ صورت مذکورہ میں نکاح بنیادی طور پر نہیں ہوا اور فرمایا کہ اہل اسلام پر لازم ہے کہ عجمی کو سیدہ سے جدا کریں اور یہ نہیں فرمایا کہ اگر عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائیں تو پھر جدائی نہ کریں کیونکہ اکثر اغواء کی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ جب عورت سے نکاح کر لیا جاتا ہے اور زیادہ تر اس صورت میں عورت کی بھی رضا شامل ہوتی ہے اور پھر آپس میں فریقین صلح کر لیتے ہیں اور جو پہلے نکاح ہو جاتا ہے اسی کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر مصالحت ہو جائے تو پھر تفریق اور جدائی نہ کریں بلکہ فرمایا کہ اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ عجمی کو اس سیدہ سے جدا کریں کیونکہ صورت مذکورہ میں نکاح نہیں بلکہ زنا ہے۔ کیونکہ نکاح جب غیر کفو میں ہو تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفایت معتبر ہے اور حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ کفایت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہی روایت تحت اور منشی بہا ہے۔ چونکہ یہاں بنیادی طور پر نکاح ہوا نہیں ہے لہذا قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ولی راضی ہو جائیں تو پھر جدائی نہ کریں یا عدالت سے جا کر فسخ کرائیں، کیونکہ فسخ وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے نکاح منع ہو۔ جب بنیادی طور پر روایت حسن بن زیاد منع ہی نہیں ہوا تو پھر فسخ کا کیا مطلب۔ لہذا حضرت خواجہ خواجگان، گوٹروی رحمۃ اللہ علیہ نے صورت مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے یہی فرمایا کہ ان کی جدائی کرا دیں کیونکہ یہ نکاح نہیں ہے اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ صورت مسئلہ کا تعلق سادات سے تھا اور اس کے نہ ہونے کی علت ہتک حرمت

اہل بیت تھے لہذا یہاں فسخ والی صورت نہیں بننے دی بلکہ فرمایا نکاح ہی نہیں جب نکاح نہ ہو تو فسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ وہ دونوں چونکہ ناجائز طور پر جمع ہوئے تھے لہذا فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی جائے۔ چونکہ حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق کفایت نکاح کی صحت کی شرط ہے لہذا نکاح بنیادی طور پر نہیں ہوگا۔ حضرت قبلہ پیر صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ولی اپنا حق استعمال کرے تو نکاح ہو سکتا ہے بلکہ صورت مذکورہ میں دونوں روایتوں یعنی ظاہر روایت اور حسن بن زیاد کی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ ایک تو صورت مذکورہ میں اولیاء کی رضا نہیں ہوئی جیسے کہ استفتاء میں مذکور ہے اور دوسرا سیدہ کا نکاح ہے جس میں ہتک حرمت اہل بیت ہے جو کہ غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کی علت ہے لہذا نکاح منعقد نہ ہوا۔ اور احتمالی صورت کہ ولی اپنا حق استعمال کرے اور عورت بھی راضی ہو جائے یہ دوسرے نسبوں میں تو ہو سکتا ہے لیکن سادات کے نسب میں اگر ولی اور عورت دونوں راضی ہو جائیں یا عورت نے غیر کفو میں نکاح کر لیا اور ولی کوئی نہیں ہے یا ولی نے اپنا حق استعمال کر کے غیر کفو میں ہونے والے نکاح کو جائز رکھا، ان تمام صورتوں میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نکاح کے عدم جواز کی علت ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ چونکہ یہ ہتک حرمت اہل بیت نکاح کے بعد بھی مرتفع نہیں ہوتی لہذا نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اہل بیت کی عزت کو بچاتے ہوئے اس عجمی کو سیدہ سے جدا کریں۔

سوال: حسن بن زیاد کی یہ روایت کہ غیر کفو میں نکاح پر مطلقاً عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور زمانہ کے خراب حالات کی وجہ سے یہی قول فتویٰ میں مختار ہے۔ یہ قول حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں، وهذا اذا كان لها ولي لم يرخص به قبل العقد فلا يضيء الرضاء بعد ذلك "بحر" واما اذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقا اتفاقا لان وجه عدم الصحة على هذه الرواية دفع الضرر عن الاولياء اما هي فقد رضيت باسقاط حتها فصحة (رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۹) اور یہ اس صورت پر محمول ہے جب اس عورت کا ولی ہو اور وہ اس نکاح پر عقد سے راضی نہ ہو تو بعد میں اس کی رضا غیر معتبر ہوگی (بحر) جب عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو یہ نکاح بالاتفاق صحیح اور نافذ العمل ہے کیونکہ اس روایت کی بنا پر نکاح کے صحیح نہ ہونے کی وجہ اس کے ولی سے فرار کو رفع کر لے۔ لیکن جب وہ عورت خود اپنا حق ساقط کر کے غیر کفو میں نکاح کرنے پر راضی ہے تو نکاح صحیح ہوگا۔ جب یہ نکاح حسن بن زیاد کی روایت پر بھی صحیح ہوگا تو یہ حکم مطلق ہے خواہ عورت سیدہ ہو یا غیر سیدہ تو آپ نے بلاوجہ تخصیص



کر کے جو یہ کہا ہے کہ سید زادی نے اگر اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کیا منعقد نہیں ہوتا، یہ تخصیص بلاوجہ درست نہیں ہے۔

جواب: یہ تخصیص بلا دلیل نہیں ہے۔ امام محمد نے کہا ہے اگر نسب مشہور ہو تو اصل مسئلہ سے نسب مشہور کی تخصیص ہو سکتی ہے جیسے کہ اہل بیتِ خلافت کے نسب کو قریش کے نسب سے امام محمد نے خاص کیا ہے اور سادات جو ہیں ان کا نسب صرف مشہور ہی نہیں بلکہ مخصوص بھی ہے اور مخصوص ہونے کی بنا پر مطرد للحکم بھی ہے۔ دیگر کوئی نسب بھی مطرد للحکم نہیں ہے۔ جب سادات کا نسب مشہور اور مخصوص اور مطرد للحکم ہوا تو ان اوصاف کی بنا پر یہ نسب قابلِ تخصیص ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے حسن بن زیاد کی روایت جو کہ منشی بہا ہے اس کو سادات کے حق میں خاص کر کے یہ کہا ہے کہ اگر سید زادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کرے گی تو نکاح منعقد نہیں ہو گا کیونکہ مخصوص نسب اپنے خصائص کے پیش نظر مطرد للحکم ہو گا۔ یعنی اگر سید زادی کا نکاح سید کے ساتھ ہوا تو منعقد ہو گا، اگر سید زادی کا نکاح غیر سید مجبی مرد کے ساتھ ہوا تو منعقد نہیں ہو گا۔ کیونکہ نکاح کے عدم ہوا کی علت کفو کا نہ ہونا ہے۔ سادات کی لڑکیوں کے غیر سادات کفو نہیں ہیں۔

علامہ یوسف نبہانی المستوفی ۱۳۵ھ لکھتے ہیں ویتنصرع علی هذا انہم لایکافئہم احد من الناس وبہ صرح غیر واحد من الایمۃ قال الجلال السیوطی فی الخصائص ومن خصائصہ صلی اللہ علی وآلہ وسلم ان آلہ لایکافئہم فی النکاح احد من الخلق (الشرف الموبد ص ۲۵۹) اور اس پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ نکاح میں ان کا کوئی ہم کفو نہیں ہے۔ متعدد آیہ نے اس کی تفریح کی ہے۔ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق سے نکاح میں آپ کے اہل بیت کے ہم کفو نہیں ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں وان لایکافئہم فی النکاح احد من الخلق (کشف الغمہ ص ۲ ج ۲) کہ کوئی بھی مخلوقات سے اولاد رسول کا نکاح میں ہم کفو نہیں ہے۔ جب سادات کی لڑکیوں کا غیر سادات کفو نہیں بن سکتے اور سادات کا نسب مطرد للحکم ہے ہے تو اس وجہ سے حسن بن زیاد والی روایت جو کہ

مختار اور قبلی فتویٰ ہے اس کو سادات کے حق میں خاص کر کے یہ کہا جائے گا کہ اگر سیدزادی نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

بحث ثامن : ہم ساتویں بحث میں لکھ چکے ہیں کہ سیدہ کا نکاح اگر غیر کفو میں عجمی کے ساتھ کیا گیا تو منعقد نہیں ہوگا جس کے منعقد نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے، سادات کا نسب اس سے بلند تر ہے کہ اس کو کسی عجمی کے ساتھ ملوث کیا جائے اور یہی علت فقہاء نے ذکر کی ہے۔ اسی علت کی بنا پر حضرت گوٹروی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہیں ہوا۔ چونکہ آپ کا یہ فتویٰ ہم نے فتاویٰ جماعتیہ میں ذکر کیا تھا اب پھر وہ تمام استفتاء اور فتویٰ یہاں ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کا صحیح تجزیہ بھی کرتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے کہ صورت مذکورہ میں نکاح کے عدم جواز کی علت ننگ و عار ہے جس کی بنا پر یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

سوال : جو آپ نے یہ کہا ہے کہ یہ تخصیص بلا دلیل نہیں ہے کیونکہ امام محمد نے اہل بیت خلافت کی تخصیص کی ہے بہذا سادات کے نسب کی بھی تخصیص ہوگی، امام محمد تو درجہ اجہناد پر فائز تھے وہ تو کسی مسئلہ کی تخصیص کر سکتے تھے، آپ کو چاہیے کہ کسی مرتبہ جزیستہ اہل تخصیص ظاہر کریں۔

جواب : ہم نے خود اپنی طرف سے تخصیص نہیں کی بلکہ اس مسئلہ زیر بحث کی تخصیص صاحب رشفۃ الصادی نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے کہ اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے وہ غیر شریف سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اسکا ولی راضی ہوں (شفۃ الصادی ص ۱۱) اب دیکھئے صاحب رشفۃ الصادی نے حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق اگر ولی اور عورت دونوں راضی ہو جائیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن صاحب رشفۃ الصادی اس کو مخصوص کر کے ہی فرماتے ہیں اگر عورت اور ولی راضی ہو جائیں تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اگر سائل کہے کہ صاحب رشفۃ الصادی تو شافعی المذہب میں حنفیہ اہل تخصیص کو کیسے معتبر سمجھیں گے، تو جواب یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث اگرچہ ظاہری طور پر فقہی اور جزوی ہے لیکن اصل میں یہ مسئلہ عقیدہ سے متعلق ہے۔ جب یہ اپنے مبادی اور نتائج کے حالات عقیدہ سے وابستہ ہے تو پھر حنفیت اور شافعییت کا اختلاف غیر معتبر ہے۔ عقائد میں شافعیہ کے اقوال یوں ہی معتبر ہیں جیسے کہ حنفیہ کے ہیں۔ جب صاحب رشفۃ الصادی نے تخصیص کر دی ہے اور سادات کا نسب بھی مخصوص ہے تو اس مخصوص نسب کی بنا پر ہم نے حسن بن زیاد کی روایت کی تخصیص نہیں کی بلکہ ہم نے اس تخصیص کا اظہار کیا ہے کہ جب نسب رسول تمام نسبوں سے ممتاز ہے تو اس کے احکام بھی جدا ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر سیدزادی اور اسکا ولی دونوں راضی بھی ہو جائیں تو غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

## استفتاء

چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندر میں مسئلہ کہ سہمی محمد خان ساکن ملہوٹ بگم و اجازت مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ : یکے از ہاشمیات سیدات فاطمیات عقد نکاح و ازدواج نمود۔ غیر مستعرض من احد من الولاية القریبة والبعیدة هل یجوز هذا النکاح ام لا، ترجمہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سہمی محمد خان ساکن ملہوٹ نے مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ کے حسب حکم و اجازت ایک سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ سے نکاح کیا اور اس قریبی اور بعیدی ولی کی رضامندی اس پر نہیں، کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

## الجواب

هوالموفق للصدق والصواب

نکاح مذکورہ جائز نیست و مفتی بجوازہ نہ تنہا برؤلایة سیدہ ظہم روا داشته بلکہ برکافہ اہل اسلام کہ بمقتضای آیت قد لا اسئلمکم علیہ اجر الا المودة فی القربی و بفقہائے حدیث لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدة و ولدة و الناس اجمعین مؤدت و حب قرابت نبویہ را بر خود فرض و از اصول ایمان شمارند جو رہے حد و ستم بے عد نموده چہ پر ظاہر است کہ در صحت نکاح سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیر کفر و بناء علی المودة فالمحبة المذکورة ہزار ہا دل بوجہ ہتک حرمت اہل بیت رنجیدہ و شکستہ خواہند بود متون فقہ مملو اند و مشحون از عدم این چنین نکاح لعدم کفارة العجسی لایکون کفرًا للعربیة ولو کان عالما و سلطانا و هو الاصح (در مختار) ویفتی فی غیر الکفر بعدم جوانرة اصلا و هو المختار للفتوی لفساد الزمان (در مختار) پس در صورت مسطور صحبت صحبت زنا خواہد بود لہذا بر اہل اسلام لازم کہ سیدہ را از عجب جدا کنند و مفتی صاحب را واجب کہ آئندہ باہم چنین افتادات کہ مستلزم ہتک حرمت و شان اہل بیت باشند توجہ نہ نمایند و متمسک نہ باشند بدین کہ سیادت طعیہ نیست فان عدم قطعیة السیادة لا یستلزم قطعیة عدم السیادة فراصحتها تکفی مصادرة فی موجبات الہتک علی المحب اعاذنا اللہ منه فکیف حال الواد وقد طلب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منا المودة فی قرابتہ، قال العامری

احب لحب السود ان حتی احب لحبها السود الکلاب

وقال الشيخ الأكبر قدس سره الاظهر في هذا المعنى

احب لحبك الحشان طراً واعشق لاسمك البدر المنيرا

قيل كانت الكلاب السود تناولته وهو يتحب اليها اعنى المجنون فهذا فعل المحب  
في حب من لا يفيد محبته عند الله فهل هذا الا من صدق المحبة وثبوت الودة في  
النفس ولو صحت محبتك لله ولرسوله صلى الله عليه واله وسلم رأيت كل ما يصد منهم  
في حقتك ما لا يوافق طبعك ولا غرضك انه حال تتنعم بوقوعه منهم فتعلم عند ذلك  
ان هذا عنايته من الله الذي احببتم من اجله (الى ان قال) والله ما ذالك الا من نقص  
ايمانك ومن مكر الله بك واستدراجك من حيث لا تعلم وصورة المكران  
تقول وتعتقد انك في ذالك تذب عن دين الله وشرعه -

والسلام خيرا الختام العبد الملتجى الى الله المدعوه به مهر على شاه عنى عنه

از گزوه (فتاویٰ مہریہ ص ۱۳۳)

(مفہوم) نکاح مذکورہ جائز نہیں اور جواز کا فتویٰ دینے والے نے فقط سیدہ مذکورہ کے درناہ پر ہی ظلم نہیں  
کیا بلکہ تمام اہل اسلام پر ظلم کیا ہے کیونکہ حسب ارشاد الہی حدیث مذکورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قربت  
سے محبت رکھنا تمام اہل اسلام اصول ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی وجہ سے ہزاروں دل البیت  
کی ہتک حرمت سے رنجیدہ ہوں گے اور تمام متون فقہ اس قسم کے نکاح کے عدم جواز پر متفق ہیں کیونکہ یہ نکاح غیر  
کفو میں ہے جیسے کہ درنختار میں ہے۔ پس صورت مذکورہ میں یہ صحبت زنا ہوگی۔ لہذا اہل اسلام پر لازم ہے کہ  
سیدہ کو کعبی سے جدا کر دیں۔ اور مفتی پر لازم ہے کہ آئندہ اس قسم کے فتوؤں سے اجتناب کرے جن میں ہتک  
حرمت اہل بیت کرام ہو اور یہ وجہ پیش نہیں کرنی چاہیے کہ سیدہ کا اولاد رسول سے ہونا یقین نہیں۔ کیونکہ اگر  
اس امر کا یقین نہیں تو یہ یقین کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ غیر سیدہ ہے۔ لہذا سیادت کی خوشبو بھی محبت والے پر  
ہتک حرمت مستوجب سزا ہونے کے لیے کافی ہے۔ خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعی مؤدت ایسا کرے۔ قیس بنی عامر  
کہتا ہے:-

”میں لیلیٰ کی محبت میں سیاہ جیشیوں سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ سیاہ کتوں سے بھی“

اہل ادب کے لیے غٹھڑی سی نسبت بھی کافی ہے، خیال کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین اکبر اسی

بارے میں فرماتے ہیں۔

”یہ تیری محبت کی خاطر حبشیوں سے بھی محبت کرتا ہوں اور تیرے نام کے باعث مجھے بدر منیر سے بھی عشق ہے کہ چودھویں رات کا چاند بھی تو رات سے مناسبت رکھتا ہے۔“

کہتے ہیں سیاہ کتے مجنوں کو تکلیف پہنچاتے تھے مگر وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ کیونکہ اس کی معشوقہ لیلیٰ کے نام کو لیل (یعنی رات) سے مناسبت تھی جو سیاہ ہوتی ہے حالانکہ یہ محبت خدا کے نزدیک کچھ مفید نہیں، پس اہل بیت کرام کی محبت اور مؤذت جس کا حکم ہمیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہوا اور خدا کے نزدیک ہمارے لیے مفید ہے اس کی کم از کم اتنی رعایت تو لازم ہے جتنی ایک مجازی محبت والا کرتا ہے۔ پس اگر تیر کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی ہے تو حضور کے اہل بیت کو ضرور دوست رکھے گا اور ان سے جو امر تیری طبیعت کے خلاف واقع ہوگا، اسے یہ سمجھتے ہوئے کہ ”تقدیر الہی“ یوں ہی تھی، لہذا اہل بیت سے تکلیف پہنچنے میں لذت محسوس کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھے گا جس کی وجہ سے تو نے اہل بیت سے محبت کی پھر حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کی حرمت کا خیال نہ کرنے میں مکر الہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیرا خیال ہو کہ میں دین الہی کی حفاظت کر رہا ہوں (انتھی)

اگر عاقلہ بالغہ آزاد عورت نے نکاح بلا اجازتِ ولی کیا ہو اور کفو میں کیا ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا اگر غیر کفو میں ہو تو ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفایت معتبر ہے۔ اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ کفایت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہی روایت مفتی بہا ہے۔ اس کی آگے دو صورتیں ہیں۔

اول یہ عورت جو بلا اجازتِ ولی نکاح کر رہی ہے اور غیر کفو میں کر رہی ہے یہ خود بھی غمی ہے اور جس کے ساتھ کر رہی ہے وہ بھی غمی ہے لیکن شریعت نے غمیوں کے لیے جو کفو کا معیار مقرر کر رکھا ہے وہ ان دونوں کا کفو ایک نہیں ہے۔ اس میں اگر ولی اپنا حق استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس نکاح کو جو غیر کفو میں ہوا ہے نافذ کرتا ہوں تو نکاح نافذ ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت سیدہ ہے اور جس کے ساتھ غیر کفو میں نکاح کیا وہ غمی مرد ہے، یہاں اگرچہ دن رات بھی ہو جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ یہی اصل مسئلہ ہے، اسی مسئلہ کے جواب میں خواجہ خواجگان گولڑی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیان کردہ صورت میں نکاح جائز نہیں اور اس قسم کے نکاح کے عدم انعقاد

پرفقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔

قارئین حضرات پہلے قبلہ پیر صاحب کا تمام فتویٰ پڑھیں اور اس پر غور کریں کہ سائل نے اگرچہ اپنے سوال اور استفتاء میں یہ لکھا ہے کہ سیدہ کا کوئی ولی قریبی اور بعید راضی نہیں ہے لیکن آپ نے اپنے تمام فتویٰ میں یہ الفاظ نہیں لائے کہ چونکہ بیان کردہ صورت میں ولی راضی نہیں ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی ولی قریبی یا بعید رضامند نہ ہو تو نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں ہوتا۔

حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے فتویٰ میں ولی کی رضامندی یا غیر رضامندی کا تذکرہ نہ کرنا اور فتویٰ میں مؤدت اور محبت اہل بیت کا تمہیدی طور پر ذکر کرنا اور نکاح کے عدم جواز کی علت ہتک حرمت اہل بیت قرار دینا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ بیان کردہ صورت میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا خواہ اس کے ولی راضی ہوں یا نہ کیونکہ نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ ہتک حرمت اہل بیت ہے جو کہ عورت اور اس کے ولی کی رضا سے مرفوع نہیں ہوتی۔ اسی لیے آپ نے ولی کی رضا یا عدم رضا کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ غیر کفو میں ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں اور سائل نے حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال نہیں کیا کہ ایک سیدہ اپنی اور اپنے ولیوں کی رضامندی سے کسی غیر کفو میں نکاح کرے تو ایسا نکاح شرع محمدی کی رُوسے جائز ہوگا کیونکہ جو سادات ہیں وہ اپنی بچی (سید زادی) کو عجمی مرد کے ساتھ منسوب نہیں کرتے کیونکہ سادات کو علم ہے کہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ سادات کے لیے ننگ و عار ہے۔ لہذا سائل نے یہ سوال نہیں کیا بلکہ سائل نے یہ سوال کیا کہ ایک شخص نے سیدہ سے ایسی حالت میں نکاح کیا کہ سیدہ کا کوئی قریبی یا بعید ولی اس نکاح میں رضامند نہ تھا کیا ایسا نکاح جائز ہے یا نہ تو آپ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ نکاح نکاح نہیں کیونکہ اس میں ہتک اہل بیت ہے اور جہاں ہی ہتک حرمت اہل بیت ہوگی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ سائل نے جب اپنے سوال میں اولیاء کی عدم رضامندی کا ذکر کیا تھا تو جواب کو سوال کے مطابق کرنے کے لیے چاہیے تھا کہ آپ یہ بھی فرماتے کہ چونکہ اس میں اولیاء کی رضاشامل نہیں ہے جب غیر کفو میں نکاح ہو اور اولیاء ناراض ہوں تو نکاح منعقد نہیں ہوتا، لیکن آپ نے اولیاء کی عدم رضا کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس صورت میں سائل کا تعلق چونکہ سیدہ کے ساتھ تھا فرمایا لہجہ ہتک حرمت اہل بیت نکاح نہیں ہوا۔ رضا اور عدم رضا کی بحث صورت مذکورہ میں نہ فرمائی تاکہ ثابت ہو کہ سیدہ کے نکاح میں جب کہ غیر کفو میں ہو ولی راضی ہو یا نہ ہو نکاح بوجہ ہتک حرمت اہل بیت کسی صورت میں بھی منعقد نہ ہوگا۔ ہمارے اس بات کی تائید حضرت قبلہ

پیر صاحب کے ملفوظات سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ملفوظات ۱۸۱ :

کہ ایک دفعہ حضور انور قدس سرہ بکڑالہ تشریف لے گئے وہاں راجہ محمد خان علاقہ دار و رئیس بکڑالہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر میاں محمد صاحب کھڑی والہ کی طرف سے سلام پیش کیا اور امتی مرد کے ایک سیدہ کے ساتھ نکاح کے متعلق ایک فتویٰ جواز کا ذکر کیا جو موضع چکڑالی میں ایک ایسے واقعہ کے بعد بعض علماء نے دیا تھا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ایسے فتاویٰ سے دنیا میں طوفان بے ادبی پیدا ہوگا۔ حضور نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، جو لوگ عزت نبوت سے بے ادبی کرتے ہیں وہ ازلی بد بخت ہیں نہ وہ ہمارے پاس آتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں، ہمارے مفتی صاحبان بھی عجیب ہیں۔ اگر کوئی لفظ عالم کو بصیغہ تصغیر عوالم پڑھ دے یا علماء کے جو توں کی توہین کر دے تو ایسا کرنے پر تو وہ فوراً کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں مگر سفینہ محمدی کی بے حرمتی کرنے والے کو وہ کچھ نہیں کہتے حالانکہ علماء کا شرف بوصف علم کے ہے جو ذاتی نہیں ہے اور بغیر عمل جس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس کے برعکس اہل بیت نبی صلی اللہ کا شرف ذاتی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف انتساب کی وجہ سے انہیں محبوب ہوا (ملفوظات مہرہ ص ۱۳۳)

اس سے ظاہر ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ ہتک حرمت اہل بیت ہے۔ اگر کوئی سید زادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کرے گی تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اس ملفوظ میں رضامندی کا ذکر تک نہیں کیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ ولی کی رضا کا یہاں دخل نہیں ہے۔ بعض حضرات نے قبلہ پیر صاحب کے ملفوظ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر امتی سیدہ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا تو اہل بیت کا ادب ملحوظ نہیں ہے گا لہذا رشتہ کرنا محل خطر ہے۔ یہ مطلب صراحتہ غلط ہے کیونکہ پیر صاحب نکاح کرنے والے اور فتویٰ دینے والے کو صرف بے ادب نہیں فرما رہے بلکہ ازلی بد بخت بھی کہہ رہے ہیں ازلی بد بخت ہمیشہ توفیق عمل سے خالی ہوتا ہے اسی لیے آپ نے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بقول علماء کرام عالم کے جو توں کی توہین تو کفر شمار ہو جس کا شرف عارضی ہے اور جن کا شرف ذاتی ہے اور وہ بھی جن کی عظمت پر خصوص قطعہ اور شریعہ وارد ہوں ان کی توہین کے مرتکب ہونے والے کے متعلق علماء اور مفتیان کا کیا خیال ہے۔ ایسے مفتیان پر تعجب ہے کہ علماء اور علماء کے جو توں کی توہین پر تو کفر کا فتویٰ صادر کریں لیکن جہاں اہل بیت کرام کی توہین ہوتی ہے وہاں غیر کفو میں نکاح کے جواز کا فتویٰ دیں، غیر سیدہ امتی کا سیدہ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا صرف محل خطر ہی نہیں ہے بلکہ ہتک حرمت اہل بیت کی وجہ سے سیدہ کا نکاح غیر کفو میں منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس ملفوظ میں صراحت موجود ہے کہ حضرت قبلہ پیر صاحب نے جو

جواز کا فتویٰ دینے والے ہیں ان کو گستاخ، بے ادب، ازلی بد بخت فرمایا ہے مزید یہ بھی فرمایا کہ ہم انہیں دیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ سائل نے صرف نکاح کے متعلق نہیں پوچھا بلکہ عرض کیا کہ ایسے واقعہ کے بعد بعض علماء نے فتویٰ دیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ایسے فتاویٰ سے دنیا میں طوفان بے ابلی پیدا ہوگا تو حضور نے جواز کا فتویٰ دینے والے مفتیان کے متعلق فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے سے حوصلہ نہیں رکھتے جو لوگ عترت نبوت سے بے ادبی کرتے ہیں وہ ازلی بد بخت ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ جواز کا فتویٰ دے رہے تھے حضور ان کو ازلی بد بخت فرما رہے تھے۔ جب جواز کا فتویٰ دینے والے بد بخت ہوئے تو جو غیر سید عجمی مرد سید زادی کے ساتھ نکاح کرے گا اس عجمی کے ازلی بد بخت اور گستاخ ہونے میں تو کسی قسم کا شک نہیں ہوگا۔ اور یہ نکاح بوجہ شک حرمت اہل بیت برگزہرگز منع نہیں ہوگا۔ نیز اس کی تائید آپ نے جو سیادت کی قطعیت کی بحث فرمائی ہے، اس سے بھی ظاہر ہے کہ جواز کا فتویٰ کا دینے والا مفتی نکاح سیدہ اور نکاح غیر سیدہ میں فرق سمجھتا تھا اسی لیے اس نے نکاح کرنے والے کو کہا کہ مذکورہ عورت سے نکاح ہو جائے گا کیونکہ اسکا سیدہ ہونا مشکوک ہے مفتی کو اگر یقین ہوتا تو ممکن ہے تو پھر وہ جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔ اس کی تردید میں قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس کے سیدہ ہونے میں شک ہے تو اس کے غیر سید ہونے کا بھی یقین نہیں ہے یہاں تو سیادت کی رائے (خوشبو) کافی ہے جس عورت میں سیادت کی رائے پائی جائے گی اس کا نکاح ہی غیر کفو میں منع نہیں ہوگا۔ اسی لیے یہ بھی فرمایا کہ سیادت کی بوجہ محبت والے پر تک حرمت سے مستوجب سزا ہونے کے لیے کافی ہے، خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعی موادت ایسا کرے۔

ہم کہتے ہیں کہ افسوس تو ہے ان لوگوں پر جو ایسی جلیل القدر بہتییوں کی تحریر کو سمجھنے اور اسے براعماق نظر دیکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں کیونکہ قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ واضح تشریح فرماتے ہیں کہ خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعی موادت ایسا کرے یعنی جو شخص دعویٰ تو کرے محبت اہل بیت کا اور پھر نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر اہل بیت کی توہین بھی کرے ایسے مفتی سے خدا کی پناہ ہی ہے۔ غرضیکہ سیدہ اور غیر سیدہ کے غیر کفو میں نکاح کرنے میں فرق ہے اگر سیدہ نے غیر کفو میں نکاح بلا اجازت دلی کر لیا تو اولیاء کو حق اعتراض ہے۔ قاضی کے ہاں دعویٰ کر کے فسخ کر سکتے ہیں اگر اعتراض نہیں کرتے رضا کا اظہار کرتے ہیں تو نکاح نافذ ہوگا، اگر عورت سیدہ ہے تو پھر دلی راضی ہوں یا نہ نکاح بوجہ تک حرمت اہل بیت منع نہیں ہوگا چونکہ مذکورہ صورت میں عورت سیدہ تھی لہذا آپ نے فرمایا کہ جواز کا فتویٰ دینے والے نے فقط سیدہ مذکورہ کے ورثاء پر ہی ظلم نہیں کیا بلکہ تمام اہل اسلام پر ظلم کیا ہے



یہاں حضرت قبلہ پر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں یہ عبارت کہ "فتویٰ دینے والے نے تمام اہل اسلام پر ظلم کیا ہے" قابل غور ہے کیونکہ اگر کسی عورت غیر سیدہ نے غیر کفو میں نکاح کر لیا اور کسی فتویٰ دینے والے نے جواز کا فتویٰ دے دیا تو وہ ظلم صرف مخصوص ان لوگوں پر ہوگا جو کہ اس عورت کے وارث ہیں تمام لوگوں پر کیسے ظلم ہوگا لیکن یہاں قبلہ پر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس فتویٰ دینے والے نے صرف سادات پر ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ کا تعلق سیدہ سے تھا جس میں ہتک حرمت اہل بیت ہو رہی تھی اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اہل بیت کرام کی عظمت و توقیر فرض اور ضروری ہے اور فتویٰ دینے والے نے ہتک حرمت اہل بیت کر کے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اگر کسی دیگر برادری کا مسئلہ ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ اس فتویٰ دینے والے نے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے بلکہ آپ فرماتے کہ اس عورت کے وارثوں پر فتویٰ دینے والے نے ظلم اور زیادتی کی ہے، چونکہ سادات کی عزت و عظمت کا مسئلہ تمام مسلمانوں کا ہے لہذا آپ نے فرمایا کہ اس فتویٰ دینے والے نے ہتک حرمت اہل بیت کر کے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور یہ نکاح بھی بوجہ ہتک حرمت اہل بیت منع نہیں ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر سیدہ غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہے تو ہتک صرف عرف عام میں ہے، عند الشرع نہیں ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ پہلے تو قابل فہم بات یہ ہے کہ کیا سادات غیر کفو میں نکاح کر دینے کے بعد عرف عام کی توہین برداشت کریں گے یا جواز کا فتویٰ دے کر سادات کی عرف میں توہین کرنا یا کرنا مکمل شرعاً جائز ہے جب یہ جائز نہیں تو پھر یہ کہنا کہ غیر کفو میں نکاح سے صرف عرف عام میں ہتک اور توہین ہے عند الشرع نہیں یہ کیسے صحیح ہوا حالانکہ اہل بیت کی مؤدت و محبت اور عزت و عظمت پر نصوص شرعیہ وارد ہیں، اگر عرف میں توہین ثابت ہوئی تو شرعاً بھی ہوگی جیسے کہ شعائر اسلامیہ کی توہین عرف عام میں ناجائز ہے اسی طرح شرعاً میں بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر سیدہ نے غیر کفو میں نکاح کیا اور خون کی ملاوٹ ہوئی اور خون کی ملاوٹ اگر عرف میں باعث ہتک ہے تو عند الشرع بھی باعث ہتک ہے کیونکہ سیدہ کی تعظیم پر نصوص شرعیہ موجود ہیں، اگر عرف عام میں ہتک ہتک عند الشرع نہ ہوتی تو قبلہ پر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ہتک حرمت اہل بیت کا تذکرہ نہ کرتے اور نہ ہی اس کی ممانعت پر آیت مؤدت اور حدیث محبت سے استدلال کرتے، آپ کا آیت مؤدت اور حدیث محبت سے استدلال کرنا اور پھر یہ فرمنا کہ نکاح مذکورہ میں اہل بیت کرام کی ہتک ہوئی ہے اس بات پر واضح دلیل ہے کہ یہ ہتک عند الشرع بھی ہے، کیونکہ اہل بیت کی عظمت و عزت بجالانے اور توہین سے ممانعت پر نصوص شرعیہ وارد ہیں، لہذا اہل بیت کے معاملہ میں ہتک عرف عام اور ہتک عند الشرع منفرک نہیں ہیں بلکہ اگر صورت مذکورہ کے وقوع سے عرف عام میں ہتک

حرمت ہوئی ہے تو عندالشرع بھی ہوئی۔ لہذا یہ خیال کر لینا کہ صورت مذکورہ کے وقوع اور خون کی ملاوٹ سے عرف عام میں ہتک تصور کی جاتی ہے عندالشرع نہیں ہوتی نہایت سطحی بلکہ ناقص خیال ہے۔ اسی وجہ سے حضرت قبلہ پر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ کے آخر میں شیخ ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی حرمت کا خیال نہ کرنے میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیرا خیال ہو کہ میں دین کی حفاظت کر رہا ہوں یعنی یہ خیال کرنا کہ اس صورت مذکورہ کے وقوع اور نکاح غیر کفو میں منع ہو جانے میں ہتک حرمت اہل بیت عندالشرع لازم نہیں آتی یہ بھی اس قائل کے لیے ایک استدراجی صورت ہے کہ وہ ظاہر یہ خیال کرتا ہے کہ میں دین کی خدمت اور حفاظت کر رہا ہوں لیکن دراصل دین کی دیواریں منہدم کرنے کی سعی لاحق کر رہا ہے یہ حقیقت میں دوستی کے پرنے میں دشمنی ہے۔ اسی لیے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ صورت مذکورہ اور غیر کفو میں نکاح منع ہو جانے کی حالت میں عرف عام میں توہین ہے عندالشرع نہیں ہے اور کبھی یہ کہ سیدہ اور غیر سیدہ میں فرق نہیں ہے تمام عورتوں کا حکم ایک ہے اور کبھی کہنا کہ سیدہ کا نکاح غیر کفو میں شرع محمدی میں جائز ہے اور یہ تمام غلط تاویلات اس لیے کی جا رہی ہیں تاکہ غیر کفو میں سیدہ کے نکاح کا جواز ثابت ہو، اور یہی استدراجی صورتیں ہیں جن میں ہتک اہل بیت لازم آتی ہے اور حضرت قبلہ خواجہ خواجگان گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ اس ہتک سے فتویٰ دینے والے کو منع فرما رہے ہیں اور اسی لزومی یا التزیمی ہتک پر بنیاد رکھ کر فتویٰ صادر فرمایا ہے ہیں کہ مذکورہ صورت میں بنیادی طور پر نکاح منع نہیں ہوا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ سیدہ کو عجمی سے جدا کر دیں اور فتویٰ دینے والے پر لازم ہے کہ آئندہ ایسے فتوؤں سے اجتناب کرے۔ کیونکہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔ قبلہ پر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بطور استدلال حضرت حسن بن زیاد کی روایت بھی ذکر کی، ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوارہ اصلاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان اور غیر کفو میں بالکل عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور فساد زمانہ کے لحاظ سے فتویٰ کے لیے یہی قول مختار ہے، اسی روایت میں فساد زمانہ کا بھی ذکر تھا لیکن آپ نے نکاح کے عدم انعقاد پر فساد زمانہ کو علت قرار نہیں دیا اور جس طرح ہتک حرمت اہل بیت، سیادت کی قطعیت کی بحث کی اس طرح

لے لزوم سے مراد یہ ہے کہ مال سخن دلائل حکم ترتیب مقدمات و تعمیر تقریبات کرتے چلے تو آخر کار قائل کی کلام سے ہتک حرمت اہل بیت لازم آئے اور قائل اس لازم کا اقرار نہ کرے۔ اور التزام یہ کہ قائل ایسے کلمات استعمال کرے جن سے صراحتاً ہتک حرمت اہل بیت ہو۔ درج بالا کلام میں دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔  
(مفتی غلام رسول)

فسادِ زمانہ کو زیرِ بحث نہیں لائے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی فسادِ زمانہ علت نہیں تھا۔ اگر آپ کے نزدیک فسادِ زمانہ علت ہوتا تو آپ پہ بھی فرماتے کہ مذکورہ صورت میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا جس کی وجہ ننگ و عار اور ہتکِ حرمتِ اہل بیت ہے۔

علامہ شامی حسن بن زیاد کی روایت کی تشریح کے ماتحت نکاح منعقد نہ ہونے کی علت کا ذکر کرتے ہیں لان وجہ عدم الصحة علیٰ هذا الروایة دفع الضرر عن الاولیاء کہ اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے کیونکہ جب غیر کفو میں ہوگا تو اولیاء اور وارثوں کے لیے باعثِ عار و ننگ ہوگا۔ جب علامہ شامی نے تصریح کر دی ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت جو مفتی بہا ہے اس میں نکاح نہ ہونے کی علت اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے جو کہ اولیاء کے لیے باعثِ ننگ و عار تھا۔ جب نکاح کے عدم انعقاد کی علت پر تصریح موجود ہے تو پھر اپنی طرف سے علت تلاش کرنے کا کیا مطلب ہے۔ بہر کیف نکاح کے منعقد نہ ہونے کی علت ننگ و عار ہے اور صورت مذکورہ میں بھی ننگ و عار اور ہتکِ حرمتِ اہل بیت ہے جو کہ عورت اور اس کے ولی کے رافعی ہونے سے مرفوع نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے کیونکہ دوسرے لوگوں کی رضامندی کے بعد اگر خون میں ملاوٹ ہو جائے گی تو عرف عام میں عیب نہیں ہوگا۔ اگر سیدہ کا نکاح غیر کفو میں ہوا تو خون کی ملاوٹ کی وجہ سے عرف عام میں بھی عیب ہوگا۔ چونکہ ان کی عزت و عظمت پر نصوص شرعیہ وارد ہو چکے ہیں لہذا عند الشرح بھی عیب ہوگا چنانچہ یہ عیب نسب رسول میں واقع ہو رہا ہے اسی بنا پر ہی حضرت قبلہ گوڑوسی نے فرمایا کہ صورت مذکورہ میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں اور مفتی پر لازم ہے کہ آئندہ ایسے فتوؤں سے باز رہے جن میں ہتکِ حرمتِ اہل بیت لازم آئے۔

**بحث تاسع** ہم پھر واپس اس بات کی طرف لوٹتے ہیں جس کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں کہ بعض لوگ بار بار یہ کہتے ہیں کہ فتویٰ قرآن و حدیث سے ہونا چاہیے حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی یا فتویٰ کے اصول سے ناواقف ہی ہے۔ دراصل مفتی کو فتویٰ فقہی جزئیات کے مطابق دینا چاہیے کیونکہ فقہاء نے جو مسائل مستنبط کیے ہیں وہ قرآن و سنت سے ہی مستنبط کیے ہیں اگرچہ ان کے ماخذ کا ہم کو پتہ نہ چلے یہ ایک علیحدہ بات ہے۔

الاشباہ والنظائر کے حواشی کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے لایحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما علی المفتی حکایت النقل الصریح کہ قواعد اور ضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں ہے

بلکہ مفتی پر یہی واجب ہے کہ وہ نقل مرتجح کو بیان کرے جیسے کہ فقہاء نے تفریح کر دی ہے اور ابن نجیم بھی لکھتے ہیں،  
 الفرق بین علم الفتیاء وفقہ الفتیاء، ففقہ الفتیاء هو العلم بالاحکام الکلّیة وعلماها هو العلم بتلك  
 الاحکام مع ترتیبها علی التوازی، کہ علم فتویٰ اور فقہ فتویٰ میں فرق ہے کہ فقہ فتویٰ احکام کلیہ کا نام ہے  
 اور علم فتویٰ ان احکام کلیہ بمعہ ترتیب واقعات و نوازل کا نام ہے۔ گویا کہ فقہ فتویٰ عام ہے اور علم فتویٰ خاص ہے  
 اور مفتی کو فتویٰ علم فتویٰ کے لحاظ سے دینا چاہیے۔ یعنی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کلیات کو پیش نظر رکھ  
 کر فتویٰ نہ دے بلکہ احکام کلیہ کے ساتھ ساتھ ترتیب واقعات و حوادث نازلہ اور صور جزئیہ کا بھی خاص خیال  
 رکھے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ فتویٰ اصول و کلیات سے نہیں دینا چاہیے بلکہ جزئیات صریحہ کا لحاظ رکھنا چاہیے  
 بالخصوص اس زمانے میں چونکہ مفتی کی حیثیت صرف ناقل کی ہے لہذا ناقل مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقہاء  
 کی عبارات اور مرتجح جزئیات فتویٰ میں ذکر کرے، خود قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرنے کی کوشش نہ کرے  
 قرآن و سنت سے وہی آیات و احادیث ذکر کرے جو فقہاء نے ذکر کی ہیں۔ چونکہ یہ فتویٰ کا اصول تھا اس اصول  
 کے پیش نظر حضرت قبلہ پر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا۔ لیکن پہلے آیت مؤدت و آیت محبت ذکر کر کے اس  
 کی طرف اشارہ کیا کہ اہل بیت کرام کی محبت فرائض سے ہے جس سے شرعی محبت ہو اس کی توہین شرعاً منع ہے اور  
 یہاں غیر کفو میں نکاح ہونے سے توہین کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ لہذا سیدہ کا نکاح غیر کفو میں بھی مرد کے ساتھ منعقد  
 نہیں ہوگا کیونکہ ایسے نکاح کے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا جس  
 کی وجہ ننگ و عار اور ہتک حرمت اہل بیت ہو۔

پھر اصول فتویٰ کے مطابق فقہی عبارات کا ذکر کیا۔ کسی مسئلہ کو ثابت کرنا اور بات ہے اور فتویٰ دینا  
 اور بات ہے البتہ مخالف کے سامنے اگر ثابت کرنا مقصد ہو تو پھر واقعی قرآن و حدیث کو پیش کیا جائیگا۔ اگر یہ مقصد  
 نہیں بلکہ سائل کا مقصد صرف فتویٰ لینا ہے تو پھر فقہی عبارت سے اس کو مرتجح جزئیہ یا مناسب جزئیہ تلاش کر کے  
 فتویٰ اور حکم بتا دیا جائے گا۔ ناقل مفتی کو اصول و قواعد سے فتویٰ دینا منع ہے۔ اسی لیے حضرت قبلہ پر صاحب  
 رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ کے اصول کے مطابق نص قرآنی یا حدیث نکاح کے عدم انعقاد پر پیش نہیں کی اور احترام  
 نسب کی صورت میں چونکہ سائلین نے ثبوت مانگا تھا لہذا نص قرآنی سے احترام نسب ثابت کر دیا۔ فرمایا قرآن پاک  
 میں ہے قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین، یا رسول اللہ آپ فرما دیجئے اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی  
 بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا یعنی بیٹے کی عبادت کا سبب اس کا نسب بننا اور احترام

کا بڑا ذریعہ عبادت ہے۔ لہذا احترامِ نسب ثابت ہوا۔ چونکہ یہ مقام اثبات تھا لہذا نص قرآنی پیش کی اور صورت مذکورہ میں فتویٰ کی صورت تھی لہذا وہاں اصولِ فتویٰ کے مطابق فقہ کی عبارت پیش کر کے فرمایا کہ سیدہ کا نکاح غیر کفو میں بوجہ ہتکِ حرمتِ اہل بیت کسی صورت میں بھی منعقد نہیں ہوگا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں۔ اور مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے فتوؤں سے پرہیز کرے جن میں ہتکِ حرمتِ اہل بیت رسول لازم آتی ہو اور مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہاء کی عبارات اور صریح جزئیات میں سے اپنے فتویٰ میں ذکر کرے خود قرآن و سنت سے اجتہاد کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرے اور اسی طرح مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مفتی بقول کے مطابق فتویٰ دے یعنی اس قول پر فتویٰ دے جس پر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے یا جس قول کو انہوں نے فتویٰ کے لیے مختار کہا ہے اور یہ بھی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ معتبر کتب سے فتویٰ دے۔ جو کتا ہیں معتبر نہیں ہیں ان سے فتویٰ نہ دے کیونکہ بعض وہ کتا ہیں ہیں جن پر علماء و محققین اعتماد نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو قابلِ فتویٰ سمجھتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

- ۱۔ "شرح مختصر الوقایہ" اس کے مصنف شمس الدین محمد مفتی بنحارا المتوفی ۹۶۲ھ ہیں۔ ان کی یہ کتاب علامہ زاہدی معتزلی کی طرف مستند ہونے کی وجہ سے غیر معتد علیہ ہے۔
- ۲۔ "شرح مختصر الوقایہ لابن مکارم" اس کے مصنف ابی مکارم ہیں جو کہ رجل مجہول ہیں لہذا ان کی کتاب بھی درجہ جہالت میں ہونے کی وجہ سے اعتبار سے ساقط ہے۔
- ۳۔ "فتاویٰ ابراہیم شاہی" اس کے مصنف قاضی شہاب الدین دولت آبادی ہیں۔ یہ بھی کتب غیر معتبرہ سے ہے۔

۴۔ "قنیہ، حادی، مجتبیٰ شرح قدوری" ان کے مصنف نجم الدین مختار بن محمود زاہدی المتوفی ۱۰۵۶ھ ہیں جو کہ اصول میں معتزلی اور فروع میں حنفی ہیں اور یہ ضعیف روایات نقل کرنے میں مشہور ہیں۔ بایں وجہ ان کی کتب مذکورہ غیر معتبرہ ہیں۔

۵۔ "سراج وہاج" اس کے مصنف ابو بکر بن علی الحدادی المتوفی ۱۰۸۰ھ ہیں۔

۶۔ "مشمول الاحکام" اس کے مصنف فخر الدین رومی ہیں۔

۷۔ "فتاویٰ صوفیہ" اس کے مصنف فضل اللہ محمد بن ایوب ہیں۔

۹۔ "فتاویٰ طورسی" یہ بھی کتب غیر معتبرہ سے ہے۔

۱۰۔ خلاصہ کیدانی“ اس کے مصنف میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے اس کے مصنف فاضل لطف اللہ

نسفی ہیں۔

یہ مذکورہ کتب غیر معتبر ہونے کی وجہ سے قابل فتویٰ نہیں ہیں۔ ان کا قول بالخصوص اس وقت غیر معتبر ہوگا جبکہ یہ اصول موضوعہ اور قواعد معتبرہ کی مخالفت کریں یا وہ روایت ذکر کریں جن کو کتب معتبرہ نے ذکر نہیں کیا گویا کہ ان کے تفردات و تفقہات قبول نہیں کیے جائیں گے اور ثقہ علماء کے خلاف ان کی روایات بھی غیر معتبر ہوں گی (عمدۃ الرعاہ ص ۱۱، فتاویٰ جماعتیہ ص ۴۵، ج ۱)

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت کتب معتبرہ اور کتب غیر معتبرہ کو مد نظر رکھے اور کتب معتبرہ سے فتویٰ دے۔ ہمارے زمانہ میں کچھ نئے نئے مفتی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اپنے علم پر فخر اور اترتے ہوئے علماء کا ذکر تو ہیں آمیز الفاظ سے کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ علماء جو کہ سادات کرام کے لیے زکوٰۃ، صدقہ فطر حرام قرار دیتے ہیں ایسے علماء حریص، خود غرض، مفت خور ہیں۔ حالانکہ سادات کرام کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی حرمت کا فتویٰ دینے والوں میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ آپ نے ”فتاویٰ رضویہ“ ص ۲۹۱ تا ۳۹۶ ج ۴ میں تحقیقاً لکھا کہ زکوٰۃ سادات کرام و سایر بنو ہاشم پر قطعی حرام ہے جس کی حرمت پر آئمہ ثلاثہ بلکہ آئمہ مذاہب اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم ہے۔ تفصیل کے لیے ”فتاویٰ رضویہ“ اور ہماری کتاب ”الصدقات“ ملاحظہ کیجئے۔ ایسے مفتی صاحبان علماء کو تو کچھ اپنی نظریں لاتے نہیں اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ہر لحاظ سے اترتے ہیں۔ حالانکہ ان کی خودیہ حالت ہے کہ ”ینابیح“ اور ”ینابیح المودہ“ میں فرق نہیں کر سکے۔ کیونکہ ایک ”ینابیح“ وہ کتاب ہے جس کا ذکر بطور حوالہ علامہ ابن ہمام المتوفی ۵۸۷ھ اور علامہ ابن نجیم المتوفی ۷۹۷ھ اور علامہ علاؤ الدین المتوفی ۸۰۸ھ اپنی اپنی کتابوں، فتح القدر، بحر الرائق اور در مختار میں کر رہے ہیں، اور یہ کتاب ”ینابیح“ فقہ کے موضوع پر ہے۔ اور ایک دوسری کتاب ”ینابیح المودہ“ ہے جو کہ تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب فضائل اہل بیت کے موضوع پر ہے۔ گویا کہ دونوں ”ینابیح“ میں عنوان اور موضوع کے لحاظ سے فرق ہے اور مدت تصنیف کے زمانہ کے لحاظ سے بھی تقریباً چھ سو سال سے زیادہ کافرق ہے۔ اتنا فرق ہونے کے باوجود بھی یہ صاحب اپنے علم پر اترتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھ رہے ہیں جس ”ینابیح“ کا ذکر ابن ہمام نے فتح القدر میں اور ابن نجیم نے بحر الرائق میں اور علامہ علائی نے در مختار میں کیا ہے اس کی تفسیر ینابیح المودہ سے کرتے ہیں باوجودیکہ ”ینابیح المودہ“ تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں لکھی گئی ہے جس کے مصنف علامہ سلیمان بن ابراہیم قندوزی ہیں جن کی

وفات سن ۱۲۹۴ء ہے اور جس ینابیع کا ذکر صاحب فتح القدر اور دیگر فقہاء کر ہے ہیں اس کا نام ینابیع فی معرفۃ  
الاصول والتفاریح ہے۔ یہ قدوری کی شرح ہے۔ اس کے مصنف ابو عبد اللہ ابن رمضان ہیں۔ ان کا سن وفات  
۷۶۹ء ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دونوں ینابیع ایک نہیں ہیں بلکہ ینابیع متعدد کتابیں ہیں، البتہ جس کا حوالہ صاحب  
فتح القدر وغیرہ دے رہے ہیں وہ قدوری کی شرح ہے، اس کی تفسیر ینابیع المودہ سے کرنی مراحۃ غلط ہے۔  
(کشف الظنون ص ۱۶۳ ج ۲)

ہمیں اس بات پر ہرگز ہرگز افسوس نہیں ہے کہ یہ صاحب دونوں کتابوں میں فرق اور تمیز نہیں کر  
سکے، افسوس تو اس بات پر ہے کہ ایک شرعی مسئلہ کی بنا پر علماء کا تحقیر آمیز الفاظ سے ذکر کے اپنی برتری  
ثابت کرنے کی کوشش کرنا یہ کوئی اچھی صورت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ناقص در ناقص حرکت ہے۔ ایسی  
حرکات سے انسان نہ اچھا مصنف بن سکتا ہے اور نہ ہی اچھا مفتی، بلکہ مفتی کے لیے جو فقہاء کرام نے شرائط  
آداب لازم کر رکھے ہیں ان کا اس میں متحقق ہونا ضروری ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت پہلے یہ دیکھے کہ کتابوں میں  
سے وہ کون سی کتاب ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور کون سی وہ ہے جس پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ یہ صرف  
کہتے جانا کہ فتویٰ قرآن و حدیث سے دینا چاہیے یہ کہ ایک ناقص اور عوامی خیال ہے کیونکہ فتویٰ کتب فقہ  
اور فتاویٰ سے عریض جزئیہ تلاش کر کے دینا ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت قبلہ گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتویٰ  
میں ذکر کیا کہ ایسے نکاح کے عدم جواز پر تو فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں یہ نہیں سہرا یا  
کہ ایسے نکاح کے عدم جواز پر قرآن و حدیث دلائل کر رہے ہیں یا اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں  
ہے بلکہ پہلے قرآن و حدیث کا ذکر کے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اہل بیت رسول کی محبت فرائض دینیہ سے  
ہے۔ اور جس کی محبت فرائض دینیہ سے ہوا اس کی توہین عند العرف و عند الشرع ممنوع ہے اور یہاں غیر کفو  
میں نکاح ہونے سے توہین و تذلیل و تضحیک کا ارتکاب ہے۔ لہذا سیدہ کا نکاح غیر کفو میں بھی مرد کے ساتھ  
منفقد نہیں ہوگا کیونکہ ایسے نہانے عدم انعقاد پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔

بحث عاشق :- دسویں بحث میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، خاتون  
جنت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے چند حبیبی (ذاتی)  
ادرسب فضائل کا ذکر کرتے ہیں جن فضائل کا بنیادی طور پر ہمارے موضوع سے تعلق و ربط ہے۔

امام عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر  
بن عبداللہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۷۷ھ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جابر نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ مجھے خبر  
دیں کہ وہ پہلی کون سی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
نے ارشاد فرمایا "اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر یہ  
نور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ نہ جنت  
تھی نہ دوزخ تھی، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان، نہ زمین نہ سورج نہ چاند، نہ جن نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ  
فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے سے لوح،  
تیسرے سے عرش، پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے  
اور دوسرے حصے سے کرسی اور تیسرے حصے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے  
آسمان بنائے، دوسرے حصے سے زمین، تیسرے حصے سے جنت اور دوزخ۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم  
کیا تو پہلے سے مومنین کی آنکھوں کا نور بنایا اور دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا جو معرفت الہی ہے،  
اور تیسرے سے ان کا نور انس پیدا کیا اور وہ توحید ہے (جس کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے) مواہب

(مواہب لدنیہ ص ۱۵۱، ذرقانی شرح مواہب ص ۱۷۱ ج ۱)

اس حدیث "نور نبیک من نور" تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، میں "من نور" میں  
اضافت بیانہ ہے اور نور سے مراد ذات ہے۔ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کے نور پاک یعنی ذات مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ  
اللہ تعالیٰ کی ذات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا مادہ ہے بلکہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے  
ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسن الوہیت کا ظہور اول تھی بغیر اس کے کہ ذات خداوندی نور محمدی کا مادہ یا حصہ  
اور جز قرار پائے گویا کہ یہ کیفیت متشابہات میں سے ہے جس کا سمجھنا ہمارے لیے ایسا ہی ہے جیسا قرآن و  
حدیث کے دیگر متشابہات کا سمجھنا۔ البتہ سہ لطفین کے لحاظ سے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح شیشہ  
آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے لیکن آفتاب کی ذات یا اس کی نورانیت اور روشنی میں کوئی کمی  
نہیں واقع ہوتی اور یہ کہنا بھی صحیح ہوتا ہے کہ شیشے کا نور آفتاب کے نور سے ہوتا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ



علیہ وآلہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوا اور آیتہ محمدی نور ذات احدی سے اس طرح منور ہے کہ نور محمدی کو نور خداوندی سے قرار دینا صحیح ہوا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پاک یا اس کی کسی صفت میں کوئی نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی۔ شیشہ، سورج سے روشن ہوا اور اس ایک شیشے سے تمام شیشے منور ہو گئے۔ نہ پہلے شیشے نے آفتاب کے نور سے کچھ کمی اور نہ دوسرے شیشوں نے پہلے شیشے کے نور سے کچھ کم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور کو پہنچا اور حضور کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا۔

حدیث جابر میں جو بار بار نور کی تقسیم کا ذکر آیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ نور محمدی تقسیم ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب نور محمدی کو پیدا فرمایا تو اس میں وہ شعاع در شعاع بڑھتا گیا اور وہی مزید شعاعیں تقسیم ہوتی رہیں۔ اس کی طرف علامہ زرقانی نے بھی اشارہ فرمایا (زرقانی شرح مواہب ص ۶۴)

سوال :- نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہونا ثابت نہ ہوا۔  
جواب :- حدیث شریف میں "نور نبیک من نورہ" آیا ہے، جس طرح نورہ میں اضافت بیان ہے اور لفظ "نور" سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اسی طرح "نور نبیک" میں اضافت بیان ہے اور لفظ "نور" سے ذات پاک حضور مراد ہے، لہذا ذات محمدی کو لفظ نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال ۱۔ صرف روح پاک نور ہے جسم اقدس نور نہیں ہے۔

جواب :- حدیث جابر میں تمام اشیاء سے جس نور محمدی کی خلقت (پیدائش) کا بیان ہے وہ حضور کی ذات پاک کا نور ہے۔ اور وہ اس لطیف حقیقت کو بھی شامل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی اور پاکیزہ اجزاء جسمیہ کا جوہر لطیف کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ وہ نور پاک آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں بطور امانت رکھا گیا۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت میں رکھ دیا۔ وہ نور ایسا شدید چمکنے والا تھا کہ باوجود پشت آدم میں ہونے کے پیشانی آدم علیہ السلام سے چمکتا تھا اور آدم علیہ السلام کے باقی انوار پر وہ غالب ہو جاتا تھا۔ یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ پشت آدم علیہ السلام میں ان کی تمام اولاد کے وہ لطیف اجزاء جسمیہ تھے جو انسانی پیدائش کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہی اس کے اجزاء اصلیہ کہلاتے ہیں نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ہر باپ کے صلب (پشت) میں اس کی اولاد کے ایسے ہی لطیف اجزاء بدنہ موجود ہوتے ہیں جو اس سے منتقل ہو کر اس کی نسل کہلاتی ہے۔ اولاد کے ان ہی اجزاء اصلیہ و جسمیہ کا آباد کے اصلاب میں پایا جانا باپ بیٹے کے درمیان ولایت

اور اہلیت کے رشتہ کا سنگ بنیاد اور سبب اصلی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت میں قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کے اجزاء اصلیہ رکھ دیئے یہ اجزاء روح کے نہیں اور نہ ہی روح کے گل کے ہیں، کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح سما سکتی ہے، ایک سے زیادہ ایک بدن میں روح کا پایا جانا بجاہتہً باطل ہے۔ لہذا آدم علیہ السلام کی پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک نہیں رکھی گئی بلکہ جسم اقدس کے جوہر لطیف کی نورانی شعاعیں رکھی گئی تھیں جو نور ذات محمدی کی شعاعیں تھیں، بنی آدم کے ارواح ان کے باپوں کے پشتوں میں نہیں رکھے گئے بلکہ ارواح تو ماؤں کے پیٹوں میں استقرار حمل کے بعد رکھے جاتے ہیں ملاحظہ کیجیے :

علامہ داؤد انطاکی اپنی مشہور تصنیف ”التذکرہ“ میں حمل کے تغیرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اطباء کے نزدیک نطفہ میں سات قسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ پہلے ہفتہ میں وہ پانی کی شکل پر ہوتا ہے پھر اس کے باہر ایک جھلی بنتی ہے اور اندر نطفہ منجمد ہو جاتا ہے اور سولہ دن میں اس پر لمبے لمبے خطوط کی شکل نمودار ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ سرخ رنگ کا خون بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی شکل گوشت کے لوتھرے کی ہو جاتی ہے اور سب سے پہلے اس میں قلب کی شکل نمودار ہوتی ہے، پھر دماغ کی۔ بیس دن میں اس میں ہڈیوں کے نشانات قائم ہوتے ہیں اور حمل کے پچھ بننے کی یہ کم سے کم مدت ہے۔ پچھتر دن کے بعد وہ اپنی غذا جذب کرنے لگتا ہے اور اس پر گوشت آنا شروع ہو جاتا ہے اب وہ پہلے سے بالکل علیحدہ ایک جدید مخلوق کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس میں حرارت عزیز یہ پیدا ہو جاتی ہے اور اب اس میں طبعی نمود شروع ہو جاتا ہے (اسی کا نام روح طبعی ہے) اور سو دن کے بعد نباتات کی طرح نمود ہونے لگتا ہے اور اب اس میں حقیقی روح پھونکی جاتی ہے۔ اس بیان سے جو اختلاف نفع کے بارے میں فلاسفہ اور اہل شرع کے مابین تھا وہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک نفع روح کی مدت ستر دن ہے اور اہل شرع کے نزدیک چار ماہ (۱۲۰ دن) ہے، ظاہر ہے کہ فلاسفہ روح شرعی کو نہیں پہچانتے۔ ان کے نزدیک روح طبعی ہی ایک روح ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان کا نشوونما ہوتا ہے۔ اہل شرع کے نزدیک انسان کی حقیقت اس کا جسم نہیں بلکہ دراصل وہ روح انسانی ہے جس میں اپنے خالق کی معرفت مرکوز ہوتی ہے وہ روح چار ماہ کے بعد (ماں کے بطن میں) پھونکی جاتی ہے۔ اور جو روح طبعی ہے وہ مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق اہل اسلام کے نزدیک بھی پچھتر دن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے دونوں طبقوں کے درمیان روح طبعی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ (ترجمان السنۃ ص ۲) اس سے ظاہر ہے کہ روح باپ کی پشت میں نہیں رکھی گئی بلکہ ماں کے پیٹ میں پچھ بننے کے چار ماہ بعد پھونکی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے ہے کہ استقرار حمل سے چار مہینے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لیے بھیجتا ہے، اور وہ چار باتیں

لکھ دیتا ہے، عمل، رزق، عمر اور دوزخی یا جنتی ہونا۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے (مشکوٰۃ ص ۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ اولاد کی روہیں باپ کی پشت میں نہیں رکھی جاتیں بلکہ شکم مادر میں پھونکی جاتی ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ ارواح بنی آدم حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں نہیں رکھے گئے اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھی گئی ہے بلکہ آدم علیہ السلام کی پشت میں اجزاء اصلیہ رکھے گئے ہیں اور حدیث جابر میں جس نور محمدی کا ذکر ہے وہ اس لطیف حقیقت کو بھی شامل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی اور پاکیزہ اجزاء جسمیہ کا جوہر لطیف کہا جاسکتا ہے، یہی نور پاک حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں رکھا گیا، جب جسم اقدس کے اصلیہ اجزاء نور ہوئے تو جسم اقدس بھی نور ہوا۔

**سوال :-** عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے ان کی قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اولاد کو باہر نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا، معلوم ہوا کہ تمام بنی آدم کی ارواح آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھیں۔

**جواب :-** پشت آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کی ارواح نہیں نکالی گئی تھیں بلکہ وہ ان کے اشخاص مثالیہ تھے جو مثالی صورتوں میں ان کی پشت مبارک سے بقدرت ایزدی ظاہر کیے گئے تھے، کیونکہ ہم ابھی حدیث بحوالہ مشکوٰۃ سے ثابت کر چکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں نفع روح کیا جاتا ہے، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ نور محمدی اپنی عزت و کرامت کے مقام میں جلوہ گر رہا اور پشت آدم علیہ السلام میں اجزاء جسمانیہ کے جوہر لطیف کے انوار رکھے گئے تھے جو اصلاً ظاہر اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتے ہیں۔

**سوال :-** بعض روایات میں ہے کہ نور محمدی آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اور بعض میں ہے کہ نور محمدی آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا، دونوں روایتوں میں جو اختلاف ہے اس کا مطلب کیا ہے۔

**جواب :-** دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ جب نور مبارک پشت آدم علیہ السلام میں تھا تو اپنے کمال نورانیت اور شدت چمک کی وجہ سے پیشانی آدم میں بھی چمکتا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن مبارک بھی نور تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام کو پسند کیا اور ان کو اپنا خلیل بنایا اور پھر اولاد ابراہیم سے حضرت اسماعیل کو اور اولاد اسماعیل سے نزار کو اور اولاد نزار سے مضر کو اور مضر سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے بنی عبدالمطلب کو پھر بنی عبدالمطلب سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

امام ترمذی نے جو حضرت عباس سے روایت کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے اچھے خاندان میں پیدا کیا یعنی بنی ہاشم میں بس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک تمام ہی اس بے احتیاطی سے محفوظ رہے جو زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتی تھی۔ میرے آباؤ اہمات سب اس سے منزہ اور پاک رہے۔ پس میرے نسب میں کوئی میل نہیں ہے (نشر الطیب ص ۱۸ و ۱۹)

آپ کا اسم گرامی "علی" کنیت ابوالمحسن، ابو تراب، اور لقب اسد اللہ ہے۔ والد کا نام عمران (ابوطالب)

### حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

ہے، والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔ حضرت علی کی پیدائش بائیس<sup>۲۲</sup> رجب اتوار کی شب کو کعبہ میں ظہور نبوت سے دس سال قبل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام علی تجویز فرمایا (مناقب علی بن ابی طالب ص ۱، معرفۃ الصحابہ ص ۲۶۹، نور الابصار ص ۶۹، مستدرک ص ۲۶۲ ج ۲، کنوز الحقائق ص ۱۸۸، اسد الغابہ ص ۳ ج ۴) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الاوان علی بن ابی طالب من نسبی من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی (مناقب علی بن ابی طالب ص ۱۹ ذیل اللسانی ص ۶۲) حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) میرے نسب سے ہیں جس نے علی کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے علی سے بغض رکھا پس تحقیق اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی من صلبہ وان اللہ عزوجل وعلا جعل ذریۃ محمد عن صلب علی بن ابی طالب (مناقب علی بن ابی طالب ص ۲۹، ینایح المودہ ص ۲۶۶، مجمع الزوائد ص ۲۶۲ ج ۹، صواعق محرقة ص ۴۴، جامع صغیر للسیوطی ص ۲۳ ج ۱، تاریخ الخطیب ص ۲۱۶ ج ۱، ذخائر عقبی ص ۶۷، ریاض النفرۃ ص ۱۶۷ ج ۲، میزان الاعتدال ص ۱۱۷ ج ۲، لسان المیزان ص ۲۲۹ ج ۳، ذرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۶ ج ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کی صلب میں رکھی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت

علی کی صلب میں رکھی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے ہی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا حضور نے ارشاد فرمایا مکتوب علی باب الجنة قبل ان یخلق اللہ السموات والارض بالفی عام محمد رسول وعلی اخوہ (مناقب علی بن ابی طالب ص ۹، حلیۃ الاولیاء ص ۲۵۶ ج ۷، تاریخ بغداد ص ۳۸۷ ج ۷، میزان الاعتدال ص ۴۵۷ ج ۱، ذخائر العقبی ص ۶۶، مجمع الزوائد ص ۱۱۱ ج ۹، تذکرہ خواص الامم ص ۲۶، کنز العمال ص ۳۶ ج ۵) اللہ تعالیٰ کے آسمان اور زمین پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی ان کے بھائی ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، انت اخي في الدنيا والاخرة (سنن ترمذی ص ۲۹۹ ج ۱، مستدرک ص ۱۲ ج ۳، سنن ابن ماجہ ص ۱۲، تاریخ ابن جریر طبری ص ۵۶ ج ۲، خصائص للنسائی ص ۱۸، کنز العمال ص ۳۹۲ ج ۴، ریاض النضرہ ص ۱۵۵ ج ۲، مجمع الزوائد ص ۱۳۲ ج ۹، طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۸، مسند احمد بن حنبل ص ۱۵۹ ج ۱، ذخائر عقبی ص ۹۲، اسد الغابہ ص ۳۱ ج ۳، استیعاب ص ۳۶ ج ۲، حلیۃ الاولیاء ص ۲۵۶ ج ۷، فیض القدر للمناوی ص ۲۵۵ ج ۴، صواعق محرقة ص ۷۳، کنوز الحقائق ص ۲۷، کفایۃ الطالب ص ۳۳، اصابہ ابن حجر ص ۱۸۲ ج ۸) عمر

عمران بن حصین، حضرت بریدہ، حضرت براء بن عازب، اسامہ ابن زید اور عبثی بن جنادہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بن علیا منی وانا منہ وهو ولی کل مؤمن بعدی (مسند احمد بن حنبل ص ۲۰۳ ج ۵، خصائص للنسائی ص ۳۶، مسند طیالسی ص ۱۱۱، البدایہ والنہایہ ص ۲۲۲ ج ۷، سنن ترمذی ص ۱۶۳، مستدرک ص ۱۱ ج ۳، تاریخ اسلام للذہبی ص ۱۹۵ ج ۲، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۲۱۲، سنن بیہقی ص ۳۲۲ ج ۴، مناقب للخطیب الخوارزمی ص ۷۹، ابن ماجہ ص ۵۷ ج ۱، تذکرۃ الحفاظ ص ۴۵۴، کنز العمال ص ۳ ج ۵، جامع صغیر لسیوطی ص ۵۵۹ ج ۵، تاریخ الخلفاء ص ۱۶۹، بخاری کتاب المغازی ص ۱۷۹، ابوداؤد ص ۳۵، مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۲، مرقاۃ المفاتیح ص ۵۶۹ ج ۵، درمنثور ص ۲۰۹ ج ۳، تفسیر طبری ص ۳۶ ج ۱۰، تاریخ طبری ص ۵۱۳ ج ۲، ریاض النضرہ ص ۱۷۲ ج ۲، مجمع الزوائد ص ۱۱۳ ج ۶، کفایۃ الطالب ص ۲۷۲، ذخائر عقبی ص ۶۸، زرقانی شرح مواہب ص ۳ ج ۳، مشکل الآثار ص ۱۷ ج ۴، تاریخ بغداد ص ۲۹۲ ج ۶) کہ بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں متحد ہیں جیسے کہ ایک ذات ہوتی ہے لیکن حضرت علی نبی نہیں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں یعنی نبوت کے علاوہ دونوں کا اتحاد اور اتصال ہے جس کے حضور دوست ہیں اس کے حضرت علی بھی دوست ہیں، جو حضور کا دشمن ہے وہ علی کا دشمن ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام فرض ہے، اسی طرح حضرت علی کا احترام لازم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم گھر کی حفاظت کے لیے مدینہ منورہ میں ہی رہو، تو حضرت علی نے عرض کیا کہ کیا حضور مجھے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے چھوڑے جا رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے علی! تم اس بات پر راضی نہیں ہو انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لانی بعدی، کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام بمنزلہ تھے اسی طرح تم بھی میرے بمنزلہ ہارون کے ہو سوائے اس کے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔" صحیح مسلم ص ۱۱۹، صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، میزان الاعتدال ص ۲۶۳ ج ۱، لسان المیزان ص ۳۲ ج ۲، خصائص للنسائی ص ۱، مناقب للخطیب الخوارزمی ص ۷۹، اسد الغابہ ص ۲۶ ج ۴، ذخائر العقبیٰ ص ۷۹، ریاض النفرہ ص ۱۹۵ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۳۲ ج ۱، سنن ترمذی ص ۹۵ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۱۷ ج ۱، کنز العمال ص ۱۵۴ ج ۶، ابن ماجہ ص ۱۱، ابوداؤد طیالسی ص ۲۸ ج ۱، حلیۃ الاولیاء ص ۱۹۴ ج ۷، مشکل الآثار ص ۳۰۹، تاریخ بغداد ص ۲۲ ج ۱۱، فتح الباری ص ۷ ج ۸، مستدرک ص ۳۳ ج ۲، طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۲، استیعاب ص ۴۵۹ ج ۲، مجمع الزوائد ص ۱۱ ج ۹، تاریخ ابن جریر ص ۲۶۸ ج ۲)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معاشر المسکین هذا اخي وابن عمي ونعتني هذا الحمي ودمي، (ذخائر العقبیٰ ص ۹۲، مجمع الزوائد ص ۱۱ ج ۹، کنز العمال ص ۱۶۱، کنز العمال ص ۱۵۴ ج ۶، تاریخ بغداد ص ۲۰۴ ج ۲) اے مسلمانوں کی جماعت یہ (علی) میرا بھائی ہے اور میرے چچا کا بیٹا ہے اور میرا داماد ہے، یہ میرا گوشت ہے اور میرا خون ہے۔

ان مذکورہ بالا احادیث اور روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے نسب سے ہے اس کی محبت میری محبت ہے اس کے ساتھ بغض میرے ساتھ بغض ہے۔

اے شرف الدین حسن طیبی المتوفی ۱۲۳۳ھ ، ۱۲ (مفتی غلام رسول)

جنت کے دروازے پر جیسے کہ میرا نام لکھا ہوا ہے اسی طرح اس کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس کی اولاد میری اولاد ہے، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، یہ ہر مومن کا دوست ہے اور یہ مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہے، یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرے چچا کا بیٹا ہے یہ میرا گوشت ہے اور یہ میرا خون ہے، اس کا نسب میرا نسب ہے۔ جیسے کہ میرا نسب طیب و طاہر ہے اسی طرح اس کا نسب بھی طیب و طاہر ہے۔

آپ کا نام فاطمہ، لقب زہرا ہے۔ آپ کی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت علیہا السلام

ولادت نبوت کے پہلے سال میں ہوئی۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے بطنِ اہلہ سے ہیں۔ اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک اکتالیس تھی، آپ کا نام فاطمہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے عقیدت مندوں کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا ہے، لان اللہ تعالیٰ فطمیہا و محبیہا عن النار (ذخائر عقیبی ص ۲۶، تاریخ بغداد ص ۳۳۱ ج ۱۲، صواعق محرقة ص ۱۵۱) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے عقیدت مندوں کو دوزخ سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ اور آپ کا لقب "زہراء" رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ زہرا پھول کی خوبصورت کلی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فاطمہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و صورت اور حسن و جمال سے مشابہ تھیں اس لیے آپ کو زہراء کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حسن و اخلاق اور گفتگو میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدہ فاطمہ بنت رسول کے زیادہ مشابہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاطمۃ بضعة منی (کتاب النور ص ۱۴، حلیۃ الاولیاء ص ۲۴ ج ۲، مقتل الحنین للنور زمی ص ۶۲، مناقب الاخیار لابن اثیر ص ۵۶، الکبائر للذہبی ص ۱، مجمع الزوائد ص ۲۳ ج ۹) کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا فاطمۃ ان اللہ لیغضب لغضبک ویرضی لرضاک (مستدرک حاکم ص ۱۵۲ ج ۳، میزان الاعتدال ص ۳۳۵ ج ۱، اسد الغابہ ص ۵۲۲ ج ۵، ذخائر عقیبی ص ۲۹، اصابہ ص ۳۴۸ ج ۴، تہذیب التہذیب ص ۴۴۱ ج ۱۲، کفایۃ الطالب

لہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۲۳۹ ج ۱۶، ۱۷ (مفتی غلام رسول ۱۲)

۲۶۴، مجمع الزوائد ص ۲۰۳ ج ۹) اے فاطمہ "تیری ناراضگی میں یقیناً اللہ کی ناراضگی ہے اور تیری خوشی میں اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے۔ یعنی جب سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا ناراض ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے اور جب راضی ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جاتا ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے سلمان! جس کسی سے میری بیٹی فاطمہ ناراض ہے اس سے میں ناراض ہوں اور جس سے میں ناراض ہوں اس سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہے۔ اور جو شخص اس پر اور علی پر اور ان کی اولاد پر ظلم کرے اس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔"

حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا كان يوم القيامة نادی مناد من تحت الحجب يا اهل الجمع غصوا ابصاركم ونكسوا رؤسكم فهذه فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تريد ان تمر على الصراط (مستدرک ص ۱۵۳ ج ۳، میزان الاعتدال ص ۳۸۲ ج ۲، لسان المیزان ص ۲۳ ج ۳، اسد الغابہ ص ۵۲۳ ج ۵، کفایۃ الطالب ص ۲۶۴) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا پردہ میں سے کہ اے محشر والو! اپنی نظریں نیچے کر لو اور اپنے سروں کو جھکا لو کیونکہ یہ فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پل صراط سے گزرنے کا ارادہ فرما رہی ہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ ستر ہزار حوروں کے ساتھ پل صراط سے برق (بجلی) کی طرح گزر جائیں گی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر تمہاری بخشش کی دعا کراؤں۔ والدہ نے مجھے اجازت دی میں نے مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ادا کی اس کے بعد عشاء کی نماز بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی ادا کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء کے بعد فارغ ہو کر تشریف لے چلے تو میں آپ کے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے میرے قدموں کی آواز سُن کر فرمایا کیا تو حذیفہ ہے، میں نے عرض کیا ہاں، فرمایا تمہیں کیا کام ہے۔ میں نے عرض کیا حضور آپ میری ماں کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں، حضور نے فرمایا، غفر اللہ لك و لامك، کہ اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری ماں کو بخشے۔ پھر حضور نے فرمایا حذیفہ مجھے معلوم ہے یہ میرے ساتھ باتیں کرنے والا کون تھا، میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے



پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا، اس فرشتہ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ مجھے سلام کرے اور مجھے بشارت دے رہا ہے بان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة وان الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة، کہ بے شک سیدہ فاطمہ علیہا السلام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور بے شک حسن اور حسین علیہما السلام جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا تھا، الا ترضین ان تکونی سيدة نساء اهل الجنة او نساء العالمین کیا تو میری بیٹی اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے یا تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے خیر نساء امتی فاطمة بنت محمد، میری امت کی تمام عورتوں میں بہتر میری بیٹی ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ بوجہ جگر گوشہ رسول ہونے کے تمام عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔

تاج الدین سبکی، علامہ سید آلوسی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ تمام عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی افضلیت سے یہ بھی ہے کہ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت مریم علیہا السلام کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملتا ہے۔ اسی طرح حسنین کہ یمین اور ان کی اولاد کا نسب حضرت سیدہ فاطمہ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ السلام کے ساتھ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء کے لیے ہاتھوں یہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

اسم گرامی حسن، کنیت ابو محمد، لقب سید ہے، آپ کے والد حضرت علی المرتضیٰ اور والدہ سیدہ فاطمہ الزہراء ہیں۔ ۱۵ رمضان کی شب کو مدینہ طیبہ

امام حسن علیہ السلام

میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن تجویز فرمایا۔ امام حسن علیہ السلام کی ولادت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے، اسماء بنت عمیس نے حضرت حسن کو اٹھا کر حضور کی خدمت میں حاضر کیا تو حضور نے امام حسن کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی اور آپ کی ولادت طیبہ کے ساتویں دن عقیقہ کیا اور آپ کے سر مبارک کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ ان بالوں کے مطابق

ہم وزن چاند کی خیرات کی جائے اور پھر حضور نے اپنا لعاب دہنی حضرت حسن کے منہ میں ڈالا اور یہ دعا بھی سنرمانی اللہم انی اعیذہ بک و ذریتہ من الشیطن الرجیم، اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں اس شیطان کے شر سے جو تیری بارگاہ سے راندہ ہوا ہے۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام شکل و صورت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اسی لیے آپ کے القاب سے ایک لقب شہید الرسول بھی ہے۔ (ادب المفرد للبخاری ص ۱۲، مستدرک ص ۱۶۵ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص ۹۸ ج ۱، سنن بیہقی ص ۱۵۵ ج ۴، اسد الغابہ ص ۳۰۸ ج ۴، استیعاب ص ۱۳۹ ج ۱، کنز العمال ص ۲۲۱ ج ۶، صواعق محرقة ص ۱۱۵، ذخائر العقبی ص ۱۲۰، مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹ ج ۱، مجمع الزوائد ص ۱۶۴ ج ۹، سنن ترمذی ص ۲۸۶ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۸۸ ج ۲، سنن ابوداؤد ص ۱۰، تاریخ بغداد ص ۱۵۱ ج ۱۰، مشکل الآثار ص ۲۵۶ ج ۱)

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر نکلے تو ابوبکر نے دیکھا کہ ”حسن“ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں تو ابوبکر نے حسن کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا میرا باپ قربان ہو اس پر شبیبہ بالنبی لاشبیبہ بالعلی وعلی علیہ السلام یضحک، کہ یہ حسن حضور کے مشابہ ہیں یہ علی کے مشابہ نہیں اور حضرت علی مسکرا رہے تھے (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، مستدرک ص ۱۶۵ ج ۳، صحیح ترمذی ص ۳۰۳ ج ۲، مسند احمد بن حنبل ص ۱۵۵ ج ۱، ابوداؤد طیالسی ص ۱۹ ج ۱، استیعاب ص ۱۳۹ ج ۱، اصحابہ ابن حجر ص ۱۵ ج ۲، کنز العمال ص ۱۰۶ ج ۲، فتح الباری ص ۹ ج ۸، مجمع الزوائد ص ۱۸۵ ج ۹)

امام حسین علیہ السلام نہایت سخی اور قیاض تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اس نے سوال کیا آپ نے اسی وقت فرمایا گھر میں جتنی رقم ہے اسے دی جائے۔ چنانچہ وہ دس ہزار درہم تھے جو کہ تمام ہی سائل کو دے دیئے گئے۔ سائل (اعرابی) نے عرض کیا یا سیدی آپ نے اتنا موقع بھی نہ دیا کہ کچھ عرض کر سکوں۔ آپ نے فرمایا ہم اہل بیت سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کرنے کے عادی ہیں تاکہ سائل کی پیشانی شرم سے عرق آلود نہ ہو۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۳ ج ۱)

غور کیجئے امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کرنے کے عادی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت کرام کی کائنات میں کوئی مثال ہی پیش نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فحسن اهل بیت لا یقاس بنا احد (ذخائر العقبی ص ۱۲۰)

کہ ہم اہل بیت کے ساتھ کوئی ایک تیس نہیں کیا جاسکتا، یعنی کوئی اپنے کو ہم پر قیاس نہ کرے اور نہ ہی ہم کو اپنی طرح تصور کرے۔ اسی بنا پر اہل بیت کے وہ خصائص ہیں جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہیں۔ چونکہ اہل بیت کے خصائص اور احکام علیحدہ ہیں اسی وجہ سے حضور نے حسین کریمین کو اپنی اولاد فرمایا اور حسین کریمین کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہے۔

آپ کا نام حسین، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب سبط الرسول ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور والد حضرت علی المرتضیٰ

## امام حسین علیہ السلام

ہیں۔ حضرت ام فضل بنت عارث سے روایت ہے کہ میں نے ایک خواب پریشان دیکھا تو اس حالت پریشانی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بہت سخت عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے جو تم نے دیکھا۔ عرض کیا وہ بہت ہی خطرناک خواب ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں تم بیان کرو، عرض کیا: کان قطعة من جسدك قطعت ووضعت فی حجری فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رأیت خیرا لقد فاطمة ان شاء اللہ تعالیٰ غلاماً فیکون فی حجرک، میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ام فضل یہ گھبرانے کی بات نہیں ہے یہ تو بڑا اچھا خواب ہے (اس کی تعبیر یہ ہے) کہ انشاء اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ کو اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا جسے تم اپنی گود میں لوگی۔ حضرت ام الفضل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی تھیں اپنا خواب سنا کر اور تعبیر سن کر تشریف لے گئیں تھیں، وقت گذرنا گیا یہاں تک کہ سن چار ہجری کے ماہ شعبان کی پانچ تاریخ کو حضرت سیدہ فاطمہ کے ہاں مدینہ طیبہ میں امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور حدیث پاک میں ہے فولدت فاطمة الحسین فکان فی حجری کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ حضرت فاطمہ کے ہاں حسین (علیہ السلام) پیدا ہوئے اور میری گود میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (مسند رک ص ۱۶۱ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص ۲۹۹ ج ۶، اسد الغابہ ص ۲۵ ج ۱، اصحابہ ابن حجر ص ۲۳ ج ۵، سنن ابن ماجہ ص ۲۸۹)

امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت حسین کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضور نے اپنی گود میں لیا اذن فی اذن الحسین علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین کے کان میں

اذان دی لہذا پہنالعاب اقدس ان کے منہ میں ڈالا اور ان کے لیے دعا کی اور آپ کا نام حسین رکھا اور حکم دیا کہ ساتویں روز ان کا عقیقہ کرو اور سر کے بال اتار کر اس کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔ (سنن ترمذی ص ۲۸۶، سنن ابو داؤد ص ۲۱۴ مسند احمد بن حنبل ص ۳۹۱ ج ۶، ابو داؤد طیالسی ص ۱۳ ج ۴، مستدرک ص ۱۸۹ ج ۳، سنن نسائی ص ۱۸۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۱۵۱ ج ۱۰، مشکل الآثار ص ۲۵۶ ج ۱، حلیۃ الاولیاء ص ۱۱۶ ج ۷، سنن بیہقی ص ۲۹۹ ج ۹، ذخائر عقبی ص ۱۱۹، کنز العمال ص ۱۰ ج ۷) چنانچہ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا اور چاندی خیرات کی گئی اور حضور نے امام حسین کا نام بھی خود ہی تجویز فرمایا امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن مرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا، حسین سبط من الاسباط، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، جو حسین سے محبت کرے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا، حسین میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ (سنن ترمذی ص ۳ ج ۲، ابن ماجہ فضائل صحابہ، بخاری ادب المفرد، باب معانقہ، مستدرک ص ۱۷۷ ج ۳، مسند احمد بن حنبل ص ۱۷۲ ج ۴، اسد الغابہ ص ۱۳ ج ۵، کنز العمال ص ۱۰ ج ۷) یہ حدیث اتحاد والفت شدت اتصال اور محبت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ عرب لوگ جب محبت کا اظہار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں مجھ سے ہے اور میں فلاں سے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، حسین کی محبت میری محبت ہے، حسین کی سیرت میری سیرت ہے، میری تعلیم حسین کی تعلیم ہے۔ حسین نے مقام کربلا میں اپنے اعزہ و اقارب اور اپنی جان کی قربانی دے کر اس کا ثبوت مہیا فرمادیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو زندہ فرمادیا اور دین اسلام میں جو یزیدی قوت نے بگاڑ پیدا کر دیا تھا اس کا قلع و قمع کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر ہی اس حدیث میں بیان فرمائی ہے کہ مادی اور جسمانی لحاظ سے حسین مجھ سے ہے اور معنوی اور روحانی اعتبار سے میں حسین سے ہوں۔ مجھ میں اور حسین میں سوائے نبوت اور رسالت کے کوئی فرق نہیں ہے۔ امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ اسامہ بن زید سے یہ روایت بھی ذکر کی ہے ہذا ابناسی واینا ابنہتی، یہ (حسین و حسن) میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں میں ان سے پیار کرتا ہوں لے اللہ تو بھی ان سے پیار کرے اور جو ان سے پیار کرے اس سے بھی پیار کرے (ترمذی ص ۲۴ ج ۲، کنز العمال ص ۲۲ ج ۶، خصائص للنسائی ص ۳۶، ابن ماجہ فضائل حسنین، مسند احمد بن حنبل ص ۲۸۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۱۲ ج ۱، کنوز الحقائق ص ۱۳۳، مسند ابو داؤد طیالسی ص ۲۳۲ ج ۱۰، مجمع الزوائد ص ۱۸ ج ۹، سنن بیہقی ص ۲۶۳، حلیۃ الاولیاء ص ۲۰۵ ج ۸، اصابہ ابن حجر ص ۱۲ ج ۲، تاریخ کبیر ابن عساکر ص ۲۱۲ ج ۱۰، استیعاب ص ۱۳۸ ج ۱، مستدرک ص ۱۶۶ ج ۳، ذخائر عقبی ص ۱۲۳)

اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضور فرما رہے ہیں کہ حسین میرے بیٹے ہیں کہ حسین کا نسب حضور کا نسب ہے اور حضرت حسین کا نسب سیدہ فاطمہ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ غرضیکہ حسنین کریمین کا نسب اور ان کی آگے اولاد کا نسب بوجہ سیدہ فاطمہ الزہراء کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ لہذا یہ نسب مخصوص اور اس کے احکام بھی دیگر نسبوں کی بہ نسبت مخصوص اور جدا ہیں۔ امام محمد بن حنفیہ المتوفی ۲۴۱ھ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور امام حسین کے والد کی طرف سے بھائی ہیں۔ یہ امام حسین کو فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی اور شہزادی تھیں۔ میری ماں کے قبضہ میں اگر تمام کمالات بھی آجائیں تو بھی آپ کی والدہ کی شان و عظمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اس لحاظ سے آپ کو مجھ پر فضیلت ہی فضیلت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فضیلت سیدہ فاطمہ الزہراء کی وجہ سے ہے اور سادات کو چونکہ نسبی شرافت و عظمت، رسول اللہ، سیدہ فاطمہ الزہراء اور حسنین کریمین کی وجہ سے ہے اور ابن حجر مکی کے قول کے مطابق کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور کی صاحبزادی کی اولاد حضور کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے، حضور کا ہم کفو اور مثل نہیں ہے آپ کی اولاد کا بھی کوئی کفو نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عنقریب میں سے ہو۔ یعنی سیدہ فاطمہ الزہراء اور حسنین کریمین کی آگے اولاد کا ہم کفو وہی ہوگا جو کہ نسب عنقریب میں سے ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں سیدہ زادی کا ہم کفو صرف اور صرف سیدہ ہوگا۔ اگر کسی سیدہ نے اپنی رضامندی اور ولی کی رضامندی کے ساتھ غیر سیدہ کیساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا کیونکہ سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے کفایت میں مطرد الحکم تسلیم کیا گیا ہے یعنی اگر مرد اور عورت دونوں نسبی طور پر سیدہ ہوئے تو نکاح منعقد ہوگا ورنہ نہیں۔

قارئین حضرات قبل اس کے کہ حسب و نسب کا اختتامیہ پڑھیں پہلے اصل مسئلہ سے متعلقہ اور غیر متعلقہ چند سوالات کے جوابات بھی پڑھ لیں جو کہ مخالفین کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔

**سوال** :- نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید سے کر دیا تھا۔ حضرت زینب بنو ہاشم سے تھیں ان کا نسب کہاں اور کہاں زید کا نسب، جب یہ نکاح غیر کفو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا تھا تو ثابت ہوا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا جائز ہے جب کہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں۔

**جواب** :- اس سوال کا جواب پڑھنے سے پہلے حضرت زید اور ان کے نکاح کا واقعہ پڑھیے۔

حضرت زید در اصل قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شراحیل کے بیٹے تھے اور ان کی ماں سعدی بن ثعلبہ قبیلہ کے لی شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب یہ آٹھ سال کے بچے تھے اس وقت ان کی ماں انہیں اپنے میکے لے کر گئیں وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ کر لے گئے ان میں حضرت زید بھی تھے۔ پھر انہوں نے طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انہوں نے زید کو مکہ مکرمہ لاکر اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں نذر کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجہ کے ساتھ جب نکاح ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاں حضرت زید کو دیکھا اور ان کی عادات و اطوار پسند آئیں، انہیں تو آپ نے زید کو حضرت خدیجہ سے مانگ لیا اس طرح حضرت زید حضور کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر پندرہ سال تھی، کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اے یوں ہی چھوڑ دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہو اسے خواہ مخواہ نکال دوں انہوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے۔ آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں صاحبوں کو جلتے ہو، انہوں نے عرض کیا جی ہاں یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپ نے فرمایا اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی، اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو میرے ساتھ رہو۔ حضرت زید نے جواب دیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ زید کے باپ اور چچا نے کہا زید کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے زید نے جواب دیا کہ میں نے اس ذات کے جو اوصاف دیکھے ہیں ان کا تجربہ کر لینے کے بعد میں اب دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضرت زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا خوشی سے راضی ہو گئے۔ حضور نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں جا کر فرما دیا آپ سب

(مفتی غلام رسول)

لے حضرت زید بن حارثہ المتوفی ۱۲۰ھ

لوگ گواہ رہیں آج سے زید میرا بیٹا ہے یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے، اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات ظہورِ نبوت سے پہلے کے ہیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنہوں نے ایک لمحہ شک و تردید کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت خدیجہ، دوسرے حضرت زید، تیسرے حضرت علی اور چوتھے حضرت ابو بکر۔ اس وقت حضرت زید کی عمر تیس سال تھی اور ان کو حضور کی خدمت میں رہتے ہوئے پندرہ سال گزر چکے تھے۔ ہجرت کے بعد ۳ء میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کے لیے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا اور حضرت زینب اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام دیا تو حضرت زینب نے کہا انا خیر منہ نسباً، میں اس سے نسب میں بہتر ہوں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت زینب نے جواب میں یہ بھی کہا تھا لا ارضاه لنفسی وانا ایتم قریش، کہ میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی کہ میں قریش کی شریف زادی ہوں۔ اسی طرح کا اظہار نارضا منہ ہی ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ اس لیے کہ حضرت زید تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب حضور کی پھوپھی (ایمہ بنت عبدالمطلب) کی صاحبزادی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی اور وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی پھوپھی زاد بہن ہے۔ اس کا پیغام آپ اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اس پر یہ قرآنی آیت نازل ہوئی، وما کان المؤمن ولا المؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امران یكون لہما الخیرة من امرہما، کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ یعنی جب اللہ اور رسول کا حکم ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے اپنے اختیار کے استعمال کرنے کا مسلمان کو تصور بھی نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے اس کو بسر و چشم قبول کرے۔ اس حکم خداوندی کو سنتے ہی حضرت زینب اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سرِ اطاعت خم کر لیا۔ اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھایا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کی طرف سے مہر ادا کیا جو دس دینار (اٹھارہ تولے چاندی) اور ایک بار برداری کا جانور اور مکمل زمانہ جوڑا اور پچاس ٹہ آٹا (پچیس سیر) اور دس ٹہ (پانچ سیر) کھجور تھا۔ حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ہو تو گیا مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی اور حضرت زید

اور حضرت زینب کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے۔ حضرت زید نے بار بار حضرت زینب کے خلاف شکایات پیش کرنے کے بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضرت زینب نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر زید کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی کے ساتھ بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی حضرت زید کو اپنے برابر کا نہ سمجھا اور اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک سال سے کچھ زیادہ ہی مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا تھا کہ زید حضرت زینب کو طلاق سے دیں گے۔ اس کے بعد حضرت زینب آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے اوحی اللہ تعالیٰ الیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان زینب سیطلقھا زید ویتزوجھا بعدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینب کو زید طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ جب حضرت زینب حرم نبوت میں رونق افروز ہوئیں تو دوسری جانب یہودیوں اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اس ”نبی“ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی بیوی کو اپنی زوجہ بنا لیا ہے۔ کبھی ایسا اندھیر بھی ہوا تھا جیسے انہوں نے کر دکھایا تھا۔ چلو ہمارے رسم و رواج کو تو چھوڑو دو وہ خود بھی آج تک یہی بتاتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کر سکتا۔ اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ اہلیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

ان یہود اور منافقین کی بے ہودہ اور ہرزہ سرائی کو قرآن حکیم نے اس ایک جملہ (ماکان محمد اب احد من رجالکم) نہیں محمد کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے۔ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ جب حضور کسی مرد کے باپ نہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا وہ تو اپنے باپ عارث کا بیٹا ہے۔

عرب میں دیگر لغو رسموں کے علاوہ یہ بے ہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو متبنی (بیٹا) بنا لیتا تو اس متبنی کو وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو ہوتے ہیں۔ وہ متبنی بنانے والے کے



مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی زوجہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو گے بیٹے کی بیوی کی ہوتی ہے۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلہ کا فرد شمار ہونے لگتا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار وارث ہوتے ہیں لیکن متبنی ہونے کی صورت میں یہ متبنی مرنے والے کی تمام جائیداد کا وارث ہو جاتا اور مرنے والے کے خونی، نسبی، قریبی رشتہ دار، بھائی، بھتیجے محروم ہو جاتے جو صریح ظلم تھا، پھر ایسے متبنی کی بیوی کے ساتھ اگر بعینہ وہی سلوک کیا جائے جو حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو حرمت مصاہرہ کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنی بنانے والے پر اس کے متبنی کی بیوی حرام اس کی ماں حرام اگر کوئی اس کی بیٹی ہو وہ حرام، یہ عورتیں جن سے نکاح علال ہے ان سے اس رسم کے باعث نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور معاشرہ گونا گوں مشکلات میں مبتلا تھا، لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے حقوق پر رحم فرماتے ہوئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ سورہ احزاب کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے حکم فرما دیا کہ متبنی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ یوں ہی صرف زبان ہلا دینے سے کسی کا بیٹا اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اس لیے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو نہ زبان سے اس کی فرزندگی کی نسبت اپنی طرف کر دو۔ اس ارشادِ خداوندی پر عمل کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات سے فرمائی اور حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کیا۔ اور اس قبیح رسم اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کا خاتمہ کر دیا۔ (تفسیر القرآن ص ۹۸ تا ص ۱۰۴ ج ۲، مفہم القرآن ص ۵۸ تا ص ۶۲ ج ۲)

یہ تھا حضرت زید اور حضرت زینب کے نکاح اور اس کے بعد حضرت زینب کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے کا اصل واقعہ، اب جو اب ملاحظہ کیجئے کہ حضرت زینب کا جو نکاح حضرت زید کے ساتھ غیر کفو میں ہوا ہے وہ ایک خاص مصلحت پر مبنی ہے جس سے اصلی مسئلہ پر ترغاب ترہیں پر ما وہ یہ کہ اس نکاح سے اسلام متبنی کی قبیح رسم اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دینا چاہتا تھا اس لیے ضروری ہوا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی ابتداء ہو، بنا بریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت زید کو متبنی بنایا پھر ان کا نکاح غیر کفو میں حضرت زینب کے ساتھ کیا جن کا نسب نہایت برتر تھا، حضرت زینب، زید کو ہم کفو نہ سمجھتی تھی آخر نوبت طلاق تک پہنچی حضرت زید نے

طلاق دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کر کے یہ ثابت فرمایا کہ متبنی کی بیوی حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح نہیں ہے، متبنی کی بیوی سے نکاح جائز ہے جس سے ظاہر ہے متبنی حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے، محض زبان سے کسی کو بیٹا کہہ دینا اپنا بیٹا نہیں بن جاتا۔ چونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ایک خاص مصلحت کی بنا پر تھا۔ اسی لیے صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں جو نکاح مصالحتہ دینیہ کے پیش نظر کیا گیا ہو اس کا اثر کفایت نسبی پر نہیں پڑتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو نکاح غیر کفو میں ہوئے وہ کسی نہ کسی دینی مصلحت کی بنا پر کیے گئے اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا (معارف القرآن ص ۱۷۱) گویا کہ حضرت زینب کا نکاح غیر کفو میں جو ہوا ہے وہ اصل مسئلہ سے مستثنیٰ صورت ہے اور اصل مسئلہ شرعاً اپنے مقام پر برقرار ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ہے، اور نیز حضرت زینب کا نکاح غیر کفو میں ہونا پھر عدم کفو کی وجہ سے معاملہ طلاق پر منجمد ہونا اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نکاح غیر کفو میں نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ نکاح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا جب یہ نکاح بوجہ غیر کفو ہونے کے آخر تک نہیں پہنچا تو دوسرے لوگوں کے نکاح غیر کفو میں کیے گئے کب آخر تک پہنچیں گے۔ جو عورت نکاح غیر کفو میں کرے گی اس کو اس کی برادری کی دوسری عورتیں ذلیل و خوار کرتی رہیں گی لہذا نکاح غیر کفو میں نہ ہونا چاہیے۔

علاوہ ازیں حضرت زینب اور زید کے نکاح کا ہمارے اصل موضوع سے بنیادی طور پر تعلق نہیں ہے کیونکہ ہم صرف سادات کے نسب اور کفو میں بحث کر رہے ہیں جن کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للمحکم ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت زینب کا اس نسب سے تعلق نہیں ہے جو کہ نسبت سیدہ فاطمہ الزہراء کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ لہذا سائل کا سید زادی کے غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لیے حضرت زید اور حضرت زینب کے نکاح کو بطور سند پیش کرنا بنیادی طور پر غلط ہے۔

**سوال :-** حضرت سیدہ ام کلثوم جو حضرت علی کی حقیقی صاحبزادی اور حضرات حسین کریمین کی سگی بہن تھیں، کا نکاح حضرت عمر فاروق سے ہوا اور جناب عمر فاروق سید نہیں تھے، وہ تو ہاشمی بھی نہیں تھے بلکہ قریشی تھے لیکن ان کے ساتھ یہ نکاح کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

**جواب :-** حضرت ام کلثوم کے نکاح کا یہ واقعہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک داستان ہے جس کو شیعہ راویوں نے وضع کیا ہے اور یہ موضوع روایت جیسے کہ کتب اہل سنت میں سے اسی طرح کتب شیعہ میں بھی ہے۔ علماء شیعہ سے محمد یعقوب کلینی المتوفی ۳۲۹ھ نے فروع کافی ص ۳ ج ۲ اور ابو جعفر طوسی المتوفی ۳۵۶ھ سے کتاب الابصار ص ۱۸۵ ج ۲ اور تہذیب الاحکام ص ۳۸ ج ۲ میں ان کے علاوہ دیگر علماء شیعہ نے بھی اس روایت کا اپنی اپنی کتب میں تذکرہ کیا ہے۔ اور علماء اہل سنت سے علامہ محب الدین طبری المتوفی ۴۹۳ھ نے اپنی مشہور تصنیف ذخائر عقبی میں اس نکاح کے بارے میں تفصیل بحث کی ہے جس کے چند اقتباسات ہم یہاں ذکر کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

عمر بن قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا انہا صغیرۃ کہ وہ تو نابالغہ ہے تو حضرت عمر نے کہا کوئی حرج نہیں ہے، یہاں تک کہ حضرت عمر نے اصرار کیا تو حضرت علی نے ام کلثوم کو حضرت عمر کے گھر بھیج دیا۔ حضرت عمر نے ام کلثوم کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو ام کلثوم نے کہا، اتفعل هذا لولا انک امیر المؤمنین لکسرت الفک، یہ تو کیا کرتا ہے، اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیرا ناک توڑ دیتی۔ پھر ام کلثوم وہاں سے نکل آئی اور اپنے والد حضرت علی سے کہا اتبعثنی الی شیخہ کیا آپ نے مجھے اس بوڑھے کے پاس بھیجا تھا تو حضرت علی نے کہا یا بنیۃ فانہ زوجک، اے بیٹی وہ تیرا خاوند ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے انہا قالت لولا امیر المؤمنین لطمست عینک کہ ام کلثوم نے کہا اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھیں نکال دیتی۔ اور حضرت جعفر بن محمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے ام کلثوم کا جب رشتہ مانگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے بھائی جعفر کے بیٹے کو ام کلثوم کا رشتہ دینا ہے لیکن عمر کے اصرار پر حضرت علی نے عمر کو رشتہ دے دیا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے جب رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا وہ تو چھوٹی اور نابالغہ ہے فقال عمر رضی اللہ عنہ انی لعارد الباہ، تو حضرت عمر نے کہا کہ میرا مقصد وہ نہیں ہے جو کہ نکاح سے

۱۔ احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر ابو العباس محب الدین طبری شافعی المتوفی ۳۲۰ھ (مفتی غلام رسول ۱۲)

۲۔ ذخائر عقبی میں راوی کے اصل الفاظ جو ہیں وہ ”شیخ سود“ ہیں۔ ہم نے امیر المؤمنین کے احترام کی وجہ سے ”سود“ کا

لفظ ذکر نہیں کیا۔ (مفتی غلام رسول)

ہوتا ہے یعنی حتی زوجیت، میں تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے وابستہ ہونا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ نسب و صہرہ یقطع یوم القیامۃ الانسبی و صہری اور عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا کہ میں مشورہ کر لوں۔ حضرت علی نے اپنی اولاد سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا کہ تم نکاح کر دو، حضرت علی نے ام کلثوم کو بلایا وہی یومئذ صبیہ، اور وہ ان دنوں میں بچی تھی۔ حضرت علی نے ام کلثوم کو کہا کہ تم عمر کے گھر جا کر عمر کو کہو کہ میرے باپ نے تمہارا کام کر دیا ہے۔ حضرت عمر نے ام کلثوم کو پکڑا اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔ حضرت عمر کو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بالکل چھوٹی بچی ہے تو حضرت عمر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے حضور فرماتے تھے کہ سبب و نسب یقطع یوم القیامۃ الانسبی و نسبی، اور میں بھی چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ میں منسلک ہو جاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے ام کلثوم کے نکاح کے بارے میں حضرت عباس، حضرت عقیل اور حضرت حسن سے مشورہ لیا اور کہا کہ حضرت عمر ام کلثوم کا رشتہ مانگتے ہیں تو حضرت عقیل سخت ناراض ہوئے اور حضرت علی کو کہا کہ آئے دن تم اپنے معاملات میں کوتاہی کر رہے ہو۔ اگر تم یہ کام کرو گے تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

امام شہاب الدین زہری سے روایت ہے کہ حضرت ام کلثوم کے ساتھ حضرت عمر نے نکاح کیا تو ام کلثوم کے باپ زید بن عمر پیدا ہوئے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ رقیہ بنت عمر بھی پیدا ہوئی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد ام کلثوم نے عون بن جعفر کے ساتھ نکاح کر لیا۔ عون بن جعفر کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا، ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر محمد بن جعفر کی بھی وفات ہو گئی تو حضرت ام کلثوم نے عبداللہ بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا ان کے ہاں ہی حضرت ام کلثوم کی وفات ہو گئی۔ (ذخائر عقبی فی مناقب ذوی القربی)

ص ۱۶۸ تا ۱۷۱

اب قارئین حضرات ان اقتباسات پر غور کریں کہ جب حضرت عمر نے حضرت علی سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا تھا اور حضرت علی نے کہا کہ ام کلثوم نابالغہ ہے لیکن حضرت عمر کے اصرار پر نکاح ہو گیا اور رخصتی بھی ہو گئی اور حضرت ام کلثوم کو یہ بتایا بھی گیا کہ حضرت عمر تمہارے خاوند ہیں تو ام کلثوم کا رخصتی کے بعد حضرت عمر کو یہ کہنا کہ اگر تم نے مجھے ہاتھ لگاتا تو میں تمہاری ناک توڑ دوں گی اور آنکھیں نکال دوں گی کتنی بے موقعہ اور بے محل بات

ہے۔ پھر ام کلثوم کا حضرت علی کو یہ کہنا کہ کیا آپ نے مجھے اس بوڑھے کے پاس بھیجا تھا، کس درجہ جسارت ہے جب حضرت علی نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا تو کیا یہ ام کلثوم نے اپنی طرف سے امیر المؤمنین کے لیے الفاظ استعمال کیے یا ام کلثوم کو کسی دیگر آدمی نے کہا تھا کہ امیر المؤمنین عمر کے پاس جا کر یہ الفاظ استعمال کرنے ہوں گے جس سے حضرت عمر کی توہین و تذلیل ہو۔ بہر صورت ام کلثوم کی طرف سے یہ جسارت نہ ام کلثوم کے لیے زیبا ہے اور نہ ہی امیر المؤمنین کی شان کے مناسب ہے اور اسلام میں نکاح سے ایک مقصد حق زوجیت ہے۔ حضرت عمر کا یہ کہنا کہ میرا نکاح سے مقصد حق زوجیت کی ادائیگی نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عمر نے یہ نکاح اصرار کے ساتھ کیوں کیا۔ کیا ایک بچی کی زندگی کو تباہ کرنا امیر المؤمنین کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر کا یہ کہنا کہ میں اس لیے ام کلثوم سے نکاح کر رہا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کل نسب و صہر ینقطع یوم القیامۃ الا صہری و نسبی، اور میں بھی چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ سے منسلک ہو جاؤں، تو پھر عرض ہے کہ ایک ہے نسب اور دوسرا ہے صہر، نسب بیٹے کی طرف سے ہوتا ہے اور صہر بیٹی کی طرف سے، خواہ بیٹی دی جائے یا لی جائے۔ تو یہ صہر والا رشتہ حضرت عمر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بیٹی حضرت حفصہ کا نکاح کر دینے سے حاصل کر چکے تھے۔ اب کیا ضرورت تھی اور نیز اس نکاح سے حضرت علی کے رشتہ داروں سے حضرت عقیل سخت ناراض تھے اور حضرت علی کو اسی بنا پر وہ سخت اور سست الفاظ کہہ بھی چکے تھے۔ لہذا حضرت علی ان کو ناراض بھی کیسے کرتے تھے، اور حضرت علی نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے ام کلثوم کا رشتہ حضرت جعفر کے بیٹا کو دینا ہے، اب اس پر حضرت عمر کا اصرار کرنا شرعاً بھی منع تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اس کے پیغام (نکاح) پر پیغام نہ دے مگر اس صورت میں کہ اس نے اجازت دے دی ہو۔ یعنی جب کوئی مسلمان دوسرے سے رشتہ مانگتا ہے تو جب تک اس کا فیصلہ ہاں یا نہ کی صورت میں نہیں ہو جاتا تو دوسرے کسی کو رشتہ مانگنے کا شرعاً حق حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اس مسلمان بھائی نے پیغام دے رکھا ہے اور اس سے یہ امر واضح تر ہے کہ جب لڑکی والے کہہ دیں کہ ہم نے وہاں رشتہ دینا ہے تو پھر بھی کسی دوسرے کو مطالبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جب حضرت علی کہہ رہے تھے کہ ہم نے ام کلثوم کا رشتہ اپنے بھائی جعفر کے بیٹے کو دینا ہے تو پھر حضرت عمر کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ حضرت علی سے اصرار سے رشتہ مانگتے اور نکاح کرتے۔ اسی وجہ سے تو حضرت عقیل حضرت علی پر زیادہ تر ناراضگی کا اظہار فرما رہے تھے۔ یہ روایات اور ان سے مترتبہ نتائج تمام اس پر صراحت دلالت کر رہے ہیں کہ یہ روایات بالدریہ

موضوع ہیں۔ ہر وہ حدیث اور روایت صحیح نہیں ہو سکتی جو کہ کتابوں کے اندر آجائے بلکہ حدیث وہ صحیح ہوتی ہے جو کہ روایت اور درایت دونوں طرح صحیح ہو۔ اسی لیے محدثین نے احادیث پر تنقید کے دو طریقے مقرر کئے ہیں روایت درایت۔ روایت کے طریق سے تنقید راویوں کی ثقاہت اور ضعف کی بنا پر کی جاتی ہے۔ یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ راوی کس مرتبہ کا ہے، وہ ثقہ ہے یا نہیں۔ اس کا حافظ کیسا تھا، اس کے ہم عصروں نے اس کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کے عقائد کیسے تھے وغیرہ وغیرہ۔

درایت کے اعتبار سے بھی احادیث پر تنقید کی جاتی ہے۔ اس کے اصول بھی محدثین نے منضبط فرما دیئے ہیں درایت کے اصول بہت ہیں لیکن بڑے بڑے اصول یہ ہیں :

- ۱۔ جو حدیث نص قرآنی کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔
- ۲۔ جو حدیث کسی حدیث متواتر کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۳۔ جو حدیث کسی مشہور تاریخی واقعہ کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۴۔ جو حدیث عقل سلیم کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۵۔ جو حدیث مشاہدات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۶۔ جو حدیث اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۷۔ جس حدیث میں ترک دنیا کی تاکید کی گئی ہو کہ انسان فطرۃً اس پر عمل نہ کر سکے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۸۔ حدیث کا راوی کوئی ایسا مضمون بیان کرے جو اس کے عقیدہ کی تائید کرتا ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۹۔ جس حدیث کا راوی خود اقرار کرے کہ اس نے یہ حدیث وضع کی ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۱۰۔ جو حدیث حیات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۱۱۔ جس حدیث کے الفاظ میں رکاکت (کمزوری) پائی جائے جو عربی قواعد سے گری ہوئی ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

- ۱۲۔ جس حدیث میں معنوی رکاکت پائی جائے جو نبوت کے وقار کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔
- ۱۳۔ حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر واقع میں واقع ہوتا تو اس کے راوی بہت لوگ ہوتے۔ وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۴۔ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہو مگر نفس مضمون میں یکسانیت نہ ہو اور معنوں میں مفارقت

پائی جائے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

۱۵۔ جس حدیث میں معمولی نیکی پر بہت زیادہ ثواب یا معمولی گناہ پر غیر معمولی عذاب کا بیان ہو وہ صحیح نہیں

ہو سکتی۔ (فقہ القرآن)

اس سے ظاہر ہے کہ کسی روایت اور حدیث کے صحیح ہونے کے کچھ اصول ہیں۔ حضرت سیدہ ام کلثوم کے نکاح سے متعلق روایات میں نہ تو نفسِ مضمون میں یکسانیت ہے اور نہ ہی یہ عقل سلیم تسلیم کرتا ہے کہ ایک عظیم المرتبت شخصیت کے حرم میں داخل ہونے والی عورت اس کی توہین اور گستاخی کرے۔

غرضیکہ حضرت عمر کا بڑھاپے میں ایک نابالغ بچی کے ساتھ نکاح کرنا اور اصغر کے ساتھ کرنا اور اس بیوی کا جسارت کر کے امیر المومنین عمر کی توہین اور گستاخی کرنا اور حضرت عمر کا ساتھ یہ بھی کہنا کہ میرا مقصد اس نکاح سے حق زوجیت ادا کرنا نہیں پھر اولاد کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں اس پر واضح دلیل ہیں کہ یہ اس نکاح سے متعلق تمام روایات موضوع ہیں اور یہ روایات شیعہ راویوں نے گھڑی ہیں جس سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ”خلفاء ثلاثہ“ نے غاصبانہ طور پر جیسے کہ خلافت پر قبضہ کر لیا تھا اسی طرح ان میں سے ایک ”خلیفہ راشد“ عمر فاروق نے اہل بیت رسول پر شدت کرتے ہوئے ان سے اپنے نکاح میں ایک بچی جبراً لے لی۔ شیعہ کا اس سے مقصد صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا تھا، لہذا شیعہ راویوں نے یہ داستان بنائی جس کی کوئی حقیقت اور بنیاد نہیں۔ لہذا ہم اس بات کے کہنے میں کوئی تاثر نہیں کرتے کہ یہ ام کلثوم کے نکاح والا واقعہ اگرچہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ موضوع ہے۔ شیعہ راویوں نے اسی کو اختراع اور وضع کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بنیادی طور پر حضرت ام کلثوم علیہا السلام کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور نہ ہی بڑھاپے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نابالغ سیدہ (ام کلثوم) کے ساتھ نکاح کیا ہے اور نہ ہی رشتہ مانگا ہے۔ جب بنیادی طور پر نکاح ہی نہیں ہوا تو سائل کا اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ سیدہ کا اگر ولی راضی ہو جائے تو غیر سید کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے صراحتاً غلط ہے۔

سوال :- علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے ام کلثوم بنت علی کے ساتھ ۳۱ھ میں

نکاح کیا جس کا حق مہر چالیس ہزار درہم رکھا گیا اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق مالِ غنیمت کی چادریں تقسیم کرنے لگے ایک چادر پنج گئی، اس کی نسبت تردد تھا کہ کس کو دی

جائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر عرض کیا یا امیر المؤمنین اعط هذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللتی عندک یریدون ام کلثوم بنت علی، یعنی یہ بچ رہنے والی چادر حضرت ام کلثوم بنت رسول یعنی بنت علی کو جو آپ کے ہاں ہیں دے دیں۔ (الفاروق ص ۲۹۱) علامہ شبلی کے کلام سے ثابت ہوا کہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا تھا۔

**جواب :-** ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نکاح ام کلثوم والی روایت موضوع بالدرایۃ ہے۔ امام بخاری کی مذکورہ حدیث سے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام بخاری یہ حدیث کتاب النکاح میں نہیں لائے بلکہ کتاب الجہاد میں لائے ہیں جہاں مالِ غنیمت میں آئی ہوئی چادروں کا ذکر ہے۔ حدیث میں ”عندک“ کا لفظ ہے، یہ نکاح پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اصل صورت یہ ہے کہ حضرت حفصہ جن کی وفات ۳۴ھ ہے چونکہ ازواجِ مطہرات سے تھیں، یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں ان کے ہاں ام کلثوم بحالتِ صغر رہتی تھیں، حضرت عمر کا بھی اپنی صاحبزادی کے ہاں آنا جانا تھا لہذا راوی نے لفظ ”عندک“ کا استعمال کر لیا ورنہ عند کے لفظ سے نکاح ثابت نہیں ہوتا۔ عرب کہتے ہیں صورت بوجہ عندک اور ہند عندک، اب یہاں لفظ ”عندک“ استعمال ہوا ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مرد اور بند کا مخاطب کے ساتھ نکاح ہوا ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ مرد اور بند کا مخاطب کے پاس موجود ہے اسی طرح راوی نے جو عندک کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے نکاح مراد نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ام کلثوم کے نکاح کے متعلق جتنی روایات ہیں ان کے مضامین میں یکسانیت نہیں ہے۔ حالانکہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے نفس مضمون میں برابری ہو جو کہ یہاں بالکل یہ نہیں ہے۔ دیکھئے علامہ شبلی خود ہی لکھتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم کا جب نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا تھا تو حضرت عمر فاروق بوڑھے تھے اور ام کلثوم صغیرہ تھیں اور یہ نکاح ۳۴ھ ہجری میں ہوا، اس وقت حضرت ام کلثوم کی عمر پانچ سال تھی۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر نکاح بقول علامہ شبلی ۳۴ھ میں ہوا تھا اور حضرت ام کلثوم اس وقت پانچ سال کی تھیں تو پھر ام کلثوم کی پیدائش سن ۳۴ھ ہجری ہونی چاہیے بلکہ دوسرے الفاظ میں حضرت ام کلثوم سن تیرہ ہجری میں پیدا ہوئی تھیں جو کہ صراحتاً غلط ہے کیونکہ آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ الزہراء کی وفات سن گیارہ ہجری میں ہو چکی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ والدہ کی وفات کے بعد بیٹی پیدا ہو۔ اگر حضرت ام کلثوم



کی پیدائش ۱۰ ہجری ہو اور نکاح ۱۱ ہجری میں ہو اور بوقت نکاح حضرت ام کلثوم کی عمر بارہ سال کے قریب ہو تو پھر بھی پانچ برس والی روایت کے ساتھ تعارض ہو گیا۔ علامہ شبلی یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم بعد از نکاح حضرت عمر کے گھر دس سال رہیں۔ ان کے ہاں حضرت زید اور حضرت رقیہ پیدا ہوئے پھر حضرت عمر کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد ام کلثوم نے عون بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا، عون بن جعفر کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا۔ ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر محمد بن جعفر کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفر کے ساتھ نکاح کیا، ان کے ہاں حضرت ام کلثوم کی وفات ہو گئی۔

اگر حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ۱۰ ہجری میں ہوا اور حضرت ام کلثوم حضرت عمر فاروق کے گھر دس سال رہیں اور پھر حضرت عمر فاروق فوت ہوئے تو اس حساب سے حضرت عمر کی وفات ۱۲ ہجری ہونی چاہیے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات باتفاق مورخین ۲۳ ہجری ہے۔ یہ بھی کھلا ہوا تضاد ہے۔ اور شبلی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ام کلثوم حضرت عمر کے گھر دس سال رہیں، ان کے ہاں حضرت زید اور حضرت رقیہ پیدا ہوئے، اس کے برخلاف علامہ زرقانی شرح مواہب ص ۷۷، میں لکھتے ہیں ام کلثوم زوج عمر بن الخطاب وفات عنها قبل بلوغها۔ کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں ابھی سن بلوغت کو نہ پہنچی تھیں کہ حضرت عمر فوت ہو گئے۔ حضرت عمر کی وفات تک جب وہ بالغ ہی نہ ہوئی تھیں تو حضرت زید اور حضرت رقیہ کیسے پیدا ہوئے، یہ ایک صریح تضاد ہے جو کہ حدیث کے صحیح ہونے کے خلاف ہے۔ اور دیکھیے حضرت ام کلثوم کی وفات ۲۹ ہجری میں ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، ان ابن عمر صلی علی ام کلثوم وابنتها زید (اصابہ ص ۲۷ ج ۸) ام کلثوم اور ان کے فرزند زید کی نماز جنازہ حضرت ابن عمر نے پڑھائی اور اس جنازہ میں امام حسن علیہ السلام نے بھی شرکت فرمائی تھی اور امام حسن علیہ السلام کی وفات سن پچاس ہجری ہے (طبقات ابن سعد ص ۳۴)

اور ایک دوسری روایت میں ہے صلی علیہا سعد بن ابی وقاص وخلفہ الحسن والحسین، کہ نماز جنازہ سعد بن ابی وقاص نے پڑھائی اور امام حسن اور حسین پیچھے کھڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت زید بنو تفسیر کی مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، وہیں شہید ہو گئے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ عبدالملک کے زہر دینے سے شہید ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ام کلثوم بنت علی اور ان کا بیٹا زید دونوں جنگ احد ۶ ہجری میں ایک دن فوت

ہوئے، یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ دونوں سے پہلے کون فوت ہوا ہے۔ اس کے خلاف ملاحین واعظ کا شفی روضۃ الشہداء  
۳۶۵ میں لکھتے ہیں کہ یزید علیہ ما علیہ کو جب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے  
اہل بیت نبوی کو تعزیت کا پیغام پہنچایا۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ ہمیں باہر ایک مکان دیا جائے تاکہ ہم وہاں صف  
ماتم بچھائیں۔ چنانچہ یزید علیہ ما علیہ نے انہیں اجازت دے دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ام کلثوم اپنی  
بہن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے ساتھ کوفہ و کربلا و دمشق میں بقید حیات تھیں۔

غرضیکہ جو علامہ شبلی نے ام کلثوم کے نکاح کے متعلق روایات ذکر کی ہیں ان میں صریح تضاد  
اور نفس مضمون میں یکسانیت اور برابری کا نہ ہونا اس پر واضح دلیل ہے کہ یہ روایات درایتاً موضوع ہیں اور  
امام بخاری کی روایت میں کوئی ایسا صریح جملہ نہیں ہے جو کہ نکاح پر دلالت کرے نیز یہ امام بخاری کی روایت  
اگر ام کلثوم کے نکاح سے متعلق ہے تو پھر یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو  
حدیث بخاری شریف میں آجائے وہ صحیح ہی ہو۔ علماء محدثین نے خود بخاری و مسلم میں ضعیف حدیثوں کی نشاندہی  
کی ہے، چنانچہ دارقطنی نے صحیحین کی دوسو روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابو سعید دمشقی، ابو علی  
عسائی نے باقاعدہ صحیحین کے لیے استدرکات کے نام سے وہ مجموعے مرتب کیے ہیں جن میں ان احادیث  
کو یکجا کر دیا گیا ہے جن پر اعتراضات کیے گئے ہیں حافظ عراقی نے بھی اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف  
مرتب کی ہے ملاحظہ کیجئے:

امام بخاری نے کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاحزاب میں یہ روایت  
ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظہ، کوئی شخص عصر کی نماز  
نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں پہنچ کر لیکن مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ  
کوئی شخص ظہر کی نماز راستہ میں نہ پڑھے، ظہر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں  
نے یہ روایت ایک استاذ اور ایک ہی سند سے نقل کی ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام  
بخاری سے غلطی ہو گئی ہے۔ صحیح روایت امام مسلم والی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز  
کے متعلق فرمایا تھا کہ بنو قریظہ میں پڑھی جائے۔ (فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۱)

اسی طرح باب اعداد المورۃ علی غیر زوجھا کے ماتحت امام بخاری نے حسب ذیل روایت  
نقل کی ہے، زینب بنت ابی سلمہ کا بیان ہے جب شام سے حضرت ابوسفیان کی خبر مرگ کی اطلاع آئی تو

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے زردی (ابننا) منگو کر اپنے دونوں رخساروں اور دونوں کلاہوں پر ملا اور فرمانے لگیں کہ اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو مجھے اس کی ضرورت نہ ہوتی آپ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو یہ رو نہیں ہے کہ وہ سوائے شوہر کے اور کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، شوہر پر المبتہ عورت کو چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا پڑے گا۔ یہ روایت اگرچہ صحیح ہے مگر اس میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان کی خبر مرگ شام سے آئی یہ غلط ہے کیونکہ ابوسفیان کی موت ۳۳ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی ہے اس لیے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے کسی طریقہ سے سوائے سفیان بن عیینہ کی اس روایت کے مجھے کہیں یہ تفصیل نہیں ملی اور میں اسے وہم سمجھتا ہوں، اسی طرح امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں شعبہ کی سند سے سمعت رجلا من الازد و یقال لہ مالک بن بحینہ، فرمایا ہے جس میں امام بخاری سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بحینہ عبد اللہ کی والدہ کا نام ہے، دوسرے یہ کہ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن مالک کی ہے جو مشہور صحابی ہیں۔ یہ روایت ان کے والد مالک سے نہیں ہے کیونکہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مالک (جو اپنی ماں کی نسبت سے ابن بحینہ بھی کہلاتے ہیں) سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے نماز فجر کی اقامت ہو چکی تھی وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اس سے گفتگو فرمائی جس کو میں نہیں سمجھ سکا وہ کیا تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب نے اس آدمی کو گھیر لیا اور پوچھنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص فجر کی چار رکعتیں بھی پڑھنے لگے گا (اقامت کے بعد صفوں میں یا عین صفوں کے پیچھے فجر کی سنتیں پڑھنا مکروہ ہے) ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے دو غلطیاں کی ہیں اور محدثین نے ان دونوں روایتوں میں سے ابن ماجہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جو حدیث آگئی ہے وہ صحیح ہے بلکہ بخاری میں زیادہ تر احادیث صحیح ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں۔

لہذا یہ مذکورہ چاروں کی تقسیم والی حدیث سے پہلے تو نکاح ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اگر بالعرض والتقدیر سائل یہی کہے کہ "عندک" کے لفظ سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں تو پھر یہ مذکورہ

حدیث بوجہ ام کلثوم کے نکاح کے متعلق ہونے سے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ شیعہ کی اختراعی اور وضعی روایت ہے تاکہ حضرت عمر فاروق کو بہ نام کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے نہ ام کلثوم سے نکاح کیا تھا اور نہ ہی آپ کی کوئی حضرت ام کلثوم سے اولاد ہوئی ہے۔

سوال :- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں حضرت سیدہ زینب کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ اور سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ کیا۔ ابوالعاص اور حضرت عثمان سید نہیں تھے جس سے ثابت ہوا کہ سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

جواب :- سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کے نکاحوں کا ہمارے اصل مسئلہ سے بنیادی طور پر تعلق نہیں ہے کیونکہ ہم صرف سادات کے نسب اور کفو میں بحث کر رہے ہیں جو کہ سیدہ فاطمہ الزہراء کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے کیونکہ سیدہ بمعنی نسبی صرف وہی ہیں جو کہ فاطمہ الزہراء کی نسل سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تین صاحبزادیوں پر اگر سیدہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو وہ بمعنی لغوی بمعنی معزز ہے، سید بمعنی نسبی اور عرفی صرف خاتونِ جنت کی اولاد پر بولا جاتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ جب ہم صرف سادات کے نسب اور کفو میں بحث کر رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للحکم ہے تو اب ظاہر ہے کہ حضرت زینب، حضرت رقیہ، اور حضرت ام کلثوم کے نکاحوں کو سائل کا بطور دلیل پیش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

سوال :- سیدہ فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام پہلے حسن مثنیٰ کے نکاح میں تھیں۔ حسن مثنیٰ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت عبد اللہ سے نکاح کیا جو حضرت عثمان بن عفان کے حقیقی پوتے تھے۔ اس نکاح سے بھی ثابت ہوا کہ سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ سیدہ اور اس کا اولی راضی ہوں۔

۱۰ حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا المتوفیۃ ۳۰ھ

۱۱ حضرت سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا المتوفیۃ ۳۲ھ

۱۲ حضرت سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا المتوفیۃ ۳۹ھ

**جواب :-** سیدہ فاطمہ (صغریٰ) بنت امام حسین علیہ السلام کے نکاح کا ذکر جیسے کہ اہل سنت و جماعت کی کتابوں میں آیا ہے اسی طرح اہل تشیع کی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ دیکھئے بحوالہ مسالک الافہام "دسویں صدی ہجری کے ایک شیعہ عالم زین الدین عالمی شہید ثانی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بنت حسین کے ساتھ نکاح کیا۔ چونکہ اس نکاح کا زمانہ اموی دور حکومت تھا۔ یہاں بھی شیعہ راویوں نے اس حکومت کی زیادتی اور جبر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس اموی دور حکومت میں ہر اعتبار سے اہلیت پر ظلم ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ اموی خاندان کے تشدد و جبر سے اہل بیت کرام کی مستورات بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ بایں وجہ یہ روایت بھی اختراع کر لی گئی کہ خلیفہ ثالث عثمان بن عفان کے پوتے نے حسن بن ثنی کی وفات کے بعد ان کی بیوہ فاطمہ صغریٰ کے ساتھ شادی رچالی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سیدہ فاطمہ صغریٰ جو کہ کربلا اور کوفہ و دمشق کے مصائب اپنی پھوپھی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے سن چکی تھیں۔ حضرت حسن ثنی کی وفات کے بعد وہ ایک اموی شہزادے کے ساتھ کیے نکاح کر سکتی تھیں۔ جس سے واضح ہے کہ یہ روایت بھی درایت موضوع ہے اور شیعہ راویوں کا اختراع ہے۔ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نکاح فی الواقع ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کسی شخص کا ذاتی اور انفرادی معاملہ جو ہے اس سے شرعی اصول متاثر نہیں ہوتے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو نکاح غیر کفو میں ہوئے ہیں چونکہ وہ کسی مسکوت پر مبنی تھے لہذا وہ اصل مسئلہ "کفایت" پر اثر انداز نہیں ہوئے یعنی اصل مسئلہ اپنی شرعی حیثیت پر باقی رہا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی واقع نہیں ہوئی۔ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ نکاح میں کفایت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت ہے۔

۱۷ آٹھویں صدی ہجری میں فقہ جعفریہ کی فقہی طرز پر ایک کتاب "لمعہ دمشقیہ" شیعہ کے فقیہ عالم محمد جمال الدین علی نے لکھی جس میں وہ ایسا گندہ مواد لایا جس کے بدلے اس کو واجب اقتل قرار دے کر قتل کر دیا گیا اور شیعہ نے اس کو شہید اول قرار دیا۔ پھر دسویں صدی ہجری میں ایک اور شیعہ مذہب کے عالم زین الدین نے "لمعہ دمشقیہ" کی شرح "روضۃ البہیہ" لکھی۔ اس کو بھی اس وقت کی اسلامی حکومت نے تختہ دار پر لٹکایا اور شیعہ نے اس کو شہید ثانی قرار دیا۔ یہ شہید ثانی لکھتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ صغریٰ نے حسن ثنی کی وفات کے بعد عبداللہ بن عمرو کے ساتھ جو کہ خلیفہ ثالث کے پوتے ہیں نکاح کر لیا تھا۔ (مضتی غلام رسول)

۱۸ حضرت حسن ثنی بن امام حسن مجتبیٰ المتوفی ۶۹ھ ، ۱۲

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء کے ذریعہ ہونا چاہیے یعنی بالغ لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے۔ حیا کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو میں ہی کرنا چاہیے۔ امام امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاوی کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجے والے سے نہ کیا جائے۔ اگر کسی مصلحت کی بنا پر غیر کفو میں نکاح کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ کفارت کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے اصل مسئلہ پر اثر پڑتا ہے۔ (معارف القرآن ص ۱۵۲ ج ۷)

اگر فی الواقع حضرت فاطمہ صغریٰ نے عبداللہ بن عمرو سے نکاح کیا تھا تو یہ ان کا انفرادی کام تھا جس سے شرعی اصول پر زد نہیں پڑتی اور نہ ہی شرعی اصول کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ سادات کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للمحکم ہے لہذا سید زادی کا ہم کفو سید ہی ہوگا۔ اگر کسی سید زادی نے غیر سید کے ساتھ اپنی مرضی اور ولی کی رضا سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اور نہ ہی ان کی رضا سے جو غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی علت ہے وہ مرتفع ہوگی بلکہ اس نکاح کی وجہ سے جو اہل بیت کرام اور سادات کی ہتک ہوئی ہے وہ ختم نہیں ہوگی بلکہ آٹے دن اس میں اضافہ ہوگا صرف ہتک ہی نہیں بلکہ تضحیک بھی ہے جو کہ شرع اور عرف دونوں میں ناجائز ہے۔

**سوال:** حضرت سیدہ زینب علیہا السلام جو کہ حضرت علی کی حقیقی بیٹی اور حضرات حسنین کریمین کی سگی بہن تھیں، کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر سید نہیں تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

**جواب:** ہم معارف القرآن کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک یا صحابہ کے زمانہ میں یا بعد میں جو ایسے نکاح ہوئے ہیں ان سے اصل مسئلہ متاثر نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ نکاح جو کہ ضرورت شدیدہ اور حاجت لابدیہ کے پیش نظر غیر کفو میں ہوا ہے، وہ صرف اور صرف ضرورت کی بنا پر ہوا ہے اور فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے الضرورات تبیح المحظورات کہ مجبوریاں حرام کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔ (الاشباہ والنظائر ص ۹۴) جب یہ ضرورت مرتفع ہو جائے تو اصل حالت واپس لوٹ آئیگی کیونکہ یہ اباحت بوقت ضرورت اور بقدرت ضرورت ہوتی ہے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہے ما ابيح للمضروب ان يتدبر بقدرها، اور یہ بھی ہے ما جاز لعذر بطل  
بن والہ کہ جو ضرورت کے لیے مباح ہو گا وہ بقدر ضرورت ہو گا۔ (الاشباہ والنظائر ص ۹۵) اسی کے ذمہ  
سے ہے المضطر لا ياكل من الميتة الا قدر سد الرمق کہ مجبور کے لیے مردار کا کھانا صرف اتنا ہی  
جائز ہے جس کے ساتھ اس کی زندگی محفوظ رہے۔ نہ زیادہ کھائے اور نہ ہی اس وقت کھائے جب ضرورت  
ختم ہو جائے۔ سائل نے جس نکاح کا ذکر کیا ہے وہاں سیدہ زینب علیہا السلام کے لیے چونکہ کوئی سیدہ رشتہ  
نہ تھا اور نہ ہی اس وقت یہ ممکن تھا لہذا اس ضرورت کے ماتحت عبد اللہ بن جعفر کے ساتھ نکاح ہوا، اب  
جب کہ یہ ضرورت باقی نہیں ہے۔ تو اصل مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی شرعی حکم ہو گا کہ اگر کسی سیدہ زادی  
نے اپنی مرضی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سیدہ کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح برگزہ برگزہ منعقد نہیں ہو گا کیونکہ  
غیر کفو میں نکاح ہونے سے خون کی ملاوٹ ہو گی جس سے نسب رسول میں عیب واقع ہونا لازم آئے گا۔  
کیونکہ سادات کا نسب آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتهی ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں کہ مثلاً سید دنیا میں کر وڑوں  
پائے جائیں گے مگر جانب ماضی میں ان کی نہایت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ذات پر ہو گی۔ (تفسیر  
خرائن العرفان ص ۱۱۳) اس سے ظاہر ہے کہ سادات کے نسب کی انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک  
پر ہو رہی ہے۔ اگر کوئی سید زادی غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو اس سے اس کے نسب میں بہت بڑا عیب  
ہو گا کیونکہ یہ سید زادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے ساتھ اگر غیر سید نے نکاح کیا تو یہ  
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک کی ہتک ہے۔ لہذا اس ہتک حرمت کی وجہ سے یہ نکاح منعقد  
نہیں ہو گا۔

سوال :- اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ سید زادی کا نکاح مغل پٹھان کے ساتھ بھی ہو سکتا

ہے۔

جواب :- ہم پہلے بحث کفو میں لکھ آئے ہیں کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ عربیہ عورت کا عجمی مرد کفو  
نہیں ہے خواہ وہ عالم اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ جب ایک عجمی عالم اور بادشاہ عربی عورت کا ظاہر روایت کے مطابق  
کفو نہیں ہو سکتا تو پھر یہ عجمی مرد سیدہ کے لیے کیسے کفو ہو سکتا ہے اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ فتویٰ ظاہر روایت

کے مطابق ہوتا ہے بالخصوص جبکہ ظاہر روایت کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ صحیح ہے اور یہ ہی مذہب ہے اس کے سوا  
 مشائخ کے تفہیمات ہیں۔ ایسی ظاہر روایت کے خلاف اگر کوئی فقیہ فتویٰ دیتا ہے تو وہ اس کے تفردات سے ہے  
 جو کہ قابل عمل نہیں ہے۔ دیکھئے علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں، وکله تفہیمات المشائخ و ظاہر الروایۃ ان العجیب  
 لایکون کفواً للعربیۃ (بحر الرائق ص ۱۲۱) یعنی یہ کہنا کہ عجمی عالم یا عجمی بادشاہ عربی عورت کا کفو ہو سکتا ہے یہ تفہیمات  
 مشائخ سے ہے اصل ظاہر روایت یہ ہے کہ عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں بن سکتا۔ اور جب عجمی مرد عربی عورت کا  
 ہم کفو نہیں ہو سکتا تو ان کا باہمی نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ فتاویٰ رضویہ میں سے ”نکاح غیر کفو میں باطل محض ہے  
 اصلاً منقذ نہیں ہوگا۔“ جب عجمی مرد کا عربی عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا تو عجمی کا سیدہ کے ساتھ کیسے نکاح ہو  
 سکتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ نے فتاویٰ رضویہ میں جو ذکر کیا ہے کہ سیدہ زامی کا نکاح غیر سیدہ  
 کے ساتھ ہو سکتا ہے، چونکہ یہ مسئلہ اور فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف تھا اس لیے آپ نے اس مسئلہ کے تحت کوئی  
 دلیل تک ذکر نہیں کی اور نہ ہی کسی کتاب کا حوالہ ذکر کیا ہے ورنہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کا فتاویٰ  
 رضویہ میں یہ طریقہ ہے کہ آپ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل یا سند ذکر کرتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ کے تحت ایک جگہ  
 دلیل ذکر نہیں کرتے تو دوسرے مناسب مقام پر ذکر کر دیتے ہیں۔ لیکن مسئلہ چونکہ ظاہر روایت کے خلاف تھا لہذا  
 آپ نے اس کی دلیل نہ بیان کر کے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف ہونے کی  
 وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہے اور یہ تفہیمات اور تفردات سے ہے اور تفہیمات مشائخ بقول علامہ ابن نجیم نظر انداز  
 کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں مغل پٹھان کا ذکر کر کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متفرد ہوئے ہیں، ہم آپ کے

لئے فتاویٰ رضویہ یہ تیرہویں صدی ہجری کے عشرہ آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربع اول میں لکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف اہل  
 اہل السنۃ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی المتوفی ۱۲۴۲ھ ہیں۔ آپ کا یہ فتاویٰ رضویہ، جامع، مبسوط، مدلل، مبرہن ہے۔ یہ  
 ضخیم فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اعلیٰ حضرت کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر مکمل عبور تھا۔ آپ کا فتاویٰ رضویہ میں فتویٰ نویسی کا  
 یہ طریقہ ہے کہ جو آپ کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اس پر مسئلہ کے کسی پہلو کو بھی تشنبہ بحث و تنقیح نہیں چھوڑتے۔ اس کے تمام  
 پہلوؤں پر قوی استدلال پیش فرماتے ہیں کتب متقدمین و متاخرین، متون اربعہ ان کے شروع اور حواشی و تعیقات کے علاوہ احادیث  
 نبویہ اور ساتھ ساتھ ان احادیث پر جرح و تنقید اور تخریج ۲ احادیث کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ۱۲

(منشی غلام رسول)



تفردات و فقہات کے قبول کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ لہذا سائل کا اعلیٰ حضرت کے اس تفرقہ اور تفرد کو بطور سند اور دلیل پیش کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی فقہاء کے تفہیمات اور تفردات سے شرعی اصول متاثر ہوتے ہیں۔ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے سادات کے نسب کا اطراد حکم ہے اور سید زادی کا ہم کفو سید ہی ہوگا۔ اگر کسی سید زادی نے غیر سید کے ساتھ اپنی اور ولی کی رضا سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کی رضا سے ہتک اہل بیت ختم ہوگی بلکہ باہمی رشتہ ازدواجی میں منسلک ہونے کے بعد تضحیک و تذلیل شروع ہوگی۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا بالکل یہ فتویٰ دیا جائے گا جہاں عار و ننگ اور شرم ہو وہاں کفو نہیں ہوگی اور جہاں کفو نہ ہو وہاں مفتی بہ روایت کے مطابق بالکل یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ جماعتیہ ص ۲۴ ج ۱) سادات سے اگر کوئی عورت اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کر لیتی ہے تو ان دونوں کی انفرادی رضا سے سادات کے نسب سے ننگ و عار ختم نہیں ہوگا بلکہ سادات کا نسب آنا طیب و طاہر ہے کہ اس کا خون کسی دوسرے نسب کے خون کے ساتھ مختلط ہونے کا متحمل نہیں ہے۔ اگر کسی عجمی خون کے ساتھ اس کی ملاوٹ ہوگئی تو جیسے یہ عرف میں ننگ و عار تصور کیا جائے گا اسی طرح شرع میں اس کو ننگ و عار سمجھا جائے گا۔ کیونکہ سادات کے نسب کے احترام پر نصوص شرعیہ وارد ہیں جو اس نسب کے لیے عرف میں عیب ہوگا وہ شرع میں بھی عیب ہوگا۔ اور جہاں عیب ہوگا وہ کفو نہیں ہوگی اور جہاں کفو نہیں ہوگی وہاں اصلاً نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ بنیادی طور پر نہیں ہوگا۔

**سوال :-** علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ اگر کسی غیر سید نے سیدہ کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کے آداب معاشرت سے یہ ہے کہ یہ نکاح کرنے والا اپنے دل میں اس بات کو راسخ کر لے کہ وہ اس سیدہ کے حکم اور اشارے کے تحت ازدواجی زندگی گزارے گا اور اس کے آگے از روئے احترام جو جوتی پہننے کے لیے پیش کرے گا۔ جب وہ اس کے سامنے آئے گی تو تعظیماً کھڑا ہو جائے گا۔ اس پر سوت لاکر نہیں بٹھائے گا۔ اس پر دائرہ معیشت اس کی رضا کے بغیر تنگ نہیں کرے گا۔ جب امام شعرانی غیر سید کے لیے سیدہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے آداب اور طریقے بیان کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ غیر سید کے لیے سید زادی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

**جواب ۱-** پڑھنے سے پہلے امام شعرانی شافعی کے اس مسئلہ کے متعلق مختلف اقوال پڑھ لیجئے لکھتے

ہیں، ومن جملة الادب مع الشرفاء ان لا تزوج لہم مطلقة اور زوجة ماتوا عنها لطائف المنن  
 (۱) کہ سادات کے ادب سے یہ بھی ہے کہ سید کی مطلقہ بیوی غیر سیدہ سے یا بیوہ غیر سیدہ کے ساتھ ہم  
 نکاح نہ کریں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس سید کی توہین ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ولی جو فوت ہو گیا  
 ہے اس کی بیوہ سے بھی نکاح نہ کرنا چاہیے فصار کل من تزوجها يعطبه، کہ جو شخص اس ولی کی بیوی  
 کے ساتھ نکاح کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ص ۲۳، ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں وقد تزوج جماعة  
 بنات مشائخهم فجرهم ذلك الى العطب، ص ۱۲۸ کہ مشائخ (پیر و مرشد) کی بیٹیوں سے نکاح نہ کرنا  
 چاہیے اور جن لوگوں نے اپنے پیر و مرشد کی بیٹیوں سے نکاح کیا وہ آخر میں ہلاک ہو گئے۔ ایک اور جگہ لکھتے  
 ہیں وكذلك لا تزوج شريفة الا ان كان احدنا يعرف من نعمة القدرة على القيام بواجب  
 حقها کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی سید زادی کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر یہ کہ وہ حقوق واجبہ  
 کو کما حقہ ادا کرے گا اور اس سیدہ کے حکم کے تحت ازدواجی زندگی بسر کرے گا اور اس کے سامنے از روئے  
 احترام کے جوتی پہننے کے لیے رکھے گا اور جیسی وہ اس کے سامنے آئے تو تعظیماً کھڑا ہوگا، اس پر سوت لاکر نہیں  
 بٹھائے گا اور اس پر دائرہ معیشت تنگ نہیں کرے گا (لطائف المنن ص ۱۲۸) یہ تھے امام شعرانی کے متضرق  
 اقوال، ان کے برعکس ہم پہلے ”رشفۃ الصادی“ کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ شافعیہ سے صاحب ”تلخیص“ اور صاحب  
 ”روضہ“ نے کہا ہے کہ سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مطرد للحکم  
 ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے مسئلہ کفایت میں اس کو مطرد للحکم تسلیم کیا ہے اور زیر بحث مسئلہ کا تعلق بھی بنیادی  
 طور پر کفایت سے ہے لہذا صاحب رشفہ اور صاحب تلخیص اور صاحب روضہ کا قول راجح ہے اور امام شعرانی کا  
 قول مرجوح ہے اور ہمیشہ راجح قول پر عمل ہوتا ہے اور مرجوح قول پر نہیں لہذا عبد الوہاب شعرانی کا قول معتبر نہیں  
 ہے، نیز امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ادب سے یہی ہے کہ کوئی غیر سید سید زادی سے نکاح نہ کرے۔ اگر کوئی عجمی  
 بے ادب ایسی جوأت کرتا ہے اور سیدہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو اس کو ازدواجی زندگی نہایت مؤدب ہو کر  
 گزارنا پڑے گی یہاں تک کہ اس کو اس سیدہ بیوی کی جوتی اٹھا کر اس کو پیش کرنا ہوگی اور جیسی وہ سیدہ  
 بیوی اس کے سامنے ہو یہ تعظیماً کھڑا ہے، اس کے کھانے پینے وغیرہ کا اچھا انتظام کرے لیکن سوال یہ ہے کہ جب  
 اس نے نکاح کرتے وقت ادب کی رعایت نہیں کی تو اب بے ادب ہونے کے بعد کیا وہ اپنی بیوی کی جوتی  
 اٹھائے گا، اس کی تعظیم کے لیے وہ کھڑا ہوتا رہے گا، کیا وہ بر حکم اس بیوی کا بجائے لائے گا ایسا آدمی مناصر

مشکل ہی نہیں بلکہ نامکن ہے۔ یہی وجہ ہے علامہ شعرانی لکھتے ہیں ان من الادب ان لا یتزوج احدنا شیفة  
 کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سے کوئی شخص سادات کی لڑکی سے نکاح نہ کرے کیونکہ نکاح کرنے کے بعد وہ حضور  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی توہین کا مرتکب ہوگا۔ سادات تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون  
 اور اولاد ہیں۔ جو لوگ مؤدب ہوتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد تو کجا بلکہ جو حضور کی طرف چیز  
 منسوب ہو، حضور کا ملک، حضور کا شہر، بلکہ حضور کے شہر کے رہنے والے کتے جو ہیں ان کا بھی ادب کرتے ہیں۔  
 آئیے ہم تھوڑے وقت کے لیے قارئین حضرات کو ایک عظیم شخصیت اور دنیائے اسلام کے بہت بڑے  
 مذہبی رہنما، عاشق رسول، منبع ارشاد، مرجع افراد، قوم و ملت کے امیر اور محدث کے واقعہ پڑھنے کی دعوت  
 دیتے ہیں جو کہ ادب سے لبریز ہے۔ نیچے پڑھیے۔

(مدینہ منورہ کی) گلی میں ایک کتا دکھائی دیا تو ایک نا سمجھ آدمی کی رگ شرارت پھڑکی، چلتے چلتے اس  
 نے ایسا موقع نکالا کہ کتا اس کے قریب ہو گیا۔ اس بے زبان کتا کا منہ اس شریہ النفس کی طرف نہ تھا اسلئے  
 اسے ڈر نہ ہوا ورنہ بھاگ کھڑا ہوتا۔ ادھر یہ ایذا رساں موقع کی تاک میں تھا، جیسے ہی غافل کتا اس سے قریب  
 ہوا اس ظالم نے کس کے ایک لاکھی کتے کو رسید کی۔ وہ غریب چیختا چلاتا بھاگا، اسے کیا معلوم تھا کہ یہ ناگہانی  
 مصیبت اس پر پڑے گی۔ اچانک یہ مصیبت ٹوٹی تو حال یہ ہوا کہ اس سے برابر چلا بھی نہ جاسکتا تھا جان  
 بچانے کے لیے دوڑا تو تین ٹانگوں پر کیونکہ ایک ٹانگ بے کار ہو گئی تھی۔ ادھر یہ غریب درد سے چیختا چلاتا تھا  
 ادھر وہ لاکھی باز کھل کھلا کر ہنستا جا رہا تھا۔ فخر سے اس کا سینہ پھول گیا تھا کہ جیسے اس نے کوئی بڑا تیر مارا ہو۔  
 ”انوار الصوفیہ“ میں ہے یہ واقعہ مدینہ المنسب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک گلی میں پیش آیا، اسی گلی  
 میں مسجد نبوی کا باب السلام کھلتا ہے۔ اس دروازے سے قریب چند کتے لیٹے ہوئے تھے انہی میں یہ غریب کتا  
 بھی تھا جس کی ٹانگ ناحق توڑ دی گئی تھی۔ اتفاق کہیے یا اللہ کی مرضی کہ عین اسی وقت اس گلی میں ایک اللہ  
 ولے داخل ہوئے آگے سے کتا منکڑاتا چیختا چلاتا آیا تو یہ لوگ رگ گئے ان کے ساتھ اور بھی لوگ تھے کچھ شاگرد،  
 کچھ اہل علم، کچھ عقیدت مند۔ یہ مرد بزرگ وہ تھے جنہوں نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا تھا۔ اپنے  
 وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا، نہ جانے کتنے کافران کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ طول و عرض  
 ہمالہ میں ہزاروں آدمی ان کے مرید تھے۔ وہ ہر سال حج بیت اللہ کے موقع پر حاضری کے لیے کوشاں رہتے اور  
 زیادہ وقت مدینہ منورہ میں گزارتے تھے۔ یہاں کا ذرہ ذرہ ان کے لیے کوہ طور تھا۔ یہاں کے رہنے والے ایک

ایک شخص کا وہ احترام کرتے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ عرب مفلوک الحال تھے۔ ارض ہمالہ سے جانے والے مسلمان اپنے ساتھ بہت کچھ لے جاتے اور وہاں لٹا کر شاد کام بامراد لوٹتے۔ انہی اللہ کے نیک بندوں میں یہ مسافر حرم بھی تھا زمینوں سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں ان کے بزرگ شیراز سے ہندوستان آئے اور پنجاب کے علاقے علی پور سیداں (سیالکوٹ) میں ٹھہر گئے تھے۔ شہنشاہ نے اس صوفی فنش بزرگ کی خدمت میں گاؤں کے گاؤں نذر کر دیئے۔ زمینوں کے علاوہ مریدوں، عقیدت مندوں اور نظام حیدر آباد دکن کی طرف سے ان کے بیٹے (سید نور حسین شاہ نور اللہ مرقدہ) کو بہت کچھ پیش کیا جاتا سب جمع کر کے لے آئے اور دیار حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لٹا دیتے۔ آدمی تو خیر اشرف المخلوقات ہے ان کے لیے مدینے کے جہان نور چرندے پرندے سب ہی قابل احترام تھے۔ باب السلام کی طرف یہی بزرگ جاہے تھے کہ دروسے بے قرار لنگھاتا ہوا کتا پاس سے گزرا، بہت عقیدت مند بھی ساتھ تھے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ کسی نے بتایا کہ ایک بے درد مسخرے نے لاٹھی ماری ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہیں ٹھہر گئے۔ کتے کو پاس بلایا کچھ دیر اسے چمکارتے رہے۔ مولوی داؤد غزنوی (غیر مقلد) اس وقت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے ساتھ تھے۔ کہتے ہیں کہ کتے نے انہیں ہمدرد دیکھا تو زبان سے وہ ٹوٹی ٹانگ دکھا کر فریاد کرنے لگا۔ انہوں نے پگھڑی اتاری اسے پھاڑ کر زخم پر باندھا ایک مرید سے فرمایا دوڑ کر جاؤ اور اس کے کھانے کے لیے کچھ لے آؤ۔ روٹی آگئی تو خود اپنے ہاتھوں سے اسے کھلائی اور پوچھا وہ کون ظالم تھا جس نے یہ حرکت کی۔ کسی نے کہا کہ حضرت جی! ہمارا وہ بھائی یہ کھڑا ہے حضرت جی اس کے پاس گئے بولے! تو نے یہ نہ دیکھا کہ مدینے شریف کا کتا ہے۔ (طوبی ص ۲۰۲)

یہ تھے قدوة السالکین، زبدة العارفين، محی الملت، مقیم السنۃ، حامی شریعت، امیر الملت الحجاج الحافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ جنہوں نے مدینہ منورہ کے کتوں کے احترام کرنے کی بھی تعلیم دی ہے آپ بھی زیر بحث مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو لوگ غیر سید ہو کر سیدزادیوں سے نکاح کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو کیسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ ہر نماز میں اللہم صل علی محمد و علی آل محمد پڑھتے ہیں اگر یہ نہ پڑھیں تو نماز نہیں ہوتی۔ پھر سیدزادیوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں حالانکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ (ملفوظات امیر ملت)

ظاہر ہے کہ جو شخص مسلمان ہے وہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس میں وہ آل رسول پر درود پڑھتا ہے اور درود پڑھنے سے مقصد آل رسول کی عزت و تعظیم ہے۔ اگر نکاح کرے گا تو ظاہر ہے کہ حق زوجیت کی

صورت میں سیدہ بیومی کا احترام ہرگز برقرار نہیں رکھ سکے گا اور صرف نماز ہی نہیں بلکہ مسلمان کی کوئی عبادت اور دعا قبول نہیں ہوتی جب تک حضور اور حضور کی آل پر درود پاک نہ پڑھا جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، جب دعا مانگنے والا درود پڑھتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابو داؤد نے اپنی اپنی سند کے ساتھ فضالہ بن عبیدہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آئے انہوں نے نماز پڑھی پھر ان الفاظ اللہم العزلی وارحمنی، کے ساتھ دعا مانگی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تم نے جلدی کی جب تم نماز پڑھو تو اول اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرو جیسے اس کی شان کے مناسب ہے پھر مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ حضرت فضالہ بن عبیدہ فرماتے ہیں پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے بعد از نماز اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا تو حضور نے ان سے فرمایا نمازی دعا کہ تمہاری دعا قبول کی جائے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ کوئی دعا ایسی نہیں جس میں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب نہ ہو یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے۔ جب دعا مانگنے والا درود پڑھتا ہے تو وہ حجاب ختم ہو جاتا ہے اور دعا مقام قبولیت میں پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب تم دعا مانگو تو اس میں درود کو بھی شامل کرو کیونکہ درود تو مقبول ہے۔ اللہ کے کرم سے یہ بعید ہے وہ کچھ قبول کرے اور کچھ رد کرے یعنی جو دعا درود کے ساتھ ہوگی وہ ضرور قبول ہوگی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دعاؤں کا حفاظت کرنے والا ہے اور تمہارے رب کی رضا کا بھی سبب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دعا کی رہتی ہے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور دعا جو ہے یہ عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے اور جب دعا جو عبادت کا خلاصہ اور نتیجہ ہے یہ سوائے درود پاک کے قبول نہ ہوگی تو عبادت کیسے قبول ہوگی۔ جب عبادت اور دعا میں درود کا ہونا ضروری ہے تو ایک طرف آل محمد پر درود پڑھنا اور دوسری طرف غیر سید کا سید زادیوں کے ساتھ نکاح کرنا یہ عملی تضاد ہے۔ جو آدمی عملی تضاد کا شکار ہو اس کی عبادت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ اسی لیے محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جو غیر سید سید زادیوں کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان کیسے کہلا سکتے ہیں۔ یعنی

ایک طرف تو وہ نماز میں آل رسول پر درود پڑھتے ہیں جس میں ادب کا مظاہرہ ہے۔ دوسری طرف سید زادی کے ساتھ نکاح کر کے بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں ایسے آدمی سے اسلامی تصورات کی کیا امید ہو سکتی ہے اور جو علامہ شعرانی کہتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی غیر سید سید زادی کے نکاح نہ کرے اگر کرتا ہے تو اس سید زادی کی جوتی اٹھائے اور جی بھی سامنے آئے اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے وغیرہ وغیرہ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام افعال و آداب جو بیان کیے گئے ہیں یہ نکاح کے مقصد کے خلاف اور الٹ ہیں کیونکہ ہم پہلے مبسوط کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ نکاح کرنے کے بعد عورت مرد کی غلامی میں آجاتی ہے، جب عورت مرد کی غلامی میں ہوگی تو وہ مرد کی جوتی اٹھائے گی نہ کہ مرد اس کی جوتی اٹھائے گا۔ نکاح کا مقصد ہی یہ ہے کہ مرد عورت سے ہر جائز قسم کا فائدہ اٹھائے۔ نکاح کا شرعی معنی یہ ہے ہو عقدایرد علی ملک المتعہ قصداً۔ نکاح ایک عقد ہے جو وارد ہوتا ہے ملک متمہ پر قصداً، جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح اور زبان میں نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقصد مفید ملک متمہ ہو یعنی اس کے ذریعہ مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جس کی تفصیل یہ ہے کہ نکاح کے دو معنی ہیں ایک لغوی اور ایک اصطلاحی۔ اور معنی لغوی میں علمائے اہل لغت نے اختلاف کیا ہے جس میں چار قول ہیں۔

۱۔ نکاح کا لفظ وطنی اور عقد کے درمیان لفظاً مشترک ہے، مشترک لفظی وہ ہے جو کہ زیادہ معنی کے لیے وضع ہو اور ہر معنی کے لیے وضع متعدد ہو جیسے کہ عین کا لفظ اپنے ہر معنی کے لیے وضع ہے سوئے، آنکھ، زانو، پانی کا چشمہ وغیرہ۔

۲۔ کہ یہ ان دونوں معنوں میں معنی مشترک ہے اور مشترک معنوی وہ ہے جو وضع تو ایک معنی کے لیے ہے لیکن اس معنی کے افراد کثیر ہیں جیسے کہ انسان یہ حیوان ناطق کے لیے وضع ہے لیکن افراد اس کے زیادہ ہیں جیسے کہ زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ۔

۳۔ نکاح کے اصل معنی عقد تزویج ہے اور وطنی کے لیے اس کو مجازاً استعمال کرتے ہیں۔

۴۔ اس کے اصل معنی وطنی کے ہیں اور عقد کے لیے یہ مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہر گروہ نے کلام عرب سے شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام راغب اصفہانی نے پورے زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے اصل النکاح العقد ثم استعیر للجماع و محال ان یکون فی الاصل للجماع ثم استعیر للعقد لفظ نکاح کے اصل معنی عقد ہی کے ہیں پھر یہ لفظ مجازاً جماع کے لیے استعمال کیا گیا ہے، اور یہ بات محال ہے

کہ اس کے اصل معنی جماع کے ہوں اور استعارے (مجاز) کے طور پر اسے عقد کے لیے استعمال کیا گیا ہو، اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جتنے الفاظ بھی جماع کے لیے عربی زبان یا دنیا کی کسی دوسری زبان میں حقیقتاً وضع کیے گئے ہیں وہ سب فحش ہیں کوئی شریف آدمی کسی مہذب مجلس میں ان کو زبان پر لانا پسند نہیں کرتا اب آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لفظ حقیقتاً اس فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو اسے کوئی معاشرہ شادی بیاہ کے لیے مجاز و استعارے کے طور پر استعمال کرے، اس معنی کو ادا کرنے کے لیے تو دنیا کی ہر زبان میں مہذب الفاظ ہی استعمال کیے گئے ہیں نہ کہ فحش الفاظ۔ جہاں تک قرآن اور سنت کا تعلق ہے ان میں نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے مراد یا تو مجرد عقد یا پھر وطی بعد عقد لیکن وطی بلا عقد کے لیے اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا ہے اس طرح کی وطی کو تو قرآن اور سنت زنا اور سفاح کہتے ہیں نہ کہ نکاح۔ بعض علماء نے نکاح کا حقیقی معنی ملانا اور جمع کرنا کیا ہے، مشائخ حنفیہ سے اس معنی کی تصریح بھی موجود ہے۔ چنانچہ صاحب محیط اور صاحب کافی اور دیگر محققین نے اس کو اختیار کیا ہے اور نکاح کا اصطلاحی معنی اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقرصہ تک متعہ کا مفید مفید ہو یعنی اس کے ذریعے مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو نیز ہر چیز کے لیے چار علتوں کا ہونا ضروری ہے۔ فاعلی، مادی، صوری، غائی، نکاح میں علت فاعلیہ مرد اور عورت ہیں اور علت مادیہ ایجاب و قبول ہے اور علت صوریہ اجزاء تصرف شرعی کا ارتباط ہے اور علت غائیہ استمتاع (عورت سے نفع حاصل کرنا) ہے۔ اب نکاح کے شرعی معنی اور نکاح کی غرض و غایت سے ظاہر ہے کہ مرد نکاح اس لیے کرتا ہے کہ عورت سے ہر طرح کا جائز فائدہ اٹھائے، عورت اس کی خدمت کرے اور مرد کی جوتی اٹھائے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو قلب موضوع لازم آئے گا جو کہ نکاح کے آداب کے منافی ہے۔ صحیح حدیث ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا اس درخت کو جا کہ کہو کہ تجھ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلاتے ہیں۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ زمین کو کھودتا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ، اعرابی نے عرض کیا اس کو اپنی جگہ پر لوٹنے کا حکم فرمائیے تو حضور نے درخت کو حکم کیا وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اعرابی یہ معجزہ دیکھ کر عرض کرنے لگا حضور مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو یہ حکم فرماتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو بلا شک عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ

کرے۔ پھر اس نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے ان اقبل یدیک ورجلیک فاذن لہ کہ میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے یہ اجازت دے دی (شفاعت ۱۹) اس حدیث سے واضح ہوا کہ مرد کا حق اتنا فائز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے سجدہ جائز ہوتا تو میں حکم کرتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے یہ نہیں فرمایا کہ مرد اپنی بیوی کو سجدہ کرے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ عورت کے حقوق نہیں ہیں بلکہ علمائے اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق بیان کیے ہیں۔ دیکھئے لکھتے ہیں کہ بیوی پر خاوند کے اکیس حقوق ہیں۔

- ۱۔ مرد کی مرضی پوری کرے۔
- ۲۔ خاوند کی خوشنودی کے لیے اپنے آپ کو آراستہ رکھے۔
- ۳۔ خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کے کسی کو کوئی چیز نہ دے۔
- ۴۔ عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے۔
- ۵۔ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔
- ۶۔ خاوند کی غیبت نہ کرے اور نہ اس کا عیب ظاہر کرے۔
- ۷۔ اپنے کو نامحرم کی نظر سے بچائے۔
- ۸۔ خاوند کی پردہ درسی نہ کرے۔
- ۹۔ خاوند کی مال کی حفاظت کرے۔
- ۱۰۔ اپنے گھر میں بیٹھی رہے اور خاوند کے دوستوں سے آشنائی نہ کرے۔
- ۱۱۔ خاوند کی اولاد پر جو پہلی بیوی سے ہے شفقت و مہربانی کرے۔
- ۱۲۔ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے خاوند پر فخر نہ کرے۔
- ۱۳۔ اگر کسی وجہ سے خاوند محتاج ہو تو اس کو حقارت سے نہ دیکھے۔
- ۱۴۔ خاوند کے اختیار سے باہر فرمائش نہ کرے۔
- ۱۵۔ اگر خاوند بیمار ہو تو اس کی پوری طرح دیکھ بھال کرے۔
- ۱۶۔ اگر خاوند فقیر یا مریض ہو تو بیوی پر لازم ہے کہ سلائی یا دیگر کوئی کام کاج کر کے اس کو بھی کھلائے۔
- ۱۷۔ اوقات عبادت میں خاوند کی مدد کرے۔



- ۱۸۔ بیوی کو خود بھی اپنے گھر کا کام کاج کرنا چاہیے۔
- ۱۹۔ خاوند کو اچھائی سے یاد کرے۔
- ۲۰۔ خاوند کے لیے دعا کرے۔
- ۲۱۔ خاوند کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن غم اور سوگ کرے۔
- اور خاوند پر بھی بیوی کے حقوق اکیس ہیں۔
- ۱۔ حق مہر ادا کرے۔
- ۲۔ طاقت کے مطابق خرچہ دے۔
- ۳۔ موسم کے مطابق کپڑے بنا دیا کرے۔
- ۴۔ تیسرے دن حق زوجیت ادا کرے۔
- ۵۔ ضروریات زندگی کا سامان مہیا کرے۔
- ۶۔ اگر خود خوشبو وغیرہ استعمال کیا کرتا ہو تو اس کے لیے بھی خوشبو کا انتظام کرے۔
- ۷۔ عورت کو علیحدہ مکان رہنے کے لیے دے۔
- ۸۔ اگر ہو سکے تو عورت کے لیے خادمہ کا بند و بست کرے۔
- ۹۔ بیوی کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حیض و نفاس اور دیگر ضروریات دین کے مسائل سکھاوے۔
- اگر خود علم نہیں رکھتا تو کسی عالم دین سے دریافت کر کے بیوی کو سکھائے۔
- ۱۰۔ عورت کو بلاوجہ ناراض نہ کرے۔
- ۱۱۔ تشرش روئی اور سختی سے پیش نہ آئے۔
- ۱۲۔ عورت سے محبت سے باتیں کرے۔
- ۱۳۔ اگر طاقت ہو تو عورت کو زیور پہنائے۔
- ۱۴۔ عورت کے سامنے ان عورتوں کا ذکر نہ کرے جنہیں زیادہ جہیز ملا ہو۔
- ۱۵۔ اگر مرد کی ایک عورت مال دار ہو تو دوسری غریب ہو تو غریب کی بے عزتی نہ کرے۔
- ۱۶۔ بیوی کے رشتہ داروں سے اسی طرح برتاؤ کرے جیسے کہ اپنے رشتہ داروں سے کرتا ہے۔
- ۱۷۔ بیوی کو گالیاں نہ دے۔

۱۸۔ بیوی کو رشک نہ دلانے یعنی اس کے سامنے لوندی پر ہاتھ نہ ڈالنے۔

۱۹۔ بیوی پر خرچ کر کے احسان نہ جتانے۔

۲۰۔ سفر سے بیوی کے لیے تحفہ لانے۔

۲۱۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کے عزیزوں کے حقوق کی رعایت کا لحاظ رکھنے۔

حدیث پاک میں ہے لا تؤدی المرأة حق ربها حتی تؤدی حق زوجها، عورت اپنے رب کے حق ادا نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے خاوند کے حقوق ادا نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرد کی یہ کوئی شرعی ذمہ داری نہیں ہے کہ اگر سید زادی کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے تو وہ اس کی جوتی اٹھائے پھرے اور نہ ہی یہ حقوق نکاح میں داخل ہے، اس کو نکاح کے ادب میں شمار کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہے مرد خواہ کتنا ہی شریف النفس کیوں نہ ہو وہ اپنی بیوی کے جوتے اٹھانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے اور نہ ہی اٹھائے گا۔

سائل کا یہ سمجھنا کہ اگر سید زادی نے غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ نکاح کر لیا اور وہ علامہ شعروانی کے پیش کردہ آداب معاشرت کے مطابق سید زادی کے ساتھ زندگی گزارے تو سید زادی اور سادات کی توہین نہ ہوگی، ایک ناقص بلکہ غلط خیال ہے۔ یہ ادب نہیں ہے کہ پہلے سید زادی کے ساتھ عجمی نکاح کرے پھر اس کا ادب کرنا شروع کر دے۔

سادات کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے اس کو عجمی خون کے ساتھ ملوث نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اس میں کسی قسم کا ادب نہیں ہے بلکہ خون کی ملاوٹ سے سنگین بے ادبی ہے۔

قارئین حضرات پیرسید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے واقعہ میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک تو کجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کے جوکتے ہیں ان کا ادب و احترام لازم ہے۔ جب سائل نے ادب کی بحث چھڑ دی ہے تو اب ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے قارئین حضرات اہل بیت اطہار کے ادب کے سلسلہ میں بھی کچھ پڑھ لیں تو لیجئے پڑھیے کہ ادب کو اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے عبادات، احکامات اور معاملات شرعیہ کو دیکھئے کہ ہر جگہ ادب کو اسلام نے مرکزی حیثیت دی ہے۔ اگر ادب نہ ہو تو دل میں تعظیم پیدا نہیں ہوتی۔ تعظیم نہ ہو تو انسان عبادات و احکامات اور معاملات کی تعمیل نہیں کرتا۔ جب تعمیل نہ ہوگی تو قرب خداوندی حاصل نہیں ہوگا۔ اسی لیے قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ادب و احترام کے انداز اور طریقے بتائے گئے ہیں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کے محبوب بنو تو پہلے نبوت و رسالت کا احترام کرو تاکہ تمہیں محبت کی نعمت سے سرفراز کیا جائے اگر اس سلسلہ میں تم نے بے پرواہی سے کام لیا تو یاد رکھو تمہارے تمام اعمال صالحہ ضائع اور اکارت ہو جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا، یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ، بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون، اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ ضیاء القرآن میں ہے کہ آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا میں دم واپس حضور سے آہستہ آہستہ بات کروں گا۔ جب کوئی حضور سے ملاقات کے لیے مدینہ طیبہ پہنچتا تو حضرت صدیق اکبر ان کی طرف ایک خاص آدمی بھیجتے جو انہیں حاضری کے آداب بتاتا اور ہر طرح ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا۔ صحابہ کرام جو پہلے بھی سراپا ادب و احترام تھے اس آیت کے نزول کے بعد مزید محتاط ہو گئے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جو قدرتی طور پر بلند آواز تھے اس آیت کے نزول سے ان پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ گھریں بیٹھ رہے دروازہ کو قفل لگا دیا اور دن رات زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ مرشد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ایک دو روز ثابت کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا۔ عرض کیا گیا انہیں تو دن رات رونے سے کام ہے، دروازہ بند کر رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا بھیجا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ غلام اطاعت شعار نے عرض کیا یا رسول اللہ، میری آواز اونچی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے میری تو عمر بھر کی کمائی غارت ہو گئی۔ اس دل نواز آقانے تسلی دی ہوئے یہ مژدہ جانفرا سنایا، اما ترضی ان تعیش حمیداً و تقتل شہیداً و تدخل الجنة کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابلِ تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ؟ عرض کیا اپنے رب کریم کی اس نوازش سے بے پایاں پر بندہ راضی ہے۔ علامہ ابن قیم المتوفی ۷۵۰ھ اس حدیث کے لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر گھسان کارن پڑا تو مسلمانوں کے قدم

ڈنگانے لگے۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم نے آپس میں کہا کہ عہد رسالت میں تو ہم کفار سے اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے لیے گڑھا کھودا اور اس میں جم کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی حتیٰ کہ دونوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس روز حضرت ثابت نے ایک نفیس اور قیمتی زرہ پہن رکھی تھی ایک شخص آپ کی نعش کے پاس سے گذرا تو اس نے وہ زرہ اتار لی اور جا کر چھپا دی۔ اسی شب حضرت ثابت نے ایک شخص کو خواب میں فرمایا میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں، خبردار! یہ خیال نہ کرنا کہ یہ محض خواب ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ سنو! میں کل جب مقتول (شہید) ہوا تو ایک آدمی میرے پاس سے گذرا اور میری زرہ اتار لی۔ اس کی رہائش گاہ پڑاؤ کے آخری کنارہ پر ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے خمیے کے نزدیک ایک گھوڑا پتہ رہا ہے جس کے پاؤں میں ایک لمبی رسی بندھی ہے۔ اس شخص نے میری زرہ پر ایک دیگی اٹ رکھ دیا ہے، اس کے اوپر اونٹ کا کجادہ ہے، تم صبح حضرت خالد کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم مدینہ طیبہ پہنچو تو حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا کہ ثابت پر اتنا قرضہ ہے وہ ادا کر دی اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد کر دیں۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت خالد کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا، حضرت خالد نے وہ زرہ وہاں سے تلاش کر لی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا۔

جن خوش نصیبوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ہوتا ہے

ان کی رفعت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یقیناً اتنا بلند مرتبہ ادب رسول سے ہی ملا ہے۔

معارف القرآن میں ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے شرائط لکھے جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قریش کے نمائندہ سہیل

نے یہیں سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ لفظ رحمن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے، آپ یہاں وہی

لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی ”باسمک اللہم“ آپ نے اس کو بھی مان لیا اور حضرت علی سے فرمایا کہ ایسا ہی

لکھ دو چنانچہ ایسا ہی لکھ دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس کا

فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔ سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز

بیت اللہ سے نہیں روکتے۔ صلح نامہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہونا چاہیے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو۔

آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھو ایسے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی کو اللہ

وجہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اسے مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علی نے باوجود کسر پاپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔ نیز حضرت اُسید بن حُفیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو ہرگز نہ مٹائیں۔ اگر قریش نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلحنامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لیا اور آپ نے یہ لکھ دیا ہذا ما قاضی محمد بن عبد اللہ وسہیل بن عمرو اصلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یا من فیہ الناس ویکف بعضهم عن بعض یعنی یہ وہ سید ہے جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لیے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ محفوظ رہیں۔ ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ (معارف القرآن ص ۸ ج ۸)

یہ تھا نبوت اور رسالت کا حقیقی ادب جس کا ثبوت عملی طور پر حضرت علی المرتضیٰ نے پیش کیا کہ حکم رسول کے باوجود نام رسول کو نہیں مٹایا۔

صاحب معارف القرآن ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے بے محابا کیا کرتے ہیں، ایک قسم کی بے ادبی گستاخی ہے۔ قاضی ابو بکر ابن عربی المتوفی ۵۴۳ھ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا (ظاہری) حیات میں تھا۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ روضہ شریف کے سامنے بھی بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اور صاحب معارف القرآن یہ بھی لکھتے ہیں کہ علماء کرام اور مشائخ چونکہ انبیاء عظام کے وارث ہیں لہذا ان کا ادب و احترام بھی لازم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے علماء اور مشائخ کا ادب ضروری ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو حضور کے حکم میں ہے ان کا ادب و احترام بس از حد ضروری ہے جبکہ ان کے ادب و احترام پر نفوس شرعیہ بھی وارد ہو چکے ہیں۔ صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ ادب رسول سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا بھی ادب و احترام کیا جائے۔ علامہ عبد الوہاب شعرائی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ایک احسان یہ بھی ہے کہ میں اہل بیت سے بغض نہیں رکھتا اور اولاد رسول کا ادب کرتا ہوں کیونکہ جو حکم اصل کے لیے ثابت ہوتا

ہے وہ فرغ کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب فرض ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا ادب بھی فرض ہے۔

سابع المودہ ص ۳۶۹ میں ہے کہ جب ہشام بن عبد الملک اپنے والد کے دور حکومت میں حج کرنے کے لیے گیا تو جب طواف کعبہ شروع کیا اور حجر اسود کو چومنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکا اور پیچھے ہٹ گیا اور اس کے لیے ایک کرسی رکھی گئی جس پر بیٹھ کر لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ملک شام کے وزراء اور امراء بھی تھے۔ اسی اثنا میں امام زین العابدین علیہ السلام کعبہ کا طواف کرنے کے لیے تشریف لے آئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے خوبصورت تھے۔ لوگ آپ کو دیکھتے ہی رہ جاتے تھے، آپ نے طواف شروع کیا جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو تمام لوگ آپ کے ادب و احترام کے لیے پیچھے ہٹ گئے اور آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو ایک شامی آدمی نے ہشام بن عبد الملک سے دریافت کیا یہ کون ہستی ہے جس کے ادب و احترام کے لیے لوگ حجر اسود سے پیچھے ہو گئے ہیں۔ ہشام نے کہا مجھے پتہ نہیں ہے، یہ اس نے تجاہل عارفانہ اس لیے کیا تاکہ شامی لوگ امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف میلان نہ کریں ہشام کے قریب فرزدق (بہت بڑا شاعر) موجود تھا اس نے کہا میں جانتا ہوں یہ کون ہیں۔ شامی نے کہا فرزدق بتائیے یہ کون ہیں تو فرزدق نے امام زین العابدین کی شان میں ایک بلیغ و فصیح قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے

ہذا الذی یعرف البطحاء و طائفہ و البیت یعرفہ و الحل و الحرم

”یہ وہ ہیں جن کو سرزمین بطحاء پہچانتی ہے اور خانہ کعبہ اور حل و حرم بھی“

فرزدق نے کہا کہ اگر ہشام بن عبد الملک کہتا ہے کہ میں ان کو نہیں پہچانتا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے

۱۔ ہشام بن عبد الملک امیر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد جب دور سلطنت شروع ہوا تو پہلے بادشاہ اور امیر حضرت معاویہ بن سفیان المتوفی ۶۸۰ء ہوئے جن کا دور حکومت انیس سال تین ماہ تھا۔ ان کے بعد یزید بن معاویہ تین سال اور کچھ ماہ اور اس کے بعد معاویہ بن یزید صرف چالیس دن اور اس کے بعد مروان بن حکم سات ماہ حاکم رہا۔ اس کے بعد عبد الملک بن مروان المتوفی ۶۸۶ء اس کے بعد ولید بن عبد الملک نو سال، اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک دو سال، اس کے بعد عمر بن عبد العزیز تین سال امیر رہے۔ ان کے بعد ہشام بن عبد الملک بن مروان المتوفی ۷۲۵ء بادشاہ مقرر ہوا۔ (مفتی غلام رسول)

یہ وہ ذات ہے جس کو خانہ کعبہ، حل اور حرم جانتا ہے۔ تمام سر زمین بطحا جانتی ہے بلکہ عرب و عجم جانتے ہیں، تو نے دیکھا نہیں جب یہ حجر اسود کو بوسہ دینے لگے ہیں تو حجر اسود نے خود ان کے ہاتھوں کو چوم کر اپنے آپ کو معطر کر لیا ہے، تو بتا تو سہی دنیا میں کون ہے جس کی گردن میں ان کی نعمتوں کے بار نہیں ہیں۔ یہ وہ میں جن کی محبت فرض عین ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر صریح ہے، اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر ہی تو مقدم ہے یہ اللہ کی زمین پر تمام سے بہتر ہیں ان کے ساتھ نہ کوئی شرافت میں برابر ہے اور نہ ہی سخاوت میں، یہ مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد فرماتے ہیں۔

جب ہشام نے یہ مدح بھرا قصیدہ سنا تو حکم کیا کہ فرزدق کو قید کر دیا جائے۔ فرزدق کو مقام عسکان میں قید میں ڈال دیا گیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھیجے۔ فرزدق نے یہ رقم واپس امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دی اور یہ بھی عرض کیا کہ میں نے آپ کی تعریف اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کے لیے کی ہے کوئی انعام کے حصول کے لیے نہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے پھر یہ رقم واپس فرزدق کو عطا فرمادی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اذ اهل البيت اذا وهبنا شيئاً لا نستعيدہ، جب ہم اہل بیت (رسول) کوئی چیز ہبہ کر دیتے ہیں تو واپس نہیں لیتے۔ فرزدق نے یہ قبول کر لیا۔

طواف کعبہ عبادت ہے، اہل بیت کا ادب جیسے کہ دیگر معاملات میں لازم ہے اسی طرح عبادات میں بھی لازم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے تو تمام لوگ حجر اسود سے پیچھے ہو گئے جس سے ظاہر ہوا کہ اہل بیت اطہار کا ادب ہر صورت میں لازم اور ضروری ہے۔

حضرت علی بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں علویوں (سادات) کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتا تھا ان میں سے ایک سید کو میں نے دیکھا جو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے تھا وہ بے ہوش پڑا ہے اور اس نے قے کی ہوئی ہے اور مٹی میں لتھڑا ہوا ہے تو میں نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ اب اس سال اس سید کو اس کا مقرر کردہ وظیفہ اور روزینہ نہیں دوں گا۔ جب وہ میرے پاس آیا اور وظیفہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا کہ فلاں دن میں نے تمہیں فلاں مقام پر بے ہوش پڑا ہوا دیکھا تھا تمہاری حالت ٹھیک نہیں تھی لہذا تم چلے جاؤ تمہارا روزینہ اور وظیفہ ہم نے بند کر دیا ہے۔ وہ سید واپس چلا گیا۔ جب میں رات کو سویا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہیں میں

بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں، میں تو آپ پر کثرت سے درود بھی پڑھتا ہوں اور آپ کی اولاد پاک سے احسان بھی کرتا رہتا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کل تو نے میرے ایک فرزند کو اپنے دروازہ سے خالی واپس کیوں کیا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اس کو بڑے کام میں مشغول دیکھا تھا۔ میں نے اس کا وظیفہ اس لیے بند کیا تھا تا کہ گناہ پر اس کا معاون نہ بنوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اسے میری وجہ سے دیتا تھا یا اس کو اس کی وجہ سے۔ میں نے عرض کیا حضور کی وجہ سے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری وجہ سے اس کا پردہ بھی رکھنا چاہیے تھا کیونکہ وہ میری اولاد سے ہے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے یہ بات بسر و چشم قبول ہے۔ جب میں صبح بیدار ہوا تو اس سید کی تلاش میں میں نے ایک آدمی کو بھیجا، جب وہ آدمی ان کو لے کر آیا تو میں نے ان کو اندر بلایا اور دس ہزار درہم ان کی نذر کیے اور ان کو ادب و عزت سے نوازا اور ساتھ یہ بھی عرض کیا اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو ہم کو بتا دیا کریں اور پھر ان کو واپس تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا، انہوں نے کہا یہ بات تو بتا دیجیے کہ کل تو آپ نے مجھے جواب دے دیا آج مجھے آپ بہت نواز رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو میں نے کہا آج رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آپ کے متعلق یوں فرمایا ہے، سید نے جب یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور پھر کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد کبھی معصیت اور گناہ نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی میرے نانا پاک (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میری طرف سے مدافعت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی چنانچہ اس کے بعد انہوں نے کبھی گناہ نہ کیا۔ (رشفۃ الصادی ص ۶۳)

اس سے ثابت ہوا کہ حضور کی اولاد کا ادب حضور کی وجہ سے کرنا لازم اور ضروری ہے۔ کسی مسلمان کو یہ خیال ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ سادات جب عمل اچھے نہیں کرتے تو ہم ان کا ادب و احترام کیوں کرتے ہیں، ہم ان کا ادب و احترام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں چنانچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد و عترت ہیں لہذا ہم مسلمانوں پر ان کا ادب بھی لازم ہے۔ امام احمد بن حنبل نے مطلق حکم فرمایا ہے کہ اہل بیت رسول اور اولاد رسول کا احترام فرض ہے۔ محی الدین ابن عربی کے پاس اگر کوئی سید تعلیم کے لیے آتا تو اس کو بلند جگہ پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ابن عباس کے پاس تشریف لاتے تو ابن عباس امام زین العابدین کے ادب کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عبد اللہ بن حسن المثنیٰ جب



عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ راشد) کے پاس آتے تو عمر بن عبدالعزیز خود نیچے بیٹھتے اور ان کو بلند جگہ پر بٹھاتے۔ علامہ ابو بکر ابن شہاب الدین شافعی الحضری اپنی کتاب ”رشفۃ الصادی“ کے خطبہ میں فرماتے ہیں، تمام تعریفیں اس پروردگار کے لیے ہیں جس نے اپنے نبی کے اہل بیت کو عظیم مفاخر و مناقب سے آراستہ کیا اور انہیں عظیم مظاہر و مواہب کی وجہ سے قربت سے نوازا، انہیں اتنا بلند کیا کہ اس کی انتہا کو کوئی زبان اور کسی کا قلم بیان نہیں کر سکتا۔ اپنے ارادہ ازلی سے اس کریم خاندان کو پاکیزگی، بخشش اور اعلیٰ مراتب و مناصب پر پہنچایا۔ فتنوں کی طغیانی کے وقت انہیں سفینہ نجات بنایا، امت کے لیے انہیں پناہ گاہ ٹھہرایا جبکہ فتنوں کے جھگڑ چلیں۔ ہدایت کے ستارے بنایا جبکہ مصائب کی رتیں سیاہ پڑ جائیں انہیں ان کے ناما ”رسول اللہ“ کی قربت ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ زہرا بتول کی وجہ سے اور ان کے باپ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے مکرم و محترم بنایا، ہم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر حمد کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو آل نبی اور اہل بیت کی تعظیم و ادب کی توفیق دی۔

جب اہل بیت کا ادب و احترام ہر طرح سے فرض ہے تو کسی عجمی مرد کو سادات کی لڑکی سے نکاح نہ کرنا چاہیے کیونکہ نکاح سے عجمی خون کے ساتھ ملاوٹ ہوگی اس سے سادات کی سنگین توہین ہوگی۔ چنانچہ سادات کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اتنا طیب و طاہر ہے اس کو کسی دیگر خون کے ساتھ ملوث نہیں ہونا چاہیے یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زید بن حارثہ کو متبنی بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اس متبنی والی رسم کو ختم فرمایا کہ حضرت زید کو نسب رسول سے علیحدہ کر دیا۔ قرآن پاک میں ہے ادعوہم لابائہم عداۃ عند اللہ بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے یہ انصاف کے زیادہ قریب ہے۔ تمام علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت زید کے حق میں نازل ہوئی ہے نیز حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ بھی ان کی موافقت نہ ہو سکی کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبی رشتہ دار تھیں صورت طلاق تک ملتج ہوئی تاکہ متبنی والی غلط رسم کا خاتمہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت زید کا بہت زیادہ پیار تھا اور حضور بھی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے اور یہ ہی وہ زید ہیں جنہیں اس لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا جو قیس روم کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ ان کی قیادت میں اس روز بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تھے۔ یہی وہ زید ہیں جنہوں نے غزوہ موتہ میں دولاکھ دشمن کے سپاہ کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام کی قیادت کی اور اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے اپنی جان کی قربانی دی۔ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کے صدقے

میں تاج شہادت نصیب ہوا، اس آقا کی نظر کرم نے ان کے ذکر کو جاوداں بنا دیا۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے صحابی کا نام بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ بجز زید بن حارثہ کے۔ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ان کی نسبت ولایت کو بحکم قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطع کیا گیا تو ان کے لیے بہت بڑے اعزاز سے محرومی ہو گئی اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل اس طرح کر دیا کہ قرآن پاک میں ان کا نام لے کر ذکر فرمادیا اور لفظ قرآن کا ایک لفظ ہونے کی حیثیت سے اس کے ہر لفظ پر حسب وعدہ حدیث دس نیکیاں نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں ان کا نام جب قرآن میں پڑھا جائے تو صرف ان کے نام پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت زید بن حارثہ بہت مقدر تھے، آپ کو زید بن محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک میں غیر نسب کی شرکت ناپسند تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کریں تاکہ متبنی والی غلط رسم ختم ہو اور اس غلط رسم کو ختم کرنے کی وجہ اس پر مرتب ہونے والے نتائج کا خاتمہ بالخصوص حضرت زید کو نسب رسول سے علیحدہ کرنا مقصود تھا۔ جب حضرت زید بن حارثہ جیسا آدمی نسب رسول میں شریک نہیں ہو سکتا تو پھر ایک غیر سید عجمی اس نسب میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر کسی سید زادی نے اپنی رضا اور اپنے ولی کی رضا سے غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کر لیا تو نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ اس پاک نسب میں عجمی کی شرکت اس نسب پاک کی سنگین توہین اور بے ادبی ہے۔ جہاں اولیاء کے لیے توہین اور ننگ و عار برقرار ہے وہاں ہی کفو نہیں ہوتی اور جہاں کفو نہ ہو وہاں نکاح نہیں ہوتا۔

## اختتامیہ

جو مسئلہ زیر بحث ہے یہ کوئی معمولی نہیں ہے بلکہ نہایت ہی نازک ہے، ظاہر میں یہ ایک فقہی بحث ہے لیکن جہاں جا کر آخر میں اس کی تان ٹوٹتی ہے وہاں یہ ایک عقیدہ کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ نسب رسول کے معاملہ میں حقوقِ سی کو تا ہی بھی انسان کو ایمان سے کوسوں دور لے جا سکتی ہے۔ لہذا میں نے نہایت ذمہ داری سے اس مسئلہ کی یہ تحقیق لکھی ہے اس سے میرا مقصد صرف اللہ اور اس کے رسول اور اس کے رسول کی اہلیت کی رضامندی ہے۔ اس سے نہ کسی پر تنقید و اعتراض نہ دنیاوی مفاد اور نہ ہی کسی دنیا دار کی رضا مقصود ہے۔

کروں مدح اہلِ دولِ رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کیم کا میرا دین پارہ نان نہیں

ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہر صورت میں اہل بیتِ نبوی کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھے تمام لوگوں کے نسب سے جو اہل بیتِ اطہار کے نسب کو عظمت و برتری اور پاکی اور پاکیزگی عطا فرمائی گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں ملی ان کے نسب کے ہم مثل ہونا تو کجا شریک و ہم ہونے کا تصور کرنا بھی ایک سنگین جرم ہے۔ قرآن پاک میں ہے انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

امام ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے کتاب الدلائل میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا مجھے بہترین قسم میں پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاصحاب الیمین ما اصحاب الیمین واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال میں اصحاب الیمین (دائیں جانب والوں) میں سے ہوں اور ان سے افضل ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے دو قسموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاصحاب الیمین ما اصحاب الیمین واصحاب المشامۃ ما اصحاب

المشائمة والسابقون السابقون، برکت والے کیا ہی برکت والے ہیں نحوست والے کیا ہی نحوست والے ہیں اور سابقین تو سبقت والے ہی ہیں تو میں سابقین سے ہوں اور ان سے افضل ہوں پھر تین حصوں کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں بنایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، اور تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا تاکہ آپس میں پہچان رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ میں اولادِ آدم سے سب سے زیادہ متقی ہوں اور اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ہوں یہ بات از روئے فخر اور غرور نہیں کہہ رہا ہوں پھر قبائل کو بیوت (گھرانوں) میں تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر بیت (گھرانے) میں پیدا کیا چنانچہ فرمایا انما یرید اللہ لیزھب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیرا، لہذا میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک ہیں۔

امام احمد بن حنبل، ابن جریر، ابن کثیر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، مردویہ اور علامہ سمہودی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چادر اوڑھے ہوئے تشریف فرما تھے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے حضور کی خدمت اقدس میں کھانا پیش کیا۔ حضور نے خاتونِ جنت کو ارشاد فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حسین کریمین کو بھی بلاؤ، جب یہ تشریف لائے تو کھانا کھانا شروع کیا تو آیت انما یرید

لہ عربوں کی تقسیم قبائل کے لحاظ سے چھ طبقات پر ہے، ۱۔ شعب ۲۔ قبیلہ ۳۔ عمارۃ ۴۔ بطن ۵۔ فخذ ۶۔ فسیلہ۔ شعب جمع کرتا ہے قبائل کو، قبیلہ جمع کرتا ہے عمار کو اور عمار جمع کرتا ہے بطن کو اور بطن جمع کرتا ہے فخذ کو اور فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو پس مفر شعب ہے، کنازہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قصبی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے اور عبد المطلب قبیلہ ہے۔ بعض دفعہ قبیلہ پر بیوت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے لئو جعل القبائل بیوتاً فجعلنی من خیرھا بیتا یہ بیت شریف بوجہ قول انما یرید اللہ لیزھب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً ہے۔ (نیم الریاض ص ۲ ج ۲) فتح الباری ص ۵۲۸ ج ۶

(مفتی غلام رسول)

اللہ لیذهب عنکم الرجس انازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا دامن ان پر ڈال دیا پھر ہاتھ مبارک آسمان کی طرف بلند فرما کر عرض کیا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے خاص ہیں ان سے رجس کو دور کر دے اور ان کو پاک کر دے، یہ تین مرتبہ کلمات فرمائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تو بھی بھلائی کی طرف ہے۔

امام مسلم، امام احمد، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ فرماتی ہیں کہ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ پر چادر تھی جس میں سیاہ بالوں کی دھاریاں تھیں پھر حضرات حسنین کریمین آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی

سوال :- بعض روایات میں آتا ہے کہ آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس انازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک میں حضرت علی اور خاتون جنت اور حسنین کریمین کو داخل فرمایا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آیت تطہیر نازل ہونے سے پہلے چادر مبارک میں داخل فرمایا ان کے درمیان ظاہراً تعارض ہے۔  
جواب :- یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آیت کریمہ نازل ہونے سے پہلے اور دوسری مرتبہ آیت کریمہ نازل ہونے کے بعد۔ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ اس لیے کیا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ یہ ایک اہم واقعہ ہے اور نیز آیت کریمہ نازل ہونے سے قبل جب ان حضرات کو چادر مبارک میں داخل فرمایا تھا تو ہو سکتا تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذاتی عمل فرمایا ہے اور جب آیت کریمہ نازل ہو چکی تو پھر ان حضرات کو چادر میں داخل فرما کر اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر ہی عمل نہیں فرمایا بلکہ یہ حکم خداوندی کے تحت ہوا ہے گویا کہ آیت نازل ہونے سے پہلے جو حضور نے عمل فرمایا ہے اس عمل میں اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہے، جب واقعہ متعدد ہوا تو تعارض نہ ہوا تعارض تو تب تھا جب ایک مرتبہ ہی واقعہ اور عمل ہوتا جب عمل اور واقعہ متعدد مرتبہ ہوا تو تعارض نہ ہوا۔

(مفتی غلام رسول)

چادر مبارک میں داخل فرمایا پھر حضرت فاطمہ آئیں ان کو بھی داخل فرمایا پھر حضرت علی آئے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فرمایا انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطہرکم تطہیرا ، خاتمة المحققین سید یحییٰ بن عمر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو پاک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں لہذا ارادہ بھی قدیم ہے اور قدیم میں تغیر و تبدل محال ہے، جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی اور قدیم ہوا تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اہل بیت اطہار کے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے وہ فی الواقع ہو گیا ہے، اس میں یہ دوہم تک نہیں ہو سکتا کہ وہ واقعہ نہ ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں تبدیلی ناممکن اور محال ہے لہذا ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے رجس کو زائل کر دیا ہے اور ان کو پاک کر دیا ہے۔ صرف پاک ہی نہیں فرمایا بلکہ یطہرکم کے بعد تطہیر مصدر لاکر اس کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ اہل بیت کو صرف پاک ہی نہیں کیا گیا بلکہ پاک کرنے کے بعد ان کو تمام پاکیزگیوں کا مصدر و منبع بھی بنا دیا گیا ہے کہ جتنے پاک ہونے والے ہیں وہ اہل بیت اطہار کی وجہ سے ہی پاک ہوں گے۔ کوئی آدمی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ براہ راست پاک ہو جائے بلکہ جب تک ان کا توسل اختیار نہیں کرے گا وہ کبھی بھی پاک نہیں ہوگا۔

رشفة الصادق میں ہے کہ مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد حضرت علی حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء اور ان کے دونوں بیٹے حسن اور حسین مراد ہیں اور آگے جو ان کی اولاد ہے وہ بھی اس میں داخل ہے کہ لفظ ”اہل بیت“ کا ان پر بھی صادق آتا ہے جبکہ احادیث نبویہ میں اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لیے دو چیزیں قابل تمسک چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے وابستہ رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عنقریب اہل بیت، یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے ملیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ میری اگلی امت سے ہر آنے والے گروہ میں صاحب عدل ہوں گے جو میرے اہل بیت سے ہوں گے۔ اور متعدد احادیث میں یہ بھی ہے کہ آخر زمانہ میں مہدی موعود میری اہل بیت سے ہوں گے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل قیامت تک رہنے والی ہے تو ظاہر ہے کہ حضور کی تمام اولاد جو قیامت تک ہونے والی ہے وہ اس آیت تطہیر میں داخل ہے۔ جب تمام

اولاد آیت تہیبہ میں داخل ہوئی تو ثابت ہوا کہ سادات کرام کا نسب حضو کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے طیب و طاہر ہے۔ اب سادات کا ہم کفو وہی ہوگا جو کہ عترتِ رسول سے ہوگا۔ لہذا اگر سید زادی نے اپنی مرضی اور ولی کی مرضی سے غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ غیر کفو میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوتا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ اولیاء سے ضرر کا دفع کرنا ہے کیونکہ نکاح جب غیر کفو میں ہوگا تو اولیاء اور وارثوں کے لیے باعث عار ہوگا کیونکہ سیدہ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور یہ نسب مطرد للحکم ہے یعنی اس نسب والوں کا ہم کفو وہی ہوگا جو کہ اس نسب سے ہوگا۔ اور غیر سید عجمی مرد اس نسب کا ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی سیدہ نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کر بھی لیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ولی اور اس کے ولی کی رضا سے نکاح غیر کفو میں ہونے سے جو عیب ہوگا وہ مرتفع نہیں ہوگا کیونکہ یہ عیب جیسے کہ عرف میں ہے اسی طرح یہ شرع میں بھی ہے جو کہ وقتی طور پر کسی کی رضا مندی سے یہ مرتفع نہیں ہو سکتا۔ جب کفو کے لحاظ سے یہ عیب برقرار ہے گا تو بقول علامہ ابن ہمام کے جہاں کفو کے لحاظ سے عیب ہو وہاں کفو نہیں اور جہاں کفو نہیں وہاں نکاح نہیں ہوتا۔ پھر حسن بن زیاد کی روایت کو امام سرخسی، قاضی خان اور دیگر فقہاء نے مفتی بہا کہہ دیا ہے تو اب ظاہر مذہب والی روایت پر فتویٰ ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہوگا جس کو لفظ "احتیاط"، "تختار" اور فتویٰ نے مضبوط اور لفظ "اصلاً" نے زیادہ معتبر اور مستند علیہ بنا دیا ہے کہ نکاح غیر کفو میں بالکل منعقد نہیں ہوگا۔

جب فقہاء نے اس مسئلہ کی تصریح کر دی ہے تو اب یہ کہتے رہنا یا سمجھتے رہنا کہ فتویٰ قرآن و حدیث سے دینا چاہیے

لے جب میں پاکستان میں تھا اور میرا فتاویٰ جماعتیہ شائع ہوا تو ایک صاحب جو اپنے آپ کو فن حدیث میں ماہر سمجھتے تھے وہ تشریف لائے اور مسئلہ زیر بحث پر ہی انہوں نے گفتگو شروع کر دی کہنے لگے کہ آپ نے اس مسئلہ میں کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ میں نے کہا فتویٰ عبارات بھی حدیث سے مستنبط اور مستخرج ہیں، وہ کہنے لگے صریح حدیث چاہیے، میں نے کہا کہ حدیث بیان کرنے والے کو اصطلاح فن حدیث میں کیا کہا جاتا ہے وہ کہنے لگے کہ محدث۔ میں نے کہا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو محدث کامل ہونے کے لیے رباعیات شرط قرار دیئے ہیں وہ کیا ہیں، وہ گھبرائے۔ میں نے عرض کی کہ فتویٰ کی شرائط سے یہ بھی ہے کہ کتب فقہ سے صریح جزئیہ فتویٰ میں ذکر کیا جائے قرآن و حدیث سے فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ اب ہم ناظرین حضرات کی دلچسپی کے لیے وہ رباعیات ذکر کیے دیتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مزج غلطی ہے کیونکہ فقہ میں جو مسائل ہیں وہ شرعاً و حدیث سے ہی تو مستنبط ہیں۔ اصول کے مطابق فتویٰ فقہی جزئیات سے دیا جائے گا۔ اور قواعد و ضوابط کے ساتھ فتویٰ دینا منع ہے اور فقہاء نے حسن بن زیاد کی روایت کو

ذکر البزازی فی المناقب عن الامام البخاری الرجل لا یصیر محدثاً کاملاً الا ان یکتسب اربعاً مع اربع کا ریع مع اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لاریع وهذه الرباعیات لا تتم الا بأربع مع اربع فاذا تمت له کلها هانت علیه اربع وابتلی بأربع فاذا صبر اکرمه الله تعالیٰ فی الدنیا بأربع واثابه فی الآخرة بأربع لها الا ولی فاخبار الرسول صلی الله علیه وسلم وشرائعه وَاخبار الصحابة ومقادیرهم والتابعین واحوالهم وسائر العلماء وتواریحهم، مع اربع اسماء رجالهم وکنائهم وامکنتهم وازمنتهم کأربع التجمید والخطب والدعاء مع التوسل والتسمية مع السورة والتکبیر مع الصلوات مع اربع المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات فی اربع فی صغرة فی ادراکه فی شبابه فی کھولة عند اربع عند شغله عند فراغه عند فقره عند غناہ بأربع بالجبال بالمحار بالبراری بالبلدان علی اربع علی الحجارة علی الاخراف علی الجلود علی الاکتاف الی الوقت الذی یکن ثقلها الی الاوراق۔ عن اربع عمن فوقه ودونہ ومثله وعن کتاب ابیہ اذا علم انه خطه لاریع لوجه الله تعالیٰ ورضاه وللعمل به ان وافق کتاب الله تعالیٰ ونشرها بین طالبیها ولا حیاہ ذکره بعد موته ثم لا تتم له هذه الاشیاء الا بأربع من کسب العبد وهی معرفة الکتاب واللغة والصرف والنحو، مع اربع من عطاء الله تعالیٰ الصحة والقدرة والحرص والحفظ فاذا تمت له هذه الاشیاء هانت علیه اربع الامل والولد والعمال والوطن وابتلی بأربع بشماتة الاعداء وطلامة الاصدقاء وطعن الجهال وحسد العلماء، فاذا صبر اکرمه الله تعالیٰ فی الدنیا بأربع، بحر القناعة وهیبة النفس ولذة العلم وحياة الابد واثابه فی الآخرة بأربع بالشفاعة لمن اراد من اخوانه وفضل العرش حیث لا ظل الاظلم والشرب من الکوثر وجوار النبیین فی اعلیٰ علیین۔ فان لم یطق احتمال هذه المشاق فعلیه بالفقه الذی یمکنه تعلمه وهو فی بیتہ قار ساکن لا یحتاج الی بعد اسفار وطی دیار وركوب بحار وهو مع ذلك ثمرة الحدیث ولبس ثواب الفقیه وعزرة اقل من ثواب المحدث وعزرة،

له قاعده وہ ہے جو متفرق بابوں کے فروعات کو جمع کرے اور ضابطہ وہ ہے جو ایک باب کے فروعات کو جمع کرے۔

(الاشباه والنظائر ص ۱۹۲)

(مفتی غلام رسول)



مفتی بہا قرار دیا ہے لہذا غیر کفو میں نکاح نہیں ہوگا۔ اور نکاح نہ ہونے کی وجہ ہتک حرمت اہل بیت ہے ، فسادِ زمانہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ خواجگان گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ نے اس نکاح مذکورہ کے منعقد نہ ہونے کی وجہ اہل بیت کی ہتک قرار دی ہے۔ اپنے فتویٰ میں فسادِ زمانہ کو علت نہیں بنایا اور نہ ہی فسادِ زمانہ کی بحث کی ہے اور نہ ہی عورت اور اس کے ولی کی رضایا عدمِ رضا کا ذکر کیا ہے بلکہ فرمایا یہ مذکورہ نکاح بوجہ ہتک حرمت اہل بیت منعقد نہیں ہوا۔ لوگوں پر فرض ہے کہ وہ سیدہ کو عجمی سے جدا کریں۔ اگر نکاح منعقد ہونے کا احتمال بھی ہوتا تو آپ فسخ کرنے کا حکم فرماتے چونکہ منعقد نہیں ہوا تھا لہذا تفریق اور جدائی کرنے کا حکم کیا اور اصول کے مطابق آپ نے اس فتویٰ میں حسن بن زیاد کی راجع روایت کا ذکر کر دیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ایسے نکاح کے منعقد نہ ہونے پر فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اس فتویٰ دینے والے نے جو غیر کفو میں نکاح کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس نے صرف سادات پر ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں پر ظلم شدید کیا ہے۔ اس لیے کہ صورت مذکورہ کا تعلق سید زادی سے تھا جس سے اہل بیت کی توہین اور ہتک ہو رہی تھی اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اہلیت کی عزت فرض ہے اور غیر کفو میں نکاح کے جواز کا فتویٰ دینے والے نے تمام مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور یہ نکاح بوجہ ہتک حرمت اہل بیت منعقد نہیں ہوا اور اس مذکورہ نکاح سے جیسے کہ عرف میں سادات کی توہین ہوئی ہے اسی طرح شرع میں بھی توہین ہوئی ہے کیونکہ شریعت نے اہل بیت کی تعظیم کو لازم قرار دیا ہے۔ اگر سیدہ نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ نکاح کر لیا تو لازماً خون کی ملاوٹ ہوگی اور خون کی ملاوٹ اس نسب طیب و طاہر میں جیسے کہ عرف میں باعث ننگ و عار ہے اسی طرح شرع میں بھی ننگ و عار ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی رضا سے خون کی ملاوٹ رک نہیں سکے گی تو ظاہر ہے کہ جب ملاوٹ ہوگی ، تو ننگ و عار بھی ساتھ ہوگی یہ ننگ و عار ہرگز نہ ہرگز ملاوٹ سے جدا نہ ہوگی ، جب ننگ و عار کسی جگہ ہو تو وہاں کفو نہیں ہوتی اور جہاں کفو نہ ہو وہاں مفتی بہا روایت کے مطابق بالکل نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اور حضرت امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری بھی اپنے ملفوظات میں اس نکاح کے منعقد نہ ہونے کی علت توہین اہل بیت ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ایک طرف تو وہ درود شریف پڑھتے ہیں اور دوسری طرف سید زادیوں سے نکاح کرتے ہیں یہ کیسے مسلمان ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر ملت کا یہ فرمانا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نکاح چونکہ غیر کفو میں ہے اور غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ نیز سید زادی کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف

منسوب ہونے کی وجہ سے طیب و طاہر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کفو اور مثل کوئی نہیں ہے چنانچہ مولانا عبدالعلی بکر العلوم المتوفی ۱۳۲۶ھ میرزاہد رسالہ قطبیہ کے حواشی میں لکھتے ہیں، لعیلد الدھر مثلہ من الازل و لعیولد الی الابد فلیس له من فی السموات والارض کفوا احد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ازل سے لے کر ابد تک کوئی پیدا نہیں ہوا اور آسمانوں اور زمین میں کوئی آپ کا ہمسرا اور ہم کفو نہیں ہے اور ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم کفو کوئی نہیں ہے تو حضور کی اولاد کا بھی ہم کفو کوئی نہیں ہے مگر وہی جو آپ کے نسب عنقریب سے ہو اس سے ظاہر ہے کہ سید زادی کا ہم کفو سید ہی ہوگا۔ لہذا سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہوگا۔

صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ جائز نہیں ہے اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں کیونکہ اس نسب طاہر کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کہ یمین کی طرف منسوب ہو۔ اور جو حسنین کہ یمین کی اولاد سے نہیں ہے وہ سید زادی کا ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ لہذا سید زادی کا نکاح غیر کفو میں کسی عجمی مرد کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ صاحب رشفۃ الصادی نے تصریح کر دی ہے کہ اگر سید زادی اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہو جائیں تو پھر بھی نکاح نہیں ہوگا کیونکہ یہ نسب رسول دوسرے لوگوں کے نسبوں کی طرح نہیں ہے اسی وجہ سے حضرت امیر ملت محدث علی پوری المتوفی ۱۳۷۵ھ نے سیدہ اور اس کے ولی کی رضا یا عدم رضا کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ مطلقاً فرمایا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے اور غیر کفو میں نکاح بالکلیہ منعقد نہیں ہوتا اور آپ نے بھی نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہونے کی علت ہتک حرمت اہل بیت ہی ذکر کی ہے کہ دو د شریف پڑھنا دلیل عظمت ہے اور سید زادی سے غیر سید عجمی مرد کا نکاح کرنا دلیل توہین و تنگ و غار ہو وہاں کفو نہیں ہے اور جہاں کفو نہیں ہے وہاں نکاح نہیں ہوتا۔ لہذا سید زادی کا نکاح غیر کفو میں عجمی مرد کے ساتھ ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔

ہم پہلے متعدد مرتبہ ذکر کر چکے ہیں کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شرف نسب ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کی اہمیت پر قرآن و حدیث بھی شاہد ہیں خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اطہر کی عظمت تو اظہر من الشمس ہے اور حضور نے خود فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قریش کے بہترین خاندان میں پیدا فرمایا اور سادات کرام کا نسب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور یہ شرافت نسبی صرف سادات کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں ہے۔ لہذا سادات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق بسر کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اقدس کی عزت کا خیال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے اہل بیت کو خدا سے ڈرنے کا حکم کرتا ہوں اور یہ بھی حکم کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں۔ اور اپنی امت کو اہل بیت کی اقتدار کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے اہل بیت روز قیامت میرا دامن پکڑے ہوں گے اور ان کے تابعدار ان کا دامن تھامے ہوئے ہوں گے۔ میرے اہل بیت تمہیں گمراہی کے دروازے میں داخل نہ کریں گے اور ہدایت کے دروازے سے باہر قدم نہ رکھنے دیں گے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ سادات کو ایسے عمل کرنے چاہئیں کہ وہ اسوہ حسنہ ثابت ہوں تاکہ لوگ ان کی اتباع کریں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ سادات کرام عملی صورت میں اتنے پیچھے ہوں کہ وہ لوگ جو از قسم خوارج اور نواصب ہیں سادات کرام کو مورد طعن بناتے رہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سادات پر بوجہ اولادِ رسول ہونے کے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی شرع محمدی کے مطابق گزاریں۔

چنانچہ واقعات و روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بھری المتوفی سالہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا تو رات کو میں حرم شریف میں قیام کرتا تھا تاکہ تمام رات عبادت میں گذر سکے اور میں ہر رات کو دیکھتا کہ ایک صاحب تشریف لاتے ہیں اور سحری کے وقت کعبہ کے دروازہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے ہیں اور نہایت پُرسوز ان الفاظ میں دعا مانگتے ہیں۔

”اے اللہ تعالیٰ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، اے اللہ تعالیٰ میری مغفرت اور بخشش فرما“

حضرت حسن بھری فرماتے ہیں کہ میں ان دعائیہ الفاظ سے متاثر ہو جاتا۔ ایک دن جب وہ دعا مانگ کر حرم سے باہر جانے لگے میں نے عرض کی حضورؐ کی تعریف کیا ہے، فرمایا تمہاری کیا تعریف ہے، میں نے عرض کی میرا نام حسن ہے بھرہ کا بیٹے والا ہوں۔ فرمایا میرا نام بھی حسن ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں میں نے عرض کی حضورؐ آپ ایسے دعا مانگتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھا، سولہ ہے۔ فرمایا اے حسن بھری! کیا ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کریں کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رات عبادت میں مہر دہ رہتے پاؤں مبارک میں درم آجاتا، آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ تو معصوم ہیں آپ کو اتنی عبادت کی کیا ضرورت ہے تو آپ نے فرمایا افلا اکون عبداً شکوئاً، کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ سادات کو چاہیے کہ وہ حضور کی تعلیمات پر عمل کر کے دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ ثابت ہوں۔ اگر سادات عمل و عقیدہ میں کوتاہی کرتے ہیں تو پھر بھی دوسرے لوگوں کو چاہیے جو سادات کو نسبت حضور

کی طرف نسبتی ہے اس کی وجہ سے حتی الامکان ان کی عزت و عظمت کا خیال رکھیں۔

شیخ محمد صبان مہری المتوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ کے سادات حسینہ سے ان کے اظہارِ رخص کے باعث کہ ورت رکھتا تھا پس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ روضہ منورہ کے سامنے تشریف فرما ہیں آپ نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب فرمایا کیا معاملہ ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو میری اولاد سے بغض رکھتا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز نہیں میں ان سے نفرت نہیں کرتا میری ناپسندیدگی کی وجہ اہل سنت کے خلاف ان کا تعصب ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا کیا فقہی مسئلہ میں نافرمان بیٹا باپ کی طرف ہی منسوب نہیں رہتا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ منسوب رہتا ہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا یہ میرا ایک نافرمان بیٹا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے جس کی بھی میں ملاقات کرتا اس کی تعظیم بجالاتا۔ پس لازم ہے کہ اہل بیت سے آگے کوئی شخص فاسق ہو اور باعثِ بارِ فعل اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے باعث اس کا ادب و احترام کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جو سادات عقیدہ اور عمل میں کوتاہی کرتے ہیں ان کا بھی ادب و احترام بھی لازم ہے کیونکہ ان کا ادب و احترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام ابوالشیخ اور امام ویلیسی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اولاد کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ منافق ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے اس کو اس کے بعد میری اہل بیت کی بھلائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا جو کہ میری اہل بیت کے معاملات کو پورا کرنے کی کوشش کرے جبکہ ان کو ضرورت ہو۔ (رسالة الصادق ص ۱۰۰)

اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت کے حقوق کی رعایت اور ان کے ضروریات کو پورا کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ جو شخص ان کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں نعم البدل کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۲ھ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جب میں نے حج کا ارادہ کیا تو پانچ سو دینار لے کر کوفہ کے بازار میں اونٹ خریدنے کے لیے گیا تو میں نے

دیکھا کہ ایک جگہ ایک عورت مردہ بطن کے پر اور بال نوچ رہی ہے میں نے اس سے پوچھا اس مردہ بطن کو کیا کردگی تو وہ بولی اے عبداللہ ایسی باتوں کے پیچھے ہرگز نہ پڑو۔ اس کی بات سے میرا دل متاثر ہوا میں نے اصرار کیا تو وہ بولی اے عبداللہ تو نے مجھے راز کھولنے پر مجبور کر دیا ہے، میں سیدہ عورت ہوں چار یتیم بیٹیاں ہیں چند روز ہوئے ان کا باپ مر گیا ہے۔ یہ چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ کھایا ہی نہیں، میں اس بطن کو صاف کر کے لے جاؤں گی اور کھائیں گے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت وہ پانچ سو دینار اس سیدہ کے قدموں میں رکھ دیئے، میں نے کہا کہ یہ اپنی ضروریات میں صرف کریں اور میں واپس چلا آیا۔ اونٹ نہ خریدنا اور میرے دل سے اس سال حج کی خواہش نکل گئی اور میں اپنے گھر آ گیا یہاں تک کہ لوگ حج کر کے واپس آنے شروع ہو گئے اور ہمارے شہر کے حاجی جب واپس آئے تو لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلے میں بھی استقبال کے لیے نکلا حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں جس حاجی سے ملتا اور اس کو کہتا کہ اللہ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری کوشش مشکور ہو۔ وہ مجھے کہتا کہ عبداللہ تمہارا بھی حج قبول ہو اور کوشش بھی مشکور ہو ہم اور آپ فلاں فلاں جگہ جمع ہوئے تھے۔ جن حاجیوں سے میں ملتا وہ مجھے ایسے ہی کہتے۔ میں تمام رات سوچتا رہا میں تو حج کے لیے گیا نہیں یہ کیا وجہ ہے۔ اچانک مجھے نیند آگئی اور میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ! تو حاجی لوگوں کی بات سے تعجب نہ کہہ کیونکہ تو نے میری اولاد میں سے ایک

اے حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح ابو عبدالرحمان کی پیدائش ۱۸ھ ہجری ہے آپ امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، یحییٰ بن معین المتوفی ۲۴۳ھ، عبدالرحمن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ، ابو بکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اور عثمان بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۹ھ کے استاذ ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک ثقہ اور مضبوط ہیں اور مسلمانوں کے سردار ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے حضرت امام ابوحنیفہ کے علاوہ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ اور سفیان ثوری المتوفی ۱۷۶ھ سے بھی علم حاصل کیا۔ علامہ ابن خلدون ۷۸۱ھ لکھتے ہیں کہ جب ہارون الرشید قہ شہر میں گئے تو وہاں عبداللہ بن مبارک بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن مبارک کے ساتھ بے شمار لوگ تھے، ہارون الرشید کی کنیز نے جب عبداللہ بن مبارک کے ساتھ بے شمار لوگ دیکھے تو ہارون الرشید سے پوچھا یہ کون ہیں جن کے ساتھ اتنے لوگ ہیں۔ ہارون الرشید نے کہا یہ خراسان کے عالم ہیں۔ کنیز نے کہا حکومت ہو تو ایسی ہو۔

(مفتی غلام رسول)

مصیبت زدہ عورت کی مدد کی تھی لہذا میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا کرے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے تو اب تیری اگر مرضی ہو حج کر اگر مرضی ہو نہ کر۔  
 زبیر بن عبد الرحمن بغدادی نے روایت کی ہے کہ جب امیر تیمور لنگ سخت بیمار ہو گیا تو ایک رات بہت پریشان ہوا، اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ چند دن کے بعد جب افاقہ ہوا تو لوگوں سے امیر تیمور نے کہا کہ جب میں شدید بیمار ہو گیا تو عذاب دے فرشتے مجھے نظر آئے لیکن پھر کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو حضور نے فرشتوں سے فرمایا تم چلے جاؤ کیونکہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا اور ان کے ساتھ احسان کرتا تھا۔

حضرت سلمان فارسی المتوفی ۳۹ھ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرے۔  
 حضرت عبد اللہ بن مسعود المتوفی ۲۳ھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آلِ محمد کی ایک دن کی محبت سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور جو ان کی محبت پر مرا وہ جنت میں داخل ہوگا۔  
 علامہ یوسف نبھانی لکھتے ہیں کہ سید اگر بے عمل بھی ہو تو اس کی عزت اور توقیر لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اس کے قیامت کے دن گناہ بخشے جائیں گے اور اس کے تقصیرات سے درگزر کیا جائیگا اگرچہ اس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو موت سے پہلے خالص توبہ کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ ارشاد ربانی ہے انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً، اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب سترا کر دے۔ بے عمل سید کی عزت اس کے عمل اور عدم عمل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ تو انما هو لعنصرہ الطاہر ونسبہ الزواہر وهذا موجود فی طالحہم کو وجودہ فی صالحہم وفسق احدہم لا یخرجه عن بیت النبوة وهم بشر غیر معصومین فلا یطرا بذالك خلل فی نسبہم، صرف اس کے پاک اصل اور مبارک نسب کی بنا پر ہے اور یہ ان کے صالح کی طرح فاسق میں بھی موجود ہے۔ کسی کا بے عمل ہونا اسے بیت نبوت سے خارج نہیں کرتا کیونکہ بے عمل بھی ایسے انسان ہیں جو معصوم نہیں ہیں لہذا یہ بے عملی ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہوگی اور جس شخص کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہارہ اور حضرت علی کے خانوادے سے ہوگی اس کی بے عملی اسے اس نسب عالی سے خارج نہیں کرے گی۔ جب نسب برقرار ہے تو پھر اگر بے عمل بھی ہو تو نسب کے لحاظ سے عزت کرنی لازم ہوگی

نیز جب لوگ کسی ولی اور صالح آدمی کی اولاد کی عزت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ ولی کی اولاد ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو حضور کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے اس کی عزت بطریق اولیٰ لازم ہوگی (الشرف الموبد ص ۳۶۷)

بہر کیف سادات سے کوئی بے عمل ہو تو اس کی بے عملی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کا ادب و احترام لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا ادب و احترام بوجہ نسب ہوگا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کرام سے ہے، یہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام ہے۔ سادات چونکہ اہل بیت کرام سے ہیں لہذا ان کے ساتھ یہ بھی حسن اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کرام کو پاک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ فی الواقع ہو گیا ہے۔ اگر سادات سے کوئی عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ اسکو موت سے پہلے اسے توفیق عطا فرما کر پاک کر دے گا۔ لہذا ہر صورت میں ان کا ادب و احترام لازم اور ضروری ہے۔

ان روایات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ سادات اگرچہ عقیدہ اور عمل میں کوتاہی بھی کریں تو پھر بھی حتی الامکان ان کا احترام لازم اور ضروری ہے کیونکہ اہل بیت کا احترام اس اعتبار سے کیا جاتا ہے کہ وہ ذریت اور اولادِ رسول ہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ان کے حق میں وہی ادب اور سلوک روا رکھنا چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری میں رکھا جاتا تھا جیسے کہ قاضی ابوبکر بن عربی کا قول ذکر ہو چکا ہے۔ بعد زمانہ سلسلہ ادب و احترام پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اولاد کا اپنے باپ سے خونی رشتہ کا سلسلہ تو منقطع نہیں ہو سکتا خواہ کتنی دور تک ہی کیوں نہ چلا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ صحیح روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول، کان ابوہما صالحا، اور ان دونوں کا باپ نیک تھا کے بارے میں فرمایا وہ دونوں لڑکے اپنے باپ کی صلاح و خیر کی وجہ سے محفوظ ہے خود ان کے صلاح و خیر کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا۔ روایت ہے کہ ان دونوں لڑکوں کا باپ جس کو قرآن نے صالح کہا ہے وہ ساتویں یا نویں پشت میں ان کا دادا تھا جب اس صالح آدمی کی وجہ سے جو اتنی نیچے اور دور اولاد ہے محفوظ رہی ہے تو اولاد نبی کیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے محفوظ نہ ہوگی اگرچہ کتنے ہی واسطے درمیان میں کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ نے فرمایا ہے ہمارا اسی طرح پاس لحاظ رکھو جیسے ان دو یتیموں کا پاس حضرت خضر علیہ السلام نے کیا تھا۔ کیونکہ ان دونوں لڑکوں کا باپ صالح

اور نیک تھا۔

حضرت علی بن حسین علیہ السلام سے بھی روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم عترت رسول ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر آپ کی عترت کا لحاظ رکھو۔ نیز صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں یہ صحیح روایت ہے کہ ابو بکر نے فرمایا اے اہل بیت! واللہ تمہاری صلہ رحمی مجھے اپنے قرابت داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت رکھتے ہو اور یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاس داری ان کے اہل قرابت میں کرو۔ (رشفۃ الصادی ص ۱۴)

جب مطلق شرف انتساب سبب احترام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد جو قیامت تک ہونے والی ہے ان کا احترام فرض اور ضروری ہے۔

غرضیکہ جیسے کہ سادات کا احترام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اسی طرح سادات کے نسب کا بھی احترام ضروری ہے۔ لہذا کسی غیر سید گھبی کو یہ سوچنا بھی نہ چاہیے کہ وہ سادات کی لڑکیوں سے نکاح اور شادی کرے گا۔ اگر دوسری جانب سے کسی سید زادی نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے کسی غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ سید زادی کے لیے قرابت رسول مطرد للمکرم ہے۔ اس کا ہم کفو وہی ہوگا جو اس کی طرح قرابت رسول رکھتا ہو۔ جہاں اطراد ہو وہاں سید زادی اور اس کے ولی کی رضا کا شرعاً اعتبار نہیں ہے بلکہ وہاں علت مؤثرہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ ایک دو افراد کی وقتی رضامندی سے علل مناسبہ اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ سادات کے نسب کے علاوہ دیگر نسبوں میں چونکہ اطراد نہیں ہے لہذا دیگر نسبوں والے اگر باہمی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کر لیتے ہیں تو ہو جاتا ہے لیکن سید زادی کا نسب چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس کا ہم کفو صرف وہی ہوگا جو اپنے نسب کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ اگر غیر سید ہے تو پھر سید زادی کے ساتھ نکاح کرنے سے اگرچہ سید زادی اور اس کا ولی راضی بھی ہوں تو ان کی رضا سے ننگ و عار ختم نہیں ہوگا بلکہ اضافہ اور تذلیل و تضحیک ہوگی۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام اور خواجہ خواجگان پیر سید مہر علی شاہ گورڑوی

لے امام بخاری عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا اذقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی

(مفتی غلام رسول)

اہل بیتہ (فتح الباری ص ۹۵ ج ۶)



علیہ الرحمۃ اور امیر ملت پر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ نے کہا کہ یہ مذکورہ نکاح بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوگا۔ نیز صاحب رشفۃ الصادی نے تصریح کی ہے کہ ہمارے سادات علوی حسنی و حسینی کا یہ قدیم دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی شریفند صحیح النسب ہی سے کرتے ہیں اس نسب عظیم کی حفاظت کے لیے وہ غیر شریف سے شادی کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ عورت اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس نسب طاہر کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کریمین کی طرف منسوب ہو یہ حق نہ صرف کسی عورت کو ہے نہ اس کے ولی کو اور سارے اولاد حسنین کا راضی ہونا ممکن نہیں ہے۔ آج تک اسی پر عمل ہے یہ لوگ بہترین نمونہ اور قابل تقلید ہیں کیونکہ ان میں فقہاء، صلحاء، اقطاب و اولیاء ہیں جن کی مخالفت ہمارے لیے جائز نہیں یہ اس چیز میں جس کی انہوں نے اساس رکھ دی ہے اور جس پر وہ عمل پیرا رہے ہیں ہمیں صرف ان کی سیرت پر چلنا اور ان کی اقتداء کرنا چاہیے انہیں ایسے اختیارات اور ایسی نگاہیں حاصل ہیں کہ فقیہ ان کے اسرار کو نہیں پہنچ سکتا۔ (رشفۃ الصادی ص ۷۲)

حقیقت یہ ہے جہاں تک نسب کا تعلق ہے وہ جیسے شرع میں معتبر ہے اسی طرح عرف میں بھی معتبر ہے، اسی لیے حضرت زینب بنت جحش نے کہا تھا کہ "انا خیر منہ نسبا" میں زید بن حارثہ سے نسب میں بہتر ہوں۔ اور یہ بھی "وانا اید قریش" کہ میں قریش کی شریف زادی ہوں اور زید کا نسب گھٹیا ہے اور میرے ساتھ نسب میں وہ کسی طرح برابر نہیں ہے۔ اور صاحب معارف القرآن نے بحوالہ حدیث ذکر کیا ہے کہ نکاح کفو میں ہونا چاہیے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں غیر کفو میں ہوئے ہیں وہ مسند کفایت پر اثر انداز نہیں ہیں جیسے کہ پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے اور فقہاء حنفیہ نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر فرمایا کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کا ہم کفو وہی ہوگا جو حضور کی عترت سے ہوگا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت سے نہیں ہوگا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کے نسب کا ہم کفو نہیں ہوگا۔ اگر سید زادی نے اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کر لیا تو خون کی ملاوٹ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کے نسب کی توہین و تذلیل ہوگی۔ یہ توہین و تذلیل جیسے عرف میں ہوگی اسی طرح شرعاً بھی ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کا نسب بوجہ تخصیص علیحدہ احکام رکھتا ہے، اور اس نسب میں نکاح غیر کفو میں ہونے سے تذلیل اور توہین برقرار رہتی ہے اور نکاح غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے ننگ و عار ختم نہیں ہوتا اور جہاں ننگ و عار ختم نہ ہو وہاں نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں ہوتا، یہی صاحب رشفۃ الصادی کا مطلب ہے کہ اس نسب طاہر کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے جو حسنین کریمین کی طرف منسوب ہو یہ حق کسی ایک عورت

اور اس کے ولی کا نہیں ہے بلکہ یہ حق تمام اولادِ حسین یعنی سادات کا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام سادات کسی سید زادی کا نکاح غیر کفو میں کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتے بلکہ یہ ناممکن ہے۔ لہذا اگر سید زادی اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائے تو یہ نکاح غیر کفو میں منعقد نہیں ہوگا اور رہی یہ بات جو بعض فقہاء نے ظاہر روایت کے خلاف ذکر کیا ہے ان کے متعلق صاحب رشفۃ الصادی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ ان بڑے بڑے آئمہ جو سادات میں فقہاء، صلحاء، اقطاب اور اولیاء ہوئے ہیں، کے اسرار کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ یہ مذکورہ سادات فقہاء، صلحاء، اقطاب، اولیاء ظاہر روایت کے موافق کہ عجمی مرد عربیہ عورت تم ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ اور حسن بن زیاد کی مفتی بہا روایت کے مطابق فتویٰ دے رہے ہیں کہ غیر کفو میں جہاں عیب اور توہین برقرار ہے نکاح نہیں ہو سکتا اور جو فقیہ ظاہر روایت کے خلاف ذکر کرتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ عجمی عالم اور عجمی بادشاہ یا منٹل پٹھان سید زادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یہ اس فقیہ کے تفردات سے ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔ یہ فقیہ بوجہ متفرد ہونے اور نادر روایت کے ذکر کرنے کے ان اسرار تک نہیں پہنچ سکتا جہاں ظاہر روایت اور مفتی بہا روایت والوں کی رسائی ہوئی ہے لہذا ظاہر روایت اور حسن بن زیاد کی مفتی بہا روایت کے مطابق غیر کفو میں نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ اگر سید زادی نے غیر سید مرد کے ساتھ باہمی رضامندی کے بعد نکاح کیا تو یہ نکاح غیر کفو میں ہونے اور ہتکِ حرمتِ اہل بیت اطہار برقرار رہنے کی وجہ سے بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ ان اسرار میں سے جہاں بقول صاحب رشفۃ الصادی یہ فقیہ نہیں پہنچ سکتا، ایک ستر لطیف یہ بھی ہے کہ طرف کفو اور غیر کفو کی عموماً بحث کرتے رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ اطہر کی تخصیص نہ کرنا یہ بھی اس فقیہ کی ایک سطحی بات ہے باوجودیکہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم کفو اور مثل کوئی نہیں ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ اطہر کا بھی کوئی مثل نہیں ہے، چنانچہ ابن حجر مکی، بحر العلوم عبد العلی اور دیگر سادات سے فقہاء، صلحاء، اقطاب اور اولیاء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو مطرد للمحکم تسلیم کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو مطرد للمحکم تسلیم کرنا یہ ایک ستر لطیف تھا جس کی طرف یہ فقیہ جو کہ نادر روایت کا سہارا لے کر فتویٰ دے رہا ہے، نہیں پہنچ سکا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا نسب مطرد للمحکم ہوا تو اب ظاہر ہے اگر سید زادی باہمی رضامندی کے بعد نکاح غیر کفو میں غیر سید مرد کے ساتھ کر لے تو یہ نکاح بنیادی طور پر ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔ اور یہ خیال کرنا کہ صاحب رشفۃ الصادی نے زیر بحث مسئلہ پر کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پیش نہیں کی یہ ایک غلط فہمی ہے کیونکہ فتویٰ میں فقہی اقوال کا اعلتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، چنانچہ فقہاء اور علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائصِ کریمہ میں سے یہ

بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادی (سیدہ فاطمہ الزہراء) کی اولاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بحیثیت نسب منسوب ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کفو اور مثل کوئی نہیں ہے اسی طرح حضور کی اولاد کا بھی ہم کفو کوئی نہیں مگر وہی جو آپ کے نسب عنقریب میں سے ہو یہ ایک مستنبطہ اور مستخرجہ اطرازی علت ہے۔ اسی علت اطرازی کی وجہ سے صاحب رشفۃ الصادی نے کہا اگر سیدزادی اپنی اور اپنے ولی کی رضا سے غیر کفو میں نکاح کرے گی تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ جب سادات کرام کا مخصوص نسب اپنے احکام اور خصائص کے پیش نظر مطرد لایمکم ہوا تو پھر اگر سیدزادی کا نکاح سید کے ساتھ ہوا تو منعقد ہوگا اگر سیدزادی نے باہمی رضامندی کے بعد نکاح غیر کفو میں کسی مرد کے ساتھ کیا تو ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

وعلمیہا تم واحکم فی کل باب

حررہ مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ

لندن - برطانیہ

# شخصیات کے اسماء

## بلا ترتیب حروف تہجی

- |  |  |
|--|--|
| علامہ عبدالغنی المتوفی ۲۰۹ھ                  | امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ            |
| ابو علی حافظ نیشاپوری المتوفی ۴۳۴ھ           | امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ             |
| ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصبہانی            | امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ                 |
| ابو عبداللہ بن یعقوب الاخرم                  | ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ                  |
| ابوالعباس بن محبوب                           | فخر الدین زبیری المتوفی ۷۶۲ھ           |
| ابو عمرو عثمان بن سماک                       | شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ             |
| ہشام بن عروہ المتوفی ۱۴۶ھ                    | بارون الرشید المتوفی ۱۹۳ھ              |
| عکرمہ بن ابراہیم                             | ابن رستم المتوفی ۲۱۱ھ                  |
| ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ                  | ابن سماعہ المتوفی ۲۳۳ھ                 |
| علامہ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ                      | ابواللیث سمرقندی المتوفی ۲۷۳ھ          |
| بشر بن عبید                                  | ابوالعباس المتوفی ۴۴۶ھ                 |
| علامہ نوح بن مصطفیٰ قزوینی حنفی المتوفی ۷۷۰ھ | شمس الایمہ سخی المتوفی ۷۵۰ھ            |
| ابوموسیٰ اشعری المتوفی ۲۴۴ھ                  | ابوذہری المتوفی ۴۰۴ھ                   |
| مقداد بن اسود المتوفی ۳۳۳ھ                   | علامہ خلیل المتوفی ۴۴۶ھ                |
| زبیر بن عبدالمطلب                            | ابوالقاسم قشیری ۴۶۵ھ                   |
| ضباعہ بنت زبیر                               | شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ |
| ابوہند                                       | ابو عبداللہ بن منذر المتوفی ۱۲۷۰ھ      |

ابن عابد بن شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ  
 امام مالک المتوفی ۱۴۹ھ  
 امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ  
 امام شافعی المتوفی ۲۰۳ھ  
 حسن بن زیاد المتوفی ۲۰۴ھ  
 امام زینر المتوفی ۱۵۸ھ  
 امام خصان المتوفی ۲۶۱ھ  
 ابو جعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ  
 ابو الحسن کرخی المتوفی ۳۴۲ھ  
 شمس الآئمة حلوانی المتوفی ۴۲۸ھ  
 فخر الاسلام بزودی المتوفی ۴۸۳ھ  
 قاضی خان المتوفی ۵۹۳ھ  
 صدر شہید المتوفی ۵۳۶ھ  
 علامہ جصاص المتوفی ۳۷۶ھ  
 ابو الحسن قدوری المتوفی ۴۲۸ھ  
 علامہ نسفی المتوفی ۷۱۶ھ  
 تاج الشریعة المتوفی ۶۴۳ھ  
 عبد اللہ موصلی المتوفی ۶۸۲ھ  
 ابن سعادی المتوفی ۶۹۴ھ  
 شمس الآئمة کردی المتوفی ۶۴۲ھ  
 علامہ حصیری المتوفی ۶۳۶ھ  
 ابن جریر المتوفی ۷۱۰ھ  
 ابن منذر المتوفی ۳۱۸ھ

حضرت بلال المتوفی ۱۸ھ  
 اسامہ بن زید المتوفی ۵۴ھ  
 فاطمہ بنت قیس  
 ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ المتوفی ۱۲ھ  
 سالم بن معقل  
 ولید بن عتبہ بن ربیعہ ۷ھ  
 زینب بنت حسن مشنی  
 ولید بن عبد الملک المتوفی ۹۵ھ  
 فاطمہ بنت حسن مشنی  
 معاویہ بن عبد اللہ  
 عیكہ بنت حسن مشنی  
 جعفر بن مصعب بن زبیر  
 ام قاسم بنت حسن مشنی  
 مردان بن ابان بن عثمان  
 حضرت خضر علیہ السلام  
 حضرت ابوطالب المتوفی ۶۱ھ  
 فاطمہ بنت اسد  
 سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ  
 شعبہ بن حجاج المتوفی ۶۰ھ  
 حافظ ابو سعور دمشقی ابراہیم بن محمد المتوفی ۴۴ھ  
 ابو علی غسانی  
 ولی الدین عراقی المتوفی ۸۲۱ھ  
 ابو بکر مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ

- امام حسین الشہید  $\text{ؑ}$   
 امام مسلم المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت ابوہریرہ المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام ترمذی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام بخاری المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت عائشہ صدیقہ المتوفیة  $\text{ؑ}$   
 ابو سعید خدری المتوفی  $\text{ؑ}$   
 فخر الدین رازی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 علامہ سیوطی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام موسیٰ کاظم المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام ابو داؤد المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت ام سلمہ المتوفیة  $\text{ؑ}$   
 عبدالرحمن جامی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت ابن عباس المتوفی  $\text{ؑ}$   
 ابن مغاذلی الشافعی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت عباس المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت عبداللہ بن عمر المتوفی  $\text{ؑ}$   
 قاضی عیاض المتوفی  $\text{ؑ}$   
 زید بن ثابت المتوفی  $\text{ؑ}$   
 عمر بن عبدالعزیز المتوفی  $\text{ؑ}$   
 عبداللہ بن حسن مثنیٰ المتوفی  $\text{ؑ}$   
 جعفر بن سلیمان عباکی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 محی الدین ابن عربی المتوفی  $\text{ؑ}$
- ابن ابی حاتم المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام حاکم المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام بیہقی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام بزار المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام طبرانی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 ابن سعد المتوفی  $\text{ؑ}$   
 برہان الدین حلبی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 ابن مردویہ المتوفی  $\text{ؑ}$   
 علامہ قرطبی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 اسماعیل حقی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت علی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء المتوفیة  $\text{ؑ}$   
 ابن سیرین المتوفی  $\text{ؑ}$   
 حضرت عمر فاروق المتوفی  $\text{ؑ}$   
 علامہ آلوسی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 ابن حجر عسقلانی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام نووی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 ابن حجر مکی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 ابوالشیخ المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام دہلی المتوفی  $\text{ؑ}$   
 صفیہ بنت عبدالمطلب المتوفیة  $\text{ؑ}$   
 سعد بن ابی وقاص المتوفی  $\text{ؑ}$   
 امام حسن مجتبیٰ المتوفی  $\text{ؑ}$

- بايزيد بسطامي المتوفى ۲۶۱ هـ  
 امام جعفر صادق المتوفى ۱۳۸ هـ  
 امام موسى رضا المتوفى ۲۰۳ هـ  
 امام كرخي المتوفى ۲۰۰ هـ  
 عبد الوهاب شعرائي المتوفى ۹۴۲ هـ  
 سليمان بن شعيب كيساني المتوفى ۱۰۰ هـ  
 ابو بكر بن عياش المتوفى ۱۰۰ هـ  
 حضرت علي الخواص المتوفى ۹۳۹ هـ  
 محب الدين طبرسي شافعي المتوفى ۶۹۳ هـ  
 حضرت زينب بنت علي المتوفاة ۱۰۰ هـ  
 حضرت ام كلثوم بنت علي المتوفاة ۴۹ هـ  
 جعفر بن عبد الله المتوفى ۸۰ هـ  
 محمد بن جعفر المتوفى ۱۰۰ هـ  
 حضرت زينب بنت رسول المتوفاة ۸ هـ  
 حضرت رقيه بنت رسول المتوفاة ۲ هـ  
 حضرت ام كلثوم بنت رسول المتوفاة ۹ هـ  
 محمد بن علي صبان مهري المتوفى ۲۰۶ هـ  
 شجاع بن وليد المتوفى ۲۰۳ هـ  
 حضرت ام حبيب المتوفاة ۴۲ هـ  
 ابو يعلى المتوفى ۳۰۴ هـ  
 عمران بن فضل المتوفى ۱۰۰ هـ  
 امام دارقطني المتوفى ۳۸۵ هـ  
 بقيه بن وليد المتوفى ۱۰۰ هـ  
 محمد بن فضل المتوفى ۱۰۰ هـ  
 ابن عدي المتوفى ۲۶۵ هـ  
 علي بن عروه المتوفى ۱۰۰ هـ  
 عثمان بن عبد الرحمن ۱۰۰ هـ  
 امام بزار المتوفى ۲۹۲ هـ  
 سليمان بن ابى الجون المتوفى ۱۰۰ هـ  
 ابن قطان المتوفى ۱۹۸ هـ  
 ابن معدان المتوفى ۱۰۰ هـ  
 معاذ بن جبل المتوفى ۱۸ هـ  
 البوسفيان المتوفى ۳۲ هـ  
 علامه ابن بهام المتوفى ۸۶۱ هـ  
 امام نسائي المتوفى ۳۳۳ هـ  
 ابن ماجه المتوفى ۲۴۳ هـ  
 يحيى بن معين المتوفى ۲۲۳ هـ  
 سيد شهاب الدين المتوفى ۱۰۰ هـ  
 علامه قاسم بن قطلوبغا المتوفى ۸۴۹ هـ  
 علامه طرطوسي المتوفى ۴۵۸ هـ  
 علامه سيده حموي المتوفى ۱۰۹۸ هـ  
 محمد بن يوسف كنجي شافعي المتوفى ۶۵۸ هـ  
 شمس الدين مفتي سخاوا المتوفى ۹۶۲ هـ  
 شهاب الدين دولت آبادي المتوفى ۱۰۰ هـ  
 نجم الدين زايد المتوفى ۶۵۶ هـ  
 علي حسادوي المتوفى ۸۰۰ هـ

- نورالدین سمهودی المتوفی ۹۱۱ھ
- فخرالدین رومی المتوفی ۷۰۰ھ
- فضل اللہ محمد بن ایوب المتوفی ۷۰۰ھ
- فاضل لطف اللہ المتوفی ۷۰۰ھ
- ابن مکارم المتوفی
- اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ
- ابراہیم قندوزی المتوفی ۱۲۹۴ھ
- علامہ علاؤالدین المتوفی ۱۰۸۶ھ
- امام عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ
- جابر بن عبد اللہ المتوفی ۷۷۸ھ
- علامہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۸ھ
- علامہ داؤد الظاہکی المتوفی ۱۱۲۸ھ
- عمران بن حصین المتوفی ۵۲ھ
- حضرت بریدہ سلمی المتوفی ۶۲ھ
- عبداللہ بن مالک بن بحینہ المتوفی ۵۴ھ
- امام زہری المتوفی ۱۲۵ھ
- حضرت براء بن عازب المتوفی ۴۲ھ
- اسامہ بن زید المتوفی ۵۴ھ
- جہشی بن جنادہ المتوفی ۷۰۰ھ
- شرف الدین طیبی المتوفی ۷۴۳ھ
- حضرت انس بن مالک المتوفی ۷۰ھ
- سیدہ خدیجہ الکبریٰ المتوفی ۷۰ھ
- حضرت ابو ایوب انصاری المتوفی ۷۰ھ
- سلمان فارسی المتوفی ۳۹ھ
- حذیفہ بن یمان المتوفی ۳۴ھ
- تاج الدین سبکی المتوفی ۱۱۱۰ھ
- شاہ عبدالمحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ
- اسماء بنت عمیس المتوفی ۷۰ھ
- زبیر بن عبدالرحمن بغدادی المتوفی ۷۰ھ
- امیر تیمور لنگ المتوفی
- ام فضل بنت حارث المتوفی
- یعلیٰ بن مرہ المتوفی
- محمد بن حنفیہ المتوفی ۷۳ھ
- زید بن حارثہ المتوفی ۷۰ھ
- حکیم بن حزام المتوفی ۶۰ھ
- زینب بنت جحش المتوفی ۶۳ھ
- حضرت ابو بکر صدیق المتوفی ۱۳ھ
- امیمہ بنت عبدالمطلب المتوفی ۷۰ھ
- ام کلثوم بنت علی المتوفی ۴۹ھ
- محمد یعقوب کلینی المتوفی ۳۲۹ھ
- محقق طوسی المتوفی ۵۶۱ھ
- زین الدین بن علی احمد ۹۶۶ھ
- جمال مکی شیعہ المتوفی
- یزید بن معاویہ ۶۴ھ
- عبداللہ بن جحش المتوفی ۷۰ھ
- عمر بن قتادہ المتوفی ۷۰ھ



- حضرت عقیل بن ابی طالب المتوفی (امارت معاویہ میں وفات ہوئی)
- امام زین العابدین المتوفی ۹۴ھ
- ہمام بن غالب فرزدق المتوفی ۱۱۱ھ
- علی بن عیسیٰ المتوفی ۱۱۰ھ
- خواجہ گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ
- حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ
- عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۲ھ
- مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۶ھ
- علامہ بزازمی المتوفی ۸۲۷ھ
- عبدالرحمن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ
- ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ
- عثمان بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۹ھ
- سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ
- ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ
- عبداللہ بن مسعود المتوفی ۲۳ھ
- عبدالعلیٰ بحر العلوم المتوفی ۱۲۲۶ھ
- علامہ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ
- عبداللہ بن عمرو بن عثمان المتوفی ۱۰۰ھ
- عقبہ بن حارث المتوفی ۱۰۰ھ
- حارثہ بن شراحیل
- سعدی بنت ثعلبہ
- جعفر بن محمد المتوفی ۱۰۰ھ
- عون بن جعفر المتوفی ۱۰۰ھ
- حضرت حفصہ المتوفی ۵۴ھ
- ابوالعاص بن ریح المتوفی ۱۰۰ھ
- عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ
- فاطمہ صغریٰ المتوفی ۱۰۰ھ
- حسن مثنیٰ المتوفی ۹۷ھ
- خالد بن ولید المتوفی ۲۱ھ
- پیرسید جماعت علی شاہ المتوفی ۱۲۷۰ھ
- فضالہ بن عبید المتوفی ۵۳ھ
- امام راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۳ھ
- ثابت بن قیس المتوفی ۱۰۰ھ
- حضرت سالم المتوفی ۱۲ھ
- زید بن ارقم المتوفی ۶۶ھ
- سیلمہ کذاب، مقتول ۱۳ھ
- سہیل بن عمرو المتوفی ۱۸ھ
- اسید بن حضیر المتوفی ۲۰ھ
- سعد بن عبادہ المتوفی ۱۶ھ
- قاضی ابوبکر المتوفی ۵۳۳ھ
- ہشام بن عبد الملک المتوفی ۱۲۵ھ
- معاویہ بن سفیان المتوفی ۶۶ھ
- عبد الملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ

(مفتی غلام رسول)

# ان کتابوں کی فہرست

جن سے

## حسب و نسب

### کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا

امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ  
 محمود بن عمر زنجشیری المتوفی ۵۳۸ھ  
 محمود بن عمر زنجشیری المتوفی ۵۳۸ھ  
 ابو جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ  
 علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ  
 علامہ ابوالحسن واحدی المتوفی ۴۶۸ھ  
 احمد بن محمد ثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ  
 عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۴۴ھ  
 علامہ اسماعیل حقی المتوفی ۱۲۲۷ھ  
 محمد بن احمد قرطبی المتوفی ۶۷۴ھ  
 عبداللہ بن احمد المتوفی ۷۱۰ھ  
 سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۳۹۹ھ  
 مفتی محمد شفیع دیوبندی المتوفی ۱۳۹۶ھ  
 آپر محمد کرم شاہ صاحب ازہری

قرآن پاک  
 تفسیر کبیر  
 تفسیر روح المعانی  
 تفسیر کشاف  
 تفسیر جامع البیان  
 تفسیر درمنثور  
 اسباب النزول  
 عرائس الیتجان  
 تفسیر ابن کثیر  
 تفسیر روح البیان  
 تفسیر قرطبی  
 تفسیر مدارک  
 تفہیم القرآن  
 معارف القرآن  
 ضیاء القرآن

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ	تفسیر خزان العرفان
محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ	صحیح بخاری
مسلم بن حجاج قشیری المتوفی ۲۶۱ھ	صحیح مسلم
محمد بن علی ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ	سنن ترمذی
ابن ماجہ قزوینی المتوفی ۲۷۳ھ	سنن ابن ماجہ
احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ	نسائی
ابوداؤد سجستانی المتوفی ۲۷۹ھ	ابوداؤد
ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ	شرح معانی الآثار
ابوجعفر طیوسی المتوفی ۳۲۱ھ	مشکل الآثار
امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ	کتاب الآثار
مسند احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ	مسند احمد بن حنبل
امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ	مستدرک
امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ	الادب المفرد
ابوداؤد طیالسی المتوفی ۲۰۳ھ	مسند طیالسی
ابواحمد دارمی المتوفی ۲۸۰ھ	سنن دارمی
علی بن عمر دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ	سنن دارقطنی
امام احمد بن حسین بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ	سنن کبریٰ
حافظ ابو نعیم صہبانی المتوفی ۴۳۰ھ	حلیۃ الاولیاء
حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ	فتح الباری
محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ	طبقات ابن سعد
احمد بن علی الخطیب بغدادی المتوفی ۴۶۲ھ	تاریخ بغداد
عزالدین ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ	اسد الغابہ
حافظ ابو عمر ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ	الاستیعاب

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ	الاصابه
حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب
شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ	میزان الاعتدال
احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۳۳ھ	خصائص للنسائی
حافظ نور الدین ہیتمی المتوفی ۷۵۸ھ	مجمع الزوائد
علامہ متقی ہندی المتوفی ۹۷۵ھ	کنز العمال
عبدالرؤف مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ	فیض القدير
عبدالرؤف مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ	کنوز الحقائق
محب الدین طبرسی المتوفی ۶۹۴ھ	ریاض النفرہ
محب الدین طبرسی المتوفی ۶۹۴ھ	ذخائر عقبی
شہاب الدین ابن حجر ہیتمی المتوفی ۹۷۴ھ	صواعق محرقة
علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
علامہ ولی الدین المتوفی ۷۳۷ھ	مشکوٰۃ المصابیح
سید امیر علی	مقدمہ فتاویٰ ہندیہ
ابو محمد المنجدی المحلبی المتوفی ۷۰۳ھ	معرفة الصحابة
مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۷ھ	الامامة والسياسة
حافظ بدر الدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ	عمدة القاری
ابو حاتم محمد بن حبان المتوفی ۳۵۴ھ	صحیح ابن حبان
علامہ ابن عساکر المتوفی ۵۶۶ھ	تاریخ کبیر ابن عساکر
علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ	البدایہ والنہایہ
علامہ ابن جریر طبرسی المتوفی ۳۱۰ھ	تاریخ طبرسی
حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ	تاریخ اسلام
علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ	موہب لدنیہ

علامہ ذرقانی المتوفی ۱۱۲۸ھ	شرح مواہب لدنیہ
علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ	تاریخ الخلفاء
علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ	جامع صغیر
علامہ یوسف کنجی شافعی المتوفی ۶۵۶ھ	کفایۃ الطالب
علامہ شرف الدین طیبی المتوفی ۴۲۳ھ	طیبی شرح مشکوٰۃ
امام طبرانی المتوفی ۳۲۰ھ	معجم صغیر
علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ	مناقب الاخیار
حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ	الکبائر
امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ	معرفة علوم الحدیث
ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ	لسان المیزان
ابن معاذلی شافعی المتوفی ۵۳۷ھ	مناقب علی بن ابی طالب
حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ	کشف الظنون
علامہ عبد الرحمن جامی المتوفی ۸۹۹ھ	شرح جامی
یعقوب کلینی المتوفی ۳۲۹ھ	مسروغ کانی
ابو جعفر طوسی المتوفی ۵۵۱ھ	کتاب الابصار
ابو جعفر طوسی المتوفی ۵۶۱ھ	تہذیب الاحکام
المعلم بطرس البستانی ۱۳۰۰ھ	محیط المحيط
علامہ بلیاوی	مصباح اللغات
علامہ زین الدین ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ	بحر الرائق
علامہ زیلعی المتوفی ۷۶۲ھ	تبیین الحقائق
علامہ طحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ	طحطاوی
امام سرخسی المتوفی ۵۰۰ھ	مبسوط
عبد اللہ بن مسعود المتوفی ۷۴۷ھ	شرح وقایہ

علامہ ابو الدین المتوفی ۱۰۸۸ھ	در مختار
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ	عقد الجبید
علامہ ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ	منحة الخاتق
اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۳ھ	نشر الطیب
شہاب خفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ	نسیم الرياض
قاضی عیاض المتوفی ۵۴۲ھ	شفا
عبدالوہاب اشرفی المتوفی ۹۷۳ھ	لطائف المتن
بلنغ الدین شاہ	طوبی
نور الدین سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ	جواهر العقدين
جمال الدین شیبی المتوفی ۸۰۰ھ	لمعة و مشقیہ
زین الدین عالی المتوفی ۹۶۶ھ	روضۃ البہیۃ
	مسالك الافہام
	تلخیص المراد
علامہ عمر احمد عثمانی	فقہ القرآن
حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ
شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ	مدارج النبوت
شیخ احمد ملا جیسون المتوفی ۱۱۳۰ھ	نور الانوار
ابوبکر مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ	ہدایہ
ابوالبرکات نسفی المتوفی ۷۱۰ھ	کنز الدقائق
سید جموی المتوفی ۱۰۹۸ھ	حواشی الاشباہ والنظائر
عبدالحمی المتوفی ۱۳۰۴ھ	عمدۃ الرعاہ
علامہ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ	فتح القدر
فخر الدین قاضی خان المتوفی ۵۹۳ھ	فتاویٰ قاضی خان

مکتوب بامر السلطان محمد اورنگ زیب المتوفی ۱۱۱۸ھ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ

مصنف (حسب و نسب) مفتی غلام رسول

اسحاق بن ابراہیم نظام الدین شاشی المتوفی ۲۲۵ھ

علامہ احمد شلبی المتوفی ۱۰۲۱ھ

ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ

سیّد امیر علی المتوفی

امام عبد بن حمید المتوفی ۲۴۹ھ

مؤمن بن حسن الشبلنجی المتوفی ۱۰۰۰ھ

پیر مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ

سیّد شہاب الدین المتوفی ۱۰۰۰ھ

علامہ ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ

علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ

ابراہیم قندوزی المتوفی ۱۲۹۴ھ

علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ

محمد بن علی صبان الحنفی المتوفی ۱۲۰۶ھ

علامہ یوسف سبط ابن جوزی المتوفی ۶۵۴ھ

موفق بن احمد خوارزمی المتوفی ۵۶۸ھ

علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ

سلیمان بن احمد طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ

علامہ داؤد بن عمر انطاکی المتوفی ۳۳۸ھ

علامہ شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ رضویہ

فتاویٰ جماعتیہ

اصول شاشی

حاشیہ تبیین الحقائق

رد المحتار

مقدمہ ہدایہ

مسند عبد بن حمید

نور الابصار

فتاویٰ مہر یہ

ترجمان السنۃ

رشفۃ الصادی

الاشباہ والنظائر

ذیل اللسانی

ینابیع المودۃ

لباب النقول

اسعاف الراغبین

تذکرہ خواص الامۃ

مقتل حسین

المجالیۃ الزرنوبیہ فی سلاۃ الزینبیین

کتاب النوادر

التذکرہ اولی الالباب

الیواقیت والمجوہر

علامہ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۳ھ	فتاویٰ کبریٰ
علامہ شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ	کشف الغمہ
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ	بستان المحدثین
پیر سید مہر علی شاہ المتوفی ۱۳۵۶ھ	ملفوظات مہریہ
پیر سید جماعت علی شاہ محدث حلی پوری المتوفی ۱۳۷۰ھ	ملفوظات امیر ملت
حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ	تخصیص ذہبی
علامہ سعیدی	اردو شرح صحیح مسلم
علامہ صدیقی فاضل دیوبند	معلم الاصول اردو شرح اصول الشاشی
ملاحسین واعظ کاشفی المتوفی ۹۱۰ھ	روضۃ الشهداء
علامہ شبلی المتوفی ۱۰۰۰ھ	الفاروق
علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ	خصائص کبریٰ
علامہ یوسف بہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ	الشرف الموثود

مفتی غلام رسول  
(لندن)

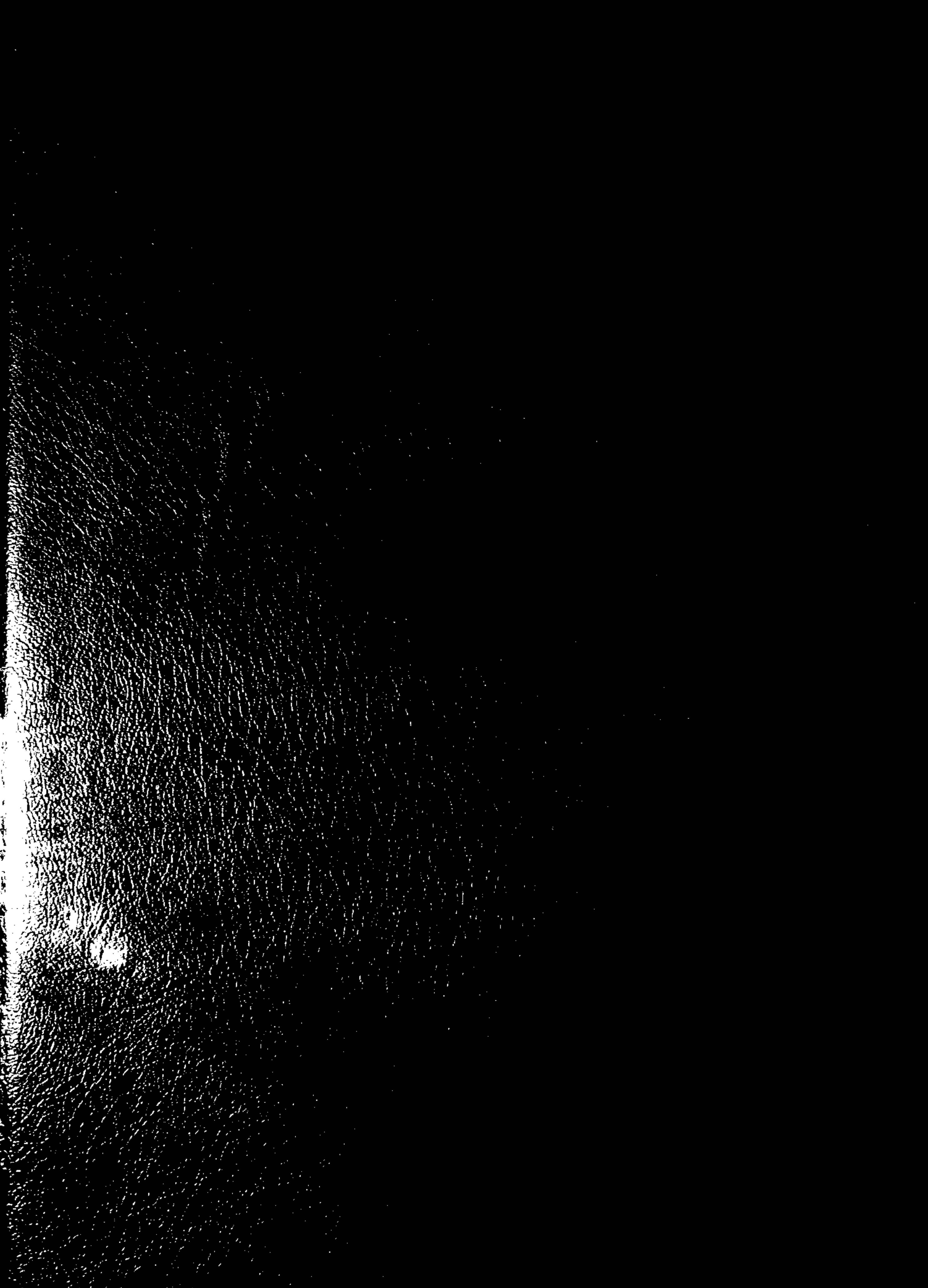


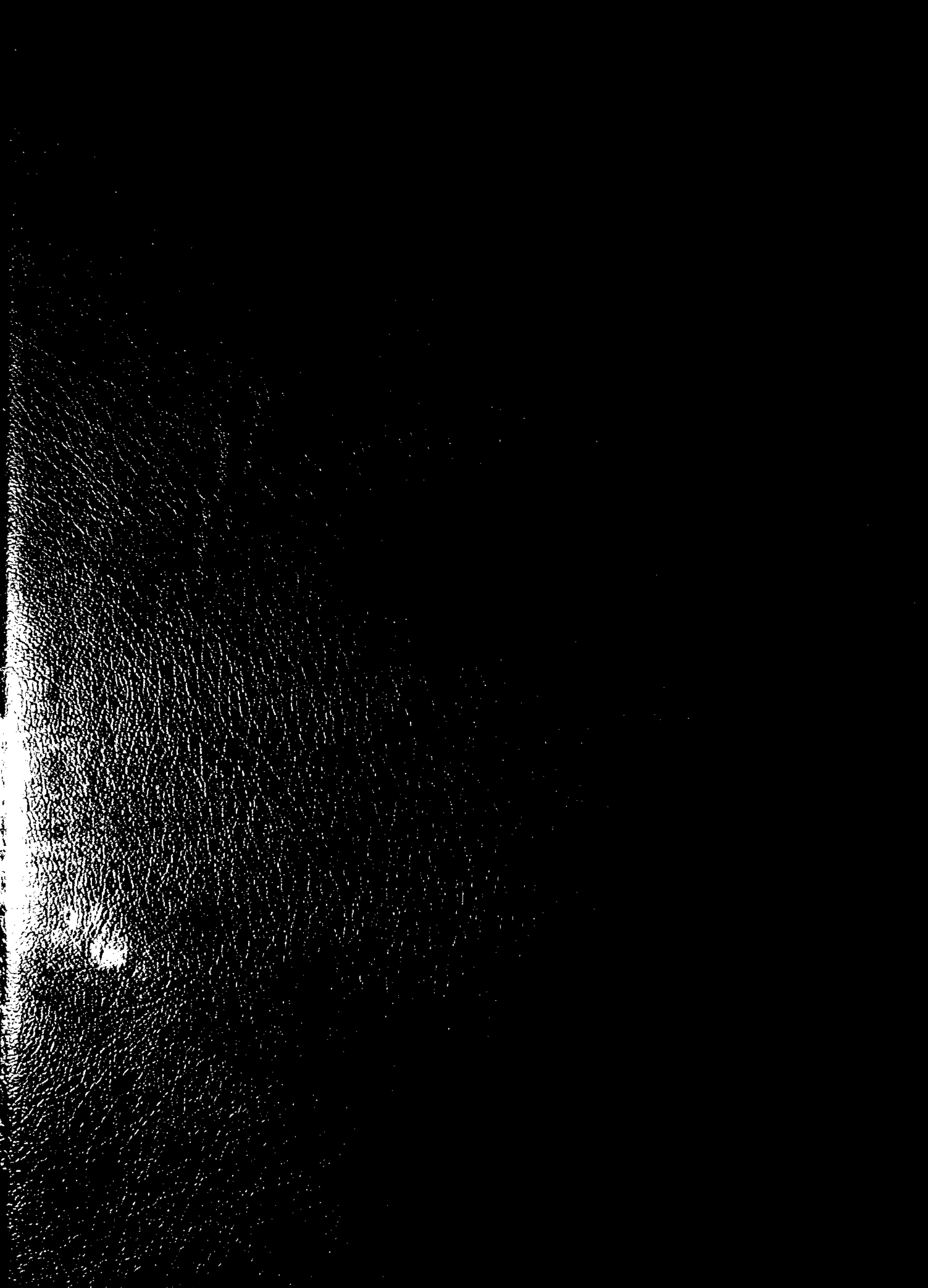
# مصنف کی دیگر تصانیف

- فتاویٰ جماعتیہ (حصہ اول) ○
- فتاویٰ جماعتیہ (حصہ دوم) ○
- نور الفریقین علی رفع الیاسین ○
- سنت سید الانام علی التشریفات خلف الامام ○
- انوار الشریعت ○
- السلطان القوی ○
- القول المسعود ○
- القول المنتقیح علی العمل بالستلیق ○
- التعاقب علی التعاقب ○
- القول علی المقالہ ○
- مجدد دین و ملت حضرت امیر ملت ○
- سیرت النوار ○
- السہم الحق فی کبد مختار الحق ○
- الصاعقة الوباب ○
- الصدقات حرام علی السادات ○
- خلل اندازمی نماز کے متعلق فتویٰ ○









116